یونان کا ادبی ورثہ

احمد عقیل روبی

یونان کا ادبی ورثہ

احمد عقیل روبی

نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

نگران : ڈاکٹر انعام الحق جاوید
مصنف : احمد عقیل روبی

اشاعتِ اوّل : جنوری، 2020ء
تعداد : 1000
کوڈ نمبر : GNU-772
آئی ایس بی این : 978-969-37-1099-1
طابع : قاضی سنز پرنٹرز، راولپنڈی
قیمت : -/280 روپے
پاران ایم ایچ پنہور انسٹیٹیوٹ آف سندھ اسٹڈیز، جامشورو۔
نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:

ویب سائٹ: http/www.nbf.org.pk یا فون: +92-51-9261125

یا ای میل: books@nbf.org.pk

اعتراف

یہ کتاب میرے مطالعے کی اُترن ہے۔ اُلجھی ہوئی، بے ترتیب، شکن آلود، نامکمل...... نہ میں نقاد ہوں، نہ محقق اور نہ عالم فاضل...... سقراط نے اپنے ایک شاگرد سے کہا تھا......

"...... Always sit like a child before

the facts."

میں لاعلمی، حیرت اور معصومیت کی چادر اوڑھ کر کتابوں کے سامنے بیٹھا رہا۔ کبھی کتاب سے جھگڑا نہیں کیا۔ جتنی سمجھ میں آئی، یادداشت کی تھیلی میں رکھ لی۔ یہ کتاب اسی یادداشت کی تھیلی کا کیا دھرا ہے۔ اس میں نظر آنے والی خامیاں اور لغزشیں یہ جان کر نظرانداز کر دیجیے کہ "اور بچوں سے توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے"۔

اعتراف ...... بارِ دیگر

آپ کے زیرِ مطالعہ کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلے ایڈیشن میں غلطیوں کی نشاندہی بے شمار دوستوں نے کی۔ اِس بار کوشش کی گئی ہے کہ اُن غلطیوں کا ازالہ ہو سکے۔ پہلے ایڈیشن میں غلطیوں کے باوجود کتاب کو بہت پسند کیا گیا۔ دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی نوبت اسی لیے آئی۔

احمد عقیل روبی

NBF

فہرست

-5 کامیڈی (Comedy)

ا۔ ارسٹوفینیز

-6 تنقید

ا۔ افلاطون

۲۔ افلاطون کے تنقیدی نظریات

۳۔ ارسطو

۴۔ بوطیقا (Poetics)

۵۔ لانجائی نس (Longinus)

۶۔ ترفع (On The Sublime)

۷۔ ہوریس (Horace)

پیش گفتار

نیشنل بک فاؤنڈیشن کتاب دوستی اور فروغِ کتب بینی کے مشن کو قارئین کی پسند کے موضوعات کی حامل مفید و معیاری اور دلچسپ و معلوماتی کتب کی اشاعت کے ذریعے ''کتاب آپ کی دہلیز پر'' کے سلوگن کی عملی شکل دینے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ این بی ایف کے اس سلسلۂ اشاعت کی ایک تازہ کڑی زیرِ نظر کتاب ''یونان کا ادبی ورثہ'' ہے جو نامور مصنف و دانش ور جناب احمد عقیل روبی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔

جناب احمد عقیل روبی اردو ادب کے وسیع المطالعہ استاد و دانش ور اور قلم کار ہیں۔ یونانی ادب، قدیم اساطیری ادب اور عالمی زبانوں کے متداول ادب کا گہرا مطالعہ و تجزیہ کاری ان کا خاص علمی میدان ہے۔ انھوں نے مختلف جہات میں گرانقدر علمی و ادبی اور تحقیقی کام کیے ہیں تاہم اس کتاب میں انھوں نے مختلف زاویوں سے یونانی ادب کے ورثے کو تحقیقی صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دُنیا کے نقشے پر ایک محدود سے نقطے جتنا ملک یونان وہ ملک ہے جس کے آفاقی علوم، فکریات، نظریات اور تہذیب و تمدن کے مباحث آج دن تک علم و ادب کی فکری آبیاری کر رہے ہیں۔

ہم جناب احمد عقیل روبی کی اہلیہ محترمہ بشریٰ عقیل روبی کے ممنون ہیں کہ انھوں نے احمد عقیل روبی (مرحوم) کی اس کتاب کی تازہ اشاعت کے لیے نیشنل بک فاؤنڈیشن کے شعبۂ مطبوعات کو موقع فراہم کیا۔

امید ہے اپنے علمی موضوع اور تحقیقی مواد کے باعث یہ کتاب قارئین کے لیے مفید اور معلومات افزا ثابت ہوگی اور وہ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید
(مینجنگ ڈائریکٹر)

کچھ میری زبانی

نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان کا ایک مایہ ناز قومی ادارہ ہے۔ یہ ایک ایسا بہتا ہوا دھارا ہے جو اپنے اندر علم وفنون کے خزانے سمیٹے رواں دواں ہے۔ اللہ کرے یہ ادارہ اسی طرح رواں دواں رہے اور علم وادب کے شائقین کو مختلف انواع کے علوم سے سیراب کرتا رہے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرے شوہر احمد عقیل روبی مرحوم کی دو کتابیں ''علم ودانش کے معمار'' اور بچوں کے لیے ''رحم دل پری'' شائع ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں قارئین میں بہت مقبول ہوئیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے ان کی ایک اور کتاب ''یونان کا ادبی ورثہ'' شائع کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک بہت خوش آئند بات ہے۔ یہ شاہکار کتاب اس قومی ادارے کے لیے بہت بڑا علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔

احمد عقیل روبی صاحب کو یونان کے ادب سے ایک خاص شغف حاصل تھا۔ میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ یونان کے ادب کی تاثیر ان کی تخلیقی اساس میں رچی بسی ہوئی تھی جس کی وجہ ان کا یونانی ادب اور اساتیر کا وسیع مطالعہ ہے۔ ان کے ذہنی رجحان میں یونانی ادب کی بالیدگی اس حد تک ہو گئی کہ اُنھوں نے اس بالیدگی کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا شروع کیا اور کتاب ''یونان کا ادبی ورثہ'' تخلیق پذیر ہوئی۔ یہ کتاب احمد عقیل روبی صاحب کی لگن محنت شاقہ اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ ایک کثیر الجہت موضوع جس میں فلسفہ، ادب سیاست، تہذیب وتمدن، ڈرامہ، جنگ وجدل اور شاعری جیسے موضوعات شامل ہیں، اسے کتابی شکل دینا سہل کام نہیں لیکن احمد عقیل روبی صاحب کا ان تمام جہات کو سمیٹ کر ایک خوبصورت تحقیقی اور تخلیقی کتاب کی صورت میں یکجا کرنا کوزے میں دریا بند کرنے کے عین مصداق ہے۔

مجھے یونان کے ادبی ورثے پر کچھ لکھنے کے لیے کہا گیا، میں حیران ہوئی مگر پریشان نہیں۔ میں نے

سوچا کہ اتنی تحقیقی اور کلاسیکی ادب پر مشتمل کتاب پر لکھنا کارِ دارد ہے۔ بہر حال میں نے بساط بھر کوشش کی ہے۔ میں کوئی پختہ قسم کی لکھاری یا ادیبہ نہیں اس لیے جو ذہن میں آیا بیان کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب این بی ایف کے علمی خزانے میں ایک مثبت اضافہ ہوگا۔ پڑھنے والے یقیناً اس سے مستفید ہوں گے اور ان کی زبان اور اذہان میں احمد عقیل روبی صاحب کا نام آئے گا اور اس دنیا میں نہ ہونے کے باوجود ان کا نام زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی روح کو آسودہ رکھے۔ آمین

بلھے شاہ اسیں مرنا ناہیں
گور پیا کوئی ہور
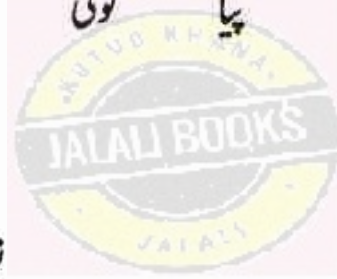
نومبر 2019ء

فون نمبر: 042-35461111
موبائل نمبر: 0300-4775687
ساکن: 126 بلاک H، جوہر ٹاؤن لاہور

یونان
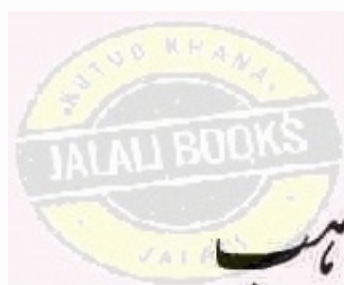
۱۔ مذہب

۲۔ نثر

۳۔ خطابت

The civilization of west sprung from Greek source, is based on a Philosophic and Scientific Tradition that began in Miletus Two and Half Thousands Years Ago..............

BERTRAND RUSSEL

WISDOM OF THE WEST
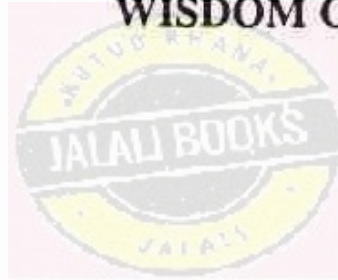
یونان

انسانی فکر پر جس تہذیب نے دیرپا اثرات چھوڑے ہیں وہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جو دنیا کے نقشے پر نقطے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بلقان کی پہاڑیوں کا سلسلہ جہاں سمندر میں جا کر ملتا ہے یہ ملک وہاں واقع ہے اسے یونان کہتے ہیں۔

1500 ق م کا یونان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے پھیلے ہوئے سلسلے پر مبنی تھا۔ یہاں نہ زمین زرخیز تھی نہ تجارت کے لئے خام مال۔ صرف دھوپ میں جلتے ہوئے مفلس لوگ تھے جنہیں پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے پتھر کاٹ کاٹ کر رزق ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ آسمان دور، زمین سخت۔ لیکن سمندر نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا جو زمین نہ دے سکی۔ چنانچہ یہ باشندے تاریخ کے صفحات پر بحری قذاق، تاجر اور ملاح بن کر ابھرے اور نامور کہلائے۔

اس علاقے پر Achaeans، Cretans، Aeolians اور Lonoans وقفے وقفے کے بعد حملہ آور ہوئے۔ کچھ عرصہ قیام کیا اور آگے نکل گئے۔ لیکن Dorians نے ادھر کا رخ کیا تو یہاں آباد ہو گئے اور صدیوں یہاں حکمران بن کر رہے۔ علم و فن، فلسفہ اور فکر کی ایسی فصل کاشت کی جس کی خوشبو سے اب تک لوگ فکر و قلب کے گلشن مہکا رہے ہیں۔

Lonians کی نسبت سے پکارا جانے والا ملک یونان ایک جغرافیائی اصطلاح تھا، جو اصل میں چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں کا پھیلا ہوا ایک سلسلہ تھا۔ ان تمام ریاستوں میں بادشاہی نظام رائج تھا۔ ان ریاستوں پر شخصی حکومت تھی جن کی تفصیل کچھ یوں تھی:

1- ایتھنز کا بادشاہ Thesus تھا۔

2- کورنتھ (Corinth) کا بادشاہ بیلر وفون تھا۔

3- آرگس (Argos) کا بادشاہ ایڈی پس تھا۔

Dorians نے آ کر یہ تمام بادشاہتیں ختم کر دیں۔ ان حملہ آوروں نے بادشاہی طرز

حکومت کو پرانا اور ظالمانہ قرار دے کر جمہوریت کی منزل کی طرف سفر شروع کیا۔ اگرچہ یونانیوں میں اوڈی سی یس (Odysseus) کی یہ بات کہاوت بن چکی تھی کہ ''جس حکومت میں بہت سے لوگ شامل ہوں وہ اچھی حکومت نہیں ہوتی۔'' لیکن یونانیوں نے اس کہاوت کو فراموش کر کے جمہوریت کا علم بلند کیا۔ جمہوریت کی نشوونما میں ایتھنز (Athens) سب ریاستوں میں پیش پیش تھا، جسے تاریخ دان Shopkeepers of Genius یعنی ''ذہانت کا دکاندار'' کہتے ہیں۔

ایتھنز کے شہر میں کُل ساڑھے چار لاکھ لوگ آباد تھے جن میں ڈھائی لاکھ غلام، 80 ہزار غیر ملکی اور ایک لاکھ 20 ہزار ایتھنز کے اصل شہری تھے۔ عورتوں اور بچوں کو نکال کر تقریباً چالیس ہزار شہری باقاعدہ حکومت کے معاملات میں حصہ لیتے تھے۔ ایتھنز کو جمہوریت کی فضا سے روشناس کرانے والوں میں پیریکلیز کا نام بہت اہم ہے جس کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے۔

ساتویں صدی قبل مسیح کا زمانہ ایتھنز (Athens) کی سماجی، مجلسی اور سیاسی زندگی کا بدترین زمانہ تھا۔ تاریخی ثبوت شاہد ہیں کہ ایتھنز کے حکمران ڈکٹیٹر کا روپ دھار چکے تھے اور شہریوں کی آزادی اور حقوق اپنی طاقت اور قوانین جبر سے سلب کر لئے تھے۔ جب حکمرانوں اور شہریوں کے درمیان کشمکش بڑھی تو کچھ دانشور سر جوڑ کر بیٹھے تا کہ خانہ جنگی کو روکا جائے اور کوئی ایسا طریقہ سوچا جائے جس سے شہریوں کا حکومت میں عمل دخل ہو سکے۔ اس کے لئے انہوں نے ایتھنز کے ایک پڑھے لکھے معزز شہری، ڈراکو (Draco) کا انتخاب کیا تا کہ وہ ایسے قوانین بنائے جو عام شہریوں اور غریبوں کو امیروں اور حکمرانوں کے عتاب سے محفوظ کر سکیں۔ اس نے ایسے قوانین کا ایک کتابچہ تیار کیا جو Draconian Laws کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اس نے غلطی یہ کی کہ امیروں اور حکمرانوں کیلئے قانون شکنی کی ایسی خطرناک سزائیں تجویز کیں کہ ان قوانین پر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ 25 سال بعد ایتھنز کا مجسٹریٹ ایک ایسا شخص منتخب ہوا جس نے ایک ایسے طرز حکومت کی تجویز پیش کی جس پر آج کی جمہوریت کی عمارت کھڑی ہے۔ اس شخص کا نام سولون (Solon) تھا۔ اسے یہ عہدہ اسی لئے دیا گیا تھا کہ وہ عوام کے اندر بڑھتے ہوئے انتشار کا کوئی علاج سوچے۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ عام آدمی کی زندگی کو بہتر بنانے اور غلاموں کو آزادی سے روشناس کرانے کے لئے قوانین بنائے۔ عام

آدمی (Demos) کو حکومت کے انتظامی امور میں شامل کرنے کے لئے راستہ ہموار کیا تا کہ عوام براہ راست حکومت میں شامل ہوسکیں۔ یہی وہ طرز حکومت ہے جسے اس نے 612 ق م میں جمہوریت (Democracy) کا نام دیا تھا اور یہی وہ طرز حکومت ہے جو تھوڑی سی بدلی ہوئی شکل میں ہمیں دنیا کے ہر ملک میں نظر آتی ہے۔

دوسرا نامور یونانی دانشور پیتھا گوراس تھا جس نے جنوبی اٹلی کے شہر Crotona میں سکول کھولا اور قدیم مصریوں اور بابل کے فکری نظریات کو یونانی زبان میں ڈھالا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ موسیقی کی دنیا میں سپتک (Octave) میں آٹھ سروں کی نشان دہی تھا۔ علم ریاضی میں بے شمار کارناموں کے علاوہ وہ پہلا یونانی فلاسفر تھا جس نے آواگون کا نظریہ پیش کیا اور اعلان کیا کہ انسان مرنے کے بعد جانوروں کی شکل میں دوبارہ دنیا میں واپس آتا ہے۔

490 ق م میں یونانیوں نے ایران کے خلاف ایک بڑی جنگ لڑی جسے میراتھن (Marathon) کی جنگ کہا جاتا ہے۔ یونان کی کچھ ریاستیں دارا کو سالانہ خراج دیتی تھیں۔ کچھ ریاستوں نے خراج دینا بند کیا تو اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ یونان پر چڑھائی کر دی۔ اس جنگ کی لپیٹ میں وہ ریاستیں بھی آ گئیں جو خراج ادا کرتی تھیں۔ چنانچہ پہلی بار یونانی ریاستوں نے اپنے اختلافات فراموش کر کے ایرانی فوج کا مقابلہ کیا۔ دارا میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا میدان چھوڑ کر بھاگا۔ مشہور المیہ نگار اسکائی لس کی قبر پر لگا ہوا یہ کتبہ اس چیز کا گواہ ہے کہ Salamis کے مقام پر لڑی گئی جنگ میں اسکائی لس نے حصہ لیا تھا اور یہاں یونانیوں کو بری طرح شکست ہوئی تھی۔ اپنے ڈرامے پرشین (Persians) میں اس نے اس جنگ کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ایرانیوں کو شکست دے کر یونانیوں نے مل کر تمام ریاستوں کا اتحاد بنایا جو تاریخ میں Delian League کے نام سے مشہور ہے۔

میراتھن کی اس جنگ کے بعد یونانی فکر کا سنہری دور شروع ہوتا ہے۔ سپارٹا نے اس جنگ میں اپنی بری فوج اور یونانیوں نے سمندری فوج کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ جنگ کے بعد سپارٹا کی بری فوج بکھر گئی لیکن یونانیوں نے اپنی بحری فوج کے ذریعے دور دراز کے علاقوں کی سیر و سیاحت کی۔ اس

فوج نے تاجروں اور سیاحوں کا روپ دھار لیا۔ نئے علاقوں، نئے راستوں، نئی فکر اور نئے لوگوں سے تعلقات بڑھائے۔ اپنے خیالات اور نظریات کو باہر بھیجا اور نئی فکر کی پنیری اپنے علاقے میں درآمد کی۔ یونانیوں نے سوچنے اور لکھنے کے نئے اسلوب اپنائے۔ پیریکلیز (Pericles) وہ نامور یونانی ہے جس کے سر پر یونانی تاریخ کو از سرِ نو تشکیل دینے کا سہرا ہے۔

472 ق م کی اہم بات یہ ہے کہ ایتھنز میں اسکائی لس کا مشہور ڈرامہ (Perisans) تھیٹر میں کھیلا جانے والا تھا لیکن ڈرامہ نگار کی مرضی کے مطابق ایک خوبصورت اور سریلی آواز والا نوجوان نہیں مل رہا تھا جو گانے والوں کو Lead کر سکے۔ آخر ایک خوبصورت شکل اور آواز والا نوجوان مل گیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جس نے ایتھنز کی سیاسی، فکری، سماجی، اقتصادی اور فوجی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس کا نام پیریکلیز تھا۔

پیریکلیز نے ایران کے خلاف کئی مہمات میں فتوحات حاصل کیں اور ایتھنز کے وقار کو بحال کر دیا۔ اس نے اپنے دور کے جمہوریت پسند (Ephaiahes) کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کے ساتھ مل کر جمہوری نظریات کا پرچار کیا۔ اپنے اس استاد کی موت کے بعد خود پارٹی کا لیڈر بنا۔ حکومت کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑتا رہا اور ایسے ایسے قوانین بنواتا رہا جن سے ایتھنز کے ہر شہری کو بلا رنگ و نسل فائدہ پہنچے۔ ہر شہری کو یومیہ وظیفہ (Misthophora) اس کی کوشش سے ملنا شروع ہوا تھا۔ یہ صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ غریب شہری اقتصادی مسائل سے بے فکر ہو کر اسمبلیوں میں بیٹھ کر سرکاری اور حکومتی امور سرانجام دے سکیں۔

پیریکلیز اپنے عہد کی سیاسی زندگی کا سب سے زیادہ موثر انسان تھا۔ یونانیوں کی فتوحات کو تا ابد زندہ رکھنے کے لئے اس نے تعمیرات کا سلسلہ شروع کیا۔ Acropolis مندر کی شاندار تعمیر تو اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنے عہد کے لوگوں کی تنقید کا نشانہ بھی بنتا رہا۔ مشہور طربیہ نگار ارسٹوفینیز بھی اپنے ڈراموں میں طنزاً اسے انسان کے بجائے دیوتا کہا کرتا تھا۔

پیریکلیز کی بیوی ایسپاسیا (Aspasia) بھی اس کے زوال کا سبب بنی۔ وہ بے حد خوبصورت، ذہین اور تخلیقی صلاحیتوں کی مالک عورت تھی۔ ایتھنز میں ادیبوں اور دانشوروں کو ایک مجلس

میں اکٹھا کرنے کا سلسلہ اسی نے شروع کیا۔ وہ شہر بھر کی بات سنتی اور اپنی سناتی۔ کچھ پرانی فکر کے لوگوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ انہوں نے اس عورت پر دیوتاؤں کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے کا الزام لگایا۔ یہ بات عدالت تک پہنچی۔ اپنی بیوی کی خاطر پیریکلیز کو عدالت میں جا کر معافی مانگنا پڑی۔ اس ندامت کے بعد اس نے کبھی سر نہ اٹھایا۔ 429 ق م میں اسے ہیضے نے آگھیرا اور وہ اسی مہلک بیماری سے مر گیا۔

پیریکلیز نے ایتھنز کی ادبی، سیاسی اور سماجی زندگی میں انسانی فکر کو پھلنے پھولنے کے لامحدود ذرائع فراہم کیے۔ اسکائی لس، سوفیکلیز اور یوری پیڈیز جیسے المیہ نگاروں نے ادبی شاہکار مرتب کیے۔ ارسٹوفینیز نے طربیہ نگاری میں اہم کارنامے سرانجام دیے۔ مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس (Herodotus) نے معیاری تاریخ نویسی سے دنیا کو روشناس کرایا۔ اینکسا گوراس نے ایتھنز کے لوگوں کے لئے بیک وقت حیرت و مسرت کے بیش بہا نظریات پیش کیے۔ اس نے پہلی بار اعلان کیا کہ چاند اور سورج دیوتا نہیں بلکہ سخت چٹانوں اور پہاڑیوں کے بے ترتیب سلسلے ہیں جو ہمیں دور سے گول نظر آرہے ہیں۔ انکسا گوراس نے پہلی بار یہ بھی کہا کہ جانوروں میں سب سے مفید جانور انسان ہے کیونکہ اس کے دو بازو ہیں اور یہی دو بازو اسے دوسرے جانوروں سے امتیازی حیثیت دلاتے ہیں۔ ایک بار لوگوں نے ایک سینگ والے ہرن کو دیوتاؤں کا معجزہ قرار دے کر پوجا شروع کر دی۔ مندر کے پادری نے اس کی تائید کی۔ انکسا گوراس نے اس کو معجزہ ماننے سے انکار کر دیا اور لوگوں کو بتلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں یہ صرف جسمانی نشوونما کا عیب ہے۔ بنیاد پرست شہری اس کے خلاف ہو گئے اور اسے ایتھنز سے بھاگنا پڑا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایتھنز کے لوگوں کو اس کے شمسی توانائی کے نظریات پر ایمان لانا پڑا۔

469 ق م ایتھنز کی سوسائٹی میں ایک ایسی شخصیت کی پیدائش کا سال ہے جو آج تک تاریخ انسانی میں عظیم فلاسفر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کا نام سقراط تھا۔ پیریکلیز کی موت کے بعد ایتھنز کی سیاسی اور ثقافتی زندگی کو ایک آسیب نے زوال بن کر گھیر لیا۔ سپارٹا نے پیریکلیز کے ساتھ کیے ہوئے امن معاہدے کو توڑ دیا۔ ایتھنز کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔ جنگ میں شکست

خوردہ ایتھنز کے لوگوں کو سقراط اور افلاطون نے سہارا دیا اور فکر و فلسفے کی بیساکھیاں ان کی بغلوں میں دے کر پھر کھڑا کر دیا۔ پیریکلیز کے بعد جو شاندار فکری عہد دم توڑ رہا تھا، اس میں دوبارہ زندگی آ گئی۔

معمار باپ اور دائی ماں کا کالا، بدصورت، غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس سقراط دلیل اور گفتگو کے ہتھیار سجا کر ایتھنز کی گلیوں اور بازاروں میں نکلا تو ذروں میں آفتاب چمکنے لگے۔ اس نے ایتھنز کے لوگوں کو سوچنے کا ایک نیا ڈھنگ دیا۔ درختوں، پتھروں اور ستاروں سے ہٹ کر انسانی فکر کے نئے راستے متعین کیے اور Ti-To یعنی What is it? کا ہتھیار لے کر چیزوں کی تہہ تک پہنچتا رہا۔ ایتھنز کے نوجوان لڑکوں کے ہجوم میں بیٹھ کر وہ انسانی زندگی کے ہر مسئلے کو کرید کرید کر تاریک نامعلوم گھپاؤں سے آشنائی کی سرحد پر کھڑا کرتا رہا اور یہ نوجوان سقراط کی گفتگو میں اس فلسفے کو آنکھ کھولتے ہوئے دیکھتے رہے جس نے صدیوں بعد یورپ کی فضا میں جا کر انگڑائی لی بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ہر سماجی، اخلاقی اور نظریاتی سکول کی ابتدا ہمیں اس بوڑھے فلسفی کی گفتگو سے ہوتی نظر آتی ہے۔ بقول ول ڈیورانٹ (Will Durant) :

"Every School of social thought had its representative and perhaps the origin."

سقراط نے ''سوال و جواب'' سے علم و فلسفے کی گتھیاں سلجھائیں۔ سچ بول کر قدیم فکر کے لوگوں کی مخالفت مول لی۔ 399 ق م میں زہر کا پیالہ پی کر خود مر گیا لیکن اپنی فکر کو جاوداں بنا گیا۔

سقراط نے ساری زندگی ایک حرف نہیں لکھا۔ بس بولتا رہا۔ اس کا شاگرد افلاطون اس کی ایک ایک بات، ایک ایک حرف کو اپنے ذہن کی تختی پر لکھتا رہا۔ عقل و دانش کے اس چلتے پھرتے پیکر کو افلاطون نے اپنے مکالمات میں محفوظ کر لیا۔ وہ سایہ بن کر اپنے استاد کا پیچھا کرتا اور اس وقت تک اس کے ساتھ رہتا جب تک سقراط اپنی لڑاکا بیوی کے کمرے میں داخل نہ ہو جاتا۔ افلاطون کے پاس سقراط کی زندگی کا ایک ایک لفظ موجود ہے سوائے ان لڑائیوں کی تفصیل اور گالیوں کے جو عظیم دانشور کو بند کمرے میں اپنی بیوی سے سننا پڑتی تھیں۔

افلاطون کی مشہور زمانہ تصنیف جمہوریہ (Republic) اس کے مکالمات کا مجموعہ ہے۔

سقراط کی تمام باتیں ان فلسفیانہ تحریروں میں موجود ہیں۔ افلاطون نے سقراط کے نقش قدم پر چل کر ان فلسفیانہ تحریروں میں ڈرامائی عنصر کی ابتدا کی۔ کرداروں کو استدلال کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے دکھایا۔ ان تمام تحریروں میں سقراط کا کردار مرکزی ہے۔ افلاطون کی حقیقی گفتگو پہلے ہمیں مسائل کے حل کے قریب لے جاتی ہے۔ یہ افلاطون کی تحریروں کا خاص وصف ہے۔ افلاطون کے مکالمات میں سب سے اہم جمہوریہ (Republic) ہے جو دنیا کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ افلاطون کا یہ Utopian شاہکار اپنے مواد اور موضوعات کے اعتبار سے فلسفے کی تاریخ میں ایک اہم ترین ستون ہے۔ اس سے ہر عہد کے انسان نے فکری پیاس بجھائی ہے۔ افلاطون نے 2500 سال قبل یہ کتاب لکھ کر پہلی بار انسان کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے ایک بھرپور نظام پیش کیا۔ آج کے سیاسی، فکری، معاشرتی ڈھانچے میں اگر افلاطون کے نظریات کلی طور پر نہیں تو ٹکڑوں کی صورت میں ضرور ملتے ہیں۔ ہر عہد کے سیاسی اور فکری نقادوں نے اس کتاب کو

1- The World's Most Important Book
2- The Great Book of all times.

کے مختلف عنوانات سے نوازا ہے۔

پیریکلیز (Pericles) کہا کرتا تھا کہ ایتھنز کا وقار اس میں نہیں کہ یہاں اچھی عمارتیں ہیں، بلکہ اس بات میں ہے کہ یہ علم وفنون کا مرکز ہے۔

یونانی زندگی کے دکھ سکھ سے لطف اندوز ہونے کا فن جانتے تھے۔ وہ دکھ کے کڑے لمحات میں بھی مسرت کو فراموش نہیں کرتے۔ یونانی شاعر چاہے وہ المیہ نگار ہی کیوں نہ ہو، زندگی کی حرارت اور مسرتوں سے منہ نہیں موڑتا۔ ہومر (Homer) نے ایلیڈ (Iliad) میں ایک کردار کے منہ سے یونانیوں کے بارے میں یہ الفاظ ادا کرا کے یونانیوں کے کردار کی خصوصیات بیان کر دی ہیں:

Dear to us even is the banquet and the harp and the dance and changes of raiment and the warm bath and love and sleep.

پر تکلف دعوت، ساز، رقص، غسلِ آفتابی، محبت اور نیند سے یونانیوں کو محبت تھی۔ وہ اسے کٹھن سے کٹھن مرحلہ پر بھی نہیں بھولے۔ ٹرائے شہر کی طویل ترین جنگ بھی ان مشاغل کو تبدیل نہیں کر سکی۔ یونانی

گھر سے دور ڈرامے کے میدان میں جنگ بھی لڑتے رہے۔ کھیل تماشے بھی جاری رکھے۔ رقص و سرود کی محفلیں بھی برپا کیں اور اکلیبیز کی طرح اپنے خیموں میں بیٹھ کر ساز پر گیت پر گاتے رہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زندگی سے رابطہ نہ ٹوٹے اور مصریوں کی طرح عقیدوں اور مندروں میں مقید نہ ہو جائیں۔ یونانی المیہ نگار اپنے ڈرامے کو نقطۂ عروج تک لے جا کر بھی یہ بات نہیں بھولتا کہ وہ المیہ نگار بعد میں ہے، پہلے یونانی ہے اور یونانی زندگی کی خارجی لطافتوں اور لذتوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

یونانی زندگی کی خوبصورتیوں اور حیرانیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ مسرت کے لمحات سے لطف اندوز ہونا جانتے تھے۔ جنگ ہو یا زمانہ امن، زندگی کی رعنائیوں کو داد دیتے تھے۔ مصریوں کی طرح انہوں نے زندگی مندروں اور مقبروں کی چار دیواری میں نہیں گزاری۔ ہومر کے ہیرو اوڈی سی لیس کی طرح ساری زندگی دنیا کی گرد چھان کر گزاری۔

یونانی سوسائٹی نے کبھی مذہبی حکمرانی قبول نہیں کی اور نہ لکھنے والوں نے کبھی قلم سے نکلنے والے جملے کو اس خوف سے کاغذ پر آنے سے روکا۔ (اگرچہ پیریکلیز کی بیوی ایسپاسیا، انکسا گوراس اور ارسطو کے بارے میں حوالے ملتے ہیں کہ انہیں دیوتاؤں کے خلاف ہتک آمیز کلمات کہنے کے الزام میں برا بھلا کہا گیا تھا۔ ان الزامات لگانے والوں میں زیادہ تعداد شہریوں کی تھی جو جمہوریت پسند تھے اور ان کی اپنی رائے تھی جس کا وہ اظہار کر رہے تھے) تاریخ اور ادبی شاہکاروں سے یہ شواہد ملتے ہیں کہ پروہت یونانی زندگی میں وہ اہمیت حاصل نہ کر سکا جو مصر اور ہندوستان میں اسے حاصل تھی۔ معجزہ بتانے والے (Seers) کو سوسائٹی میں مقام حاصل تھا اور اس کے فیصلے سوسائٹی کے لئے حتمی نہیں ہوتے تھے۔ اسکائی لس اپنے ڈرامے آگا مم نان (Agamemnon) میں باقاعدہ ان لوگوں پر تنقید کرتا ہے جو جادو اور کالے علم سے لوگوں کو بے خوف بناتے تھے۔

پروہت کا یونانی سوسائٹی میں صرف اتنا کردار تھا کہ وہ لوگوں کو اس بات پر رضامند کر سکے کہ دیوتاؤں کو نذرانے بھینٹ چڑھانے سے دیوتا ان پر اپنی برکتیں نچھاور کر دیں گے لیکن افلاطون جمہوریہ (Republic) میں اس کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے۔ مثلاً Law میں وہ ایک کردار کے منہ سے یہ الفاظ نفرت کے ساتھ کہلواتا ہے۔

Those are notorious natures who say they can Corjune the dead and bribe the Gods with sacrifices and prayers.

پروہت، کاہن اور مذہبی رہنما کا کام صرف مذہبی تقریبات میں مذہبی رسوم کی ادائیگی تھا اور وہ مندر کی چار دیواری تک محدود تھا۔ سیاسی زندگی میں اُسے داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ریاست کی انتظامیہ میں اس کا کوئی فیصلہ یا حوالہ تاریخی حیثیت نہیں رکھتا، نہ اس نے کبھی ہندو برہمن بن کر اچھوتوں کو مذہبی اشلوک سننے پر سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا اور نہ ہی مذہبی پادریوں کی کانفرنس بلا کر گلیلیو جیسے ذہین آدمی کو سزا سنائی۔ (اگر چہ انکسا گوراس نے شمسی توانائی اور چاند سورج کو پہاڑیوں کا سلسلہ کہہ کر ایتھنز کے لوگوں کو چونکا دیا تھا کیونکہ یہ لوگ چاند سورج کو دیوتا مانتے تھے)۔

یونانی بات کہنے اور سننے میں مکمل آزاد تھے بلکہ ان کے نزدیک وہ شخص معذور اور غلام تھا جو اپنے خیالات کا اظہار نہ کر سکے۔ مشہور المیہ نگار یوری پیڈیز (Euripides) کا خیال تھا کہ:

"A slave is who cannot speak his thoughts."

چنانچہ سوچنے والوں اور اظہار خیال کرنے والوں کا ایک ہجوم ایتھنز کے شہر میں پھلتا پھولتا رہا۔ یونان میں ایک پرانی کہاوت عام تھی کہ "اس دنیا میں تمام چیزیں بے ترتیب تھیں، خدا نے انہیں ترتیب دینے کے لئے فلسفی کو بھیجا۔" اور شاید سارے فلسفی یونان ہی میں بھیج دیئے۔ تھیلیز پروٹا گوراس، انکسا گوراس، سقراط، افلاطون، ارسطو یہ وہ بڑے نام ہیں جن کے نظریات علمی، سیاسی، فکری، تاریخی اور معاشی زندگی میں کسی نہ کسی شکل میں آج بھی زندہ ہیں۔ انگریزی شاعر کولرج کا یہ جملہ حقیقت پر مبنی ہے کہ قیامت تک جو بچہ پیدا ہوگا، اس کی فکری صلاحیتیں ارسطو اور افلاطون سے ہی نشوونما پائیں گی۔

یونانیوں کو علم سے محبت تھی۔ وہ نئی بات سن کر اور نئی بات سنا کر مسرت حاصل کرتے تھے۔ ان کے نزدیک علم کی بات سننا ہی سب سے بڑی مسرت تھی۔ ایک بحث کے دوران یونانیوں اور مصریوں کے مزاج کا فرق بتلاتے ہوئے افلاطون نے جمہوریہ میں کہا ہے:

EGYPT AND PHOENICIA love money, the special characteristic of our is the love of knowledge.

پہلی صدی عیسوی کے شروع میں سینٹ پال نے ایشیائے کوچک کا دورہ کیا۔ لوگوں نے اسے لوٹ لیا، مارا پیٹا اور جیل خانے میں بند کر دیا لیکن جب وہ ایتھنز پہنچا تو لوگ پاگلوں کی طرح اس کی بات سننے کے لئے اس کے پیچھے دوڑے۔ اسے پنڈال میں لے گئے تاکہ اس آنے والے اجنبی سے کوئی نئی بات سن سکیں۔

مصر اور یونان کے مختلف جغرافیائی حالات نے دونوں ملکوں کے باشندوں کی فکر اور زندگی پر مختلف اثرات مرتب کئے ہیں۔ مصر دریائے نیل کا زرخیز تحفہ تھا۔ دریا کے کنارے سرسبز اور سونا اگلتا علاقہ، گرم موسم، لامحدود صحرا، جبکہ یونان شدید سردی، پہاڑوں اور چٹانوں میں گھرا ہوا تھا جہاں مضبوط بدن رکھنے والے شہریوں کو سخت محنت کر کے پیٹ کا دوزخ بھرنا پڑتا تھا۔ مصریوں نے اپنے آپ کو مصائب اور دکھوں کے سامنے ڈھیر کر دیا اور موت کی طرف منہ کر لیا لیکن یونانی کھیل تماشوں میں وقت گزارتے تھے۔ زندگی سے مسرت کا ایک ایک لمحہ چھین کر یونانیوں نے لطف حاصل کیا۔ گھوڑ سواری، رتھوں کی دوڑ، کشتی رانی، پہلوانی، رقص، موسیقی کے مقابلے ان کے ہر دلعزیز مشغلے تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر یونانی قوم کا ادبی اور فکری ورثہ ختم بھی ہو جائے تو ان کے کھیلوں کی شاندار روایات دیکھ کر ہی عظیم قوم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کھیل کے بارے میں یونانیوں کی اس دلچسپی کو دیکھ کر ایتھنز کے مجسٹریٹ سولوان (Solon) کو ایک مصری پادری نے کہا تھا:

"Solon Solon you Greeks are all children."

کھیلوں میں یونانیوں کی تقلید اہل روما نے بھی کی، لیکن ان کے کھیل خونی منظر نامے تھے۔ بھوکے شیروں کے سامنے غریب غلاموں کو چھوڑ کر وہ اس وقت تالیاں پیٹتے تھے جب شیر غلاموں کو اپنا لقمہ بناتا تھا۔ اہل روما نہتے انسانوں کو زرہ بکتر سے لیس گلیڈی ایٹرز (Gladiators) کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھ کر بڑی مسرت محسوس کرتے تھے۔ یہی وہ کھیل تھے جن پر اہل روما کو فخر تھا اور یونانیوں کو اس سے شدید نفرت تھی۔ ایک بار رومن ٹیم گلیڈی ایٹرز لے کر ایتھنز پہنچی لیکن اس سے پیشتر کہ کھیل کا باقاعدہ آغاز ہو، ایک شہری اٹھا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"Athenians, before you admit the gladiators come with me and destroy the agtar to pity."

ایتھنز کے شہری بلبلا اٹھے اور اہل روما کے ان سنگدل کھلاڑیوں کو شہر بدر کر دیا۔ اہل روما کو اس پر بے حد ناز تھا کہ ان کے پاس اتنے شیر ہیں کہ ہندوستان کے جنگلوں میں نہیں ہوں گے۔ انہیں بڑا فخر تھا کہ ہمارے شہر روم میں تو شیروں کی گنتی محال ہے لیکن گنگا کے کنارے قائم ملک کے بادشاہ کی گاڑی صرف دو شیر کھینچتے ہیں۔ یونانی کھیل جسمانی ساخت اور تشکیل کے لئے کھیلتے تھے۔ ان کے نزدیک صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ کا حامل ہو سکتا تھا۔ ان کے کھیلوں میں کوئی ایسا کھیل شامل نہ تھا جس میں کسی انسانی جان کو ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہو۔ روم کے بادشاہ Marcus Aurelirs کے بیٹے کو بقول سسرو (Cicero) اس بات پر بڑا فخر تھا کہ اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے ڈھائی ہزار غلاموں کو قتل کیا ہے بلکہ وہ انسانی قتل کئے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا۔ روم کے شہریوں کو اپنے شیروں، گلیڈی ایٹرز، عمارتوں اور کھیل کے خونی میدانوں پر فخر تھا۔ اپنی دولت اور سلطنت کی وسعت پر ناز تھا۔ لیکن یونانی اپنی فکر، ذہانت، فلسفہ اور ادب پر نازاں تھے۔ یوری پیڈیز کے ڈرامے میڈیا (Media) میں جیسن (Jason) ایک غیر علاقائی عورت میڈیا (Media) کو بیوی بنا کر لے آتا ہے تو یونانی سوسائٹی اسے صرف اس لئے قبول نہیں کرتی کہ وہ ظالم جادوگرنی رہی ہے اور فکر و عقل میں ان کے ہم پلہ نہیں۔ وہ اس سے بار بار کہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا کیا مقابلہ:

"We eat wisdom and drink intelligence."

افلاطون کا نامور شاگرد ارسطو چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا تھا۔ علوم ظاہری اور باطنی اس کی نس نس میں بولتے تھے۔ اس نے ہر علم میں اپنا لوہا منوایا۔ جھوٹی بات چند قدم چل کر دم توڑ دیتی ہے لیکن ارسطو کے نظریات صدیوں میں جدید علوم میں کہیں نہ کہیں مل جاتے ہیں۔ سائنس کا مضمون اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا باپ سکندر کے باپ کا حکیم تھا اس لئے دوائیوں کی خوشبو پیدا ہوتے ہی اس میں رچ بس گئی تھی۔ 24 سال اس نے افلاطون کی اکیڈمی میں گزارے جہاں اس نے ہر قسم کے علم میں مکمل آگاہی حاصل کی۔ 24 سال ایتھنز میں رہ کر وہ 342 ق م میں سکندر کا اتالیق بن کر مقدونیہ چلا آیا۔ کئی سال سکندر کی تربیت کی۔ اس کی وفات کے بعد جب مقدونیہ کی فضا اپنے خلاف دیکھی تو ایتھنز چلا آیا اور اپنا سکول Lyceum کھول کر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سکندر جب تک زندہ رہا ارسطو حالات سے لڑتا رہا لیکن سکندر مرا تو حالات یکسر اس کے خلاف ہو گئے۔ اس پر دیوتاؤں اور مذہبی رسومات کی مخالفت کے الزام لگے۔ چنانچہ وہ

ایتھنز سے بھاگ کر اپنے آبائی وطن سٹاگیریا (Stagiria) چلا آیا جہاں 72 سال کی عمر میں پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

ارسطو نے مختلف موضوعات پر 170 کتابیں لکھیں جن میں سے 42 لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ سائنسی موضوعات پر اس کے مقالے اس کے عہد کی سائنسی تحقیق کا ارتقاء ہیں۔ فزکس، کیمسٹری، جغرافیہ، بیالوجی، جیالوجی، فزیالوجی، اناٹومی، خطابت، تنقید، فلسفہ، اخلاقیات، سیاست، اقتصادیات، تعلیم، شاعری، زمانہ جہالت کی رسومات مختلف ریاستوں کے قوانین غرض کوئی ایسا موضوع نظر نہیں آتا جس پر ارسطو نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ارسطو پہلا منظم نقاد اور طبع زاد فلسفی تھا۔ ارسطو نے تقابلی مطالعے سے بہت سی نئی باتیں اخذ کیں جو شاید پہلے کے فلسفیوں میں نہ تھیں۔ اپنی کتاب Poetics میں اس نے افلاطون کی شاعری پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیا اور بہت سی باتوں سے اختلاف کیا۔

ارسطو نے اپنے کام سے بعد میں آنے والوں کو بے حد متاثر کیا۔ اس کا سب سے پہلے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ نویں صدی عیسوی میں عرب دانشوروں نے ارسطو کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ بغداد کے خلفاء نے یہ کام اپنی نگرانی میں کرایا اور ارسطو کی فکر نے عرب فلسفیوں کو بے حد متاثر کیا۔ اطالوی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی زبانوں میں ارسطو کے ترجمے ہوئے۔ سالہا سال تک یورپ کے فلسفیوں نے ارسطو کے زیر اثر اپنے نظریات کو تشکیل دیا۔ آج بھی تھوڑی بہت تبدیلیوں کے بعد ارسطو کے نظریات زندہ ہیں۔ ارسطو نے غربت کو جرم اور انقلاب کی اصل وجہ قرار دیا۔ آج کے دانشور اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ارسطو کے زمانے میں تعلیم عام نہ تھی لیکن اس نے اس بات پر زور دیا کہ اچھی حکومت، اچھے معاشرے اور اچھی سوسائٹی کا دارومدار نوجوانوں کی تعلیم پر ہی ہے جس کا پرچار آج بھی ہو رہا ہے۔ انگریزی شاعر کولرج کی یہ بات برحق ہے کہ دانشور اور فلسفی گئے کل کا ہو یا آج کا یا آنے والے کل کا، وہ ارسطو اور افلاطون کے فکری جہان سے باہر نہیں نکل سکتا۔

فلسفے اور دیگر علوم کے ساتھ ساتھ یونانیوں کا سائنسی علم بھی 600 ق م سے سقراط تک پھلتا پھولتا نظر آتا ہے۔ مطالعہ فطرت کے طالب علم جنہیں Physikioi یا Physicists کہا جاتا تھا علم سائنس میں ابتدائی بنیادیں رکھ دیتے ہیں۔ دنیا کیسے بنی؟ کس چیز سے بنی؟ آدمی کی حیثیت اس میں کیا

ہے؟ اگرچہ یہ مسائل فلسفے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یونانیوں نے ان کو فلسفے کے ذریعے سائنس تک پہنچایا۔ آج کا طالب علم شاید ان کو سائنس دان نہ کہے لیکن جدید سائنس میں ان کے نام ضرور ملتے ہیں۔

یونانیوں پر یہ الزام لگانا قطعی غلط ہے کہ وہ مشاہدے سے دور بھاگتے تھے۔ مشہور فلسفی تھیلز (Thales) نے مشاہدے اور تجربے ہی سے ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر دور سے آتے ہوئے جہاز کا فاصلہ ماپنے کا طریقہ بتلایا۔ پیتھا گوراس (Pythagoras) کے شاگردوں نے موسیقی کے Scales اور ریاضی کے ہندسوں سے تشکیل کائنات کا نظریہ پیش کیا۔ افلاطون کی اکیڈمی میں ریاضی اور جیومیٹری کے مسائل کے ساتھ ساتھ پودوں کی اقسام پر بھی بحث ہوتی تھی۔ ارسطو کا زمانہ مشاہدے اور تجربے کا زمانہ تھا۔ اس نے اپنے استاد افلاطون کے فلسفیانہ فکر کی نفی کی اور تجربے کی دنیا میں قدم رکھا۔

ارسطو غالباً پہلا اور آخری یونانی فلاسفر تھا جس نے اشیاء فطرت کو مشاہدے کی باریک آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اس کی تحقیق History of Animals بہت اہم کتاب ہے۔ Pyrrha کے جزیرے میں گھنٹوں بیٹھ کر اس نے مچھلیوں کی عادات کا مشاہدہ کیا۔ الو کی آنکھوں کے بارے میں اس کی رائے ظاہر کرتی ہے کہ وہ کئی کئی دن مارا مارا پھرا اور مشاہدے کے بعد نتیجہ اخذ کیا۔ بیالوجی پر قلم اٹھایا۔ 170 سے زیادہ پرندوں کی اقسام گنوا دیں۔ 169 قسم کی مچھلیاں دریافت کیں اور 60 قسم کے کیڑے ڈھونڈ نکالے۔ ارسطو کے بعد 19 ویں صدی تک کسی نے ان دریافتوں کو آگے نہیں بڑھایا۔

ارسطو نے 100 سے زیادہ جانوروں کے اندرونی اعضاء کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو نے خود آپریشن کئے۔ ہرن، مینڈک، چھپکلی کا کامیاب آپریشن کیا۔ صرف ایک جانور کا آپریشن نہ کر سکا اور وہ جانور انسان تھا۔

ایتھنز میں ارسطو کا سکول Lyceum مختلف علوم کی درس گاہ تھا۔ یہ ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا تھا جس میں تمام ممکنہ علوم موجود تھے۔ فزکس، میٹافزکس، علم نجوم، بیالوجی، تھیالوجی، ادویات، تاریخ، ادب، سیاست اور اخلاقیات نمایاں علوم تھے جو اس سکول میں پڑھائے جاتے تھے۔

ٹریجڈی کی تاریخ میں تھیسپس (Thespis) کا نام اس لئے اہم ہے کہ اس نے ایک ایکٹر اور مکالمے کو رائج کر کے ٹریجڈی کو Passions, Play کی گرفت سے نکالا۔ اگرچہ موضوع اور پلاٹ وہی تھا۔ اسکائی لیس نے تھیسپس کی رکھی ہوئی بنیاد پر المیہ کی شاندار عمارت تعمیر کی۔ تاریخی موضوعات کو ڈرامے

کا پلاٹ بنایا۔ المیہ کو عبادت گاہ کی فضا سے نکال کر انسانوں کے تھیٹر میں لے آیا۔ ایک ایکٹر کا اضافہ کر کے مکالمے اور تصادم میں جان پیدا کی۔

اسکائی لس سے پہلے ٹریجڈی یا المیہ میں ڈانس اور گیتوں کی بھر مار تھی۔ اسکائی لیس نے اسے کم کیا۔ اسکائی لس کا مشہور ڈرامہ آگا مم نان (Agamemnon) جو کل 1670 سطروں کا ڈرامہ ہے اس میں 900 مکالموں کی سطریں ہیں۔ دوسرے ایکٹر کے اضافے سے کہانی کی تفہیم میں آسانی ہوگئی کیونکہ یہ دونوں اداکار ماسک پہن کر 60 سے 65 کردار ادا کرتے تھے۔

اسکائی لیس بہت بڑا ڈانس ڈائریکٹر اور سٹیج ڈائریکٹر تھا۔ چنانچہ اس نے ڈرامے میں Show Business کے عناصر کو شامل کر کے المیہ کی مقبولیت میں بے حد اضافہ کیا۔ پہلے رقص صرف خوشی کا اظہار کرتا تھا لیکن اس نے اسے غم کے جذبات کی عکاسی کے لئے بھی استعمال کیا۔ اس نے رقاصوں کو اشاروں اور حرکات وسکنات کی ایسی تربیت دی کہ وہ رقص کے ذریعے دکھ درد کا پورا منظر سمجھا دیتے تھے۔ دیو مالائی کرداروں کو اس نے سٹیج پر اترتے اور غائب ہوتے دکھایا۔ اپنے ڈرامے The Persians میں پہلی بار جن (Ghost) کو سٹیج پر دکھایا۔ اپنے ایک ڈرامے میں روحوں کا اتنا ہجوم دکھا دیا کہ بچے خوف سے رونے لگے اور کئی عورتوں کے حمل ضائع ہو گئے۔ روحوں کے بل کھاتے سانپ، نتھنوں سے نکلتا آتشی لاوا اور آنکھوں سے بہتا ہوا خون۔ یہ سب کچھ اس نے سٹیج پر دکھایا۔ وہ اپنے ڈراموں کا ڈریس ماسٹر خود تھا۔ اس نے اداکاروں کو موٹا اور پتلا کر کے سٹیج پر پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 6 فٹ کے اداکار کو 9 فٹ کا بنا کر پیش کر سکتا تھا۔ اس کے لئے اس نے اپنے طور پر سیٹ کا ساز و سامان بنایا تھا۔ اس نے ایک کرین بنائی تھی جس کے ذریعے دیوتاؤں کے کردار آسمان سے اترتے اور واپس جاتے دکھائی دیتے تھے۔ اسکائی لیس نہ صرف ایک اہم ترین المیہ نگار تھا بلکہ المیہ کی تاریخ میں اسے ایک اعلیٰ درجے کا ڈانس ماسٹر، ڈریس ماسٹر، سٹیج ڈائریکٹر، ڈیزائنر بھی مانا جاتا ہے۔

تھیلیز (Thales) یونانیوں کا پہلا سائنس دان اور فلاسفر تھا۔ کہتے ہیں کہ سائنس اور فلسفے کا آغاز اسی سے ہوا۔ اس نے پہلی بار دعویٰ کیا کہ دنیا پانی سے تخلیق ہوئی ہے۔

"Every thing came out of water and ultimately it

will go in to it."

ہیروڈوٹس (Herodotus) کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ تھیلیز نے 585 ق م میں سورج گرہن کی پیش گوئی کی تھی۔ اس نے پارے میں روح کی نشاندہی کی۔ دلیل یہ دی کیونکہ پارہ لوہے کو متحرک کرسکتا ہے اس لئے اس میں روح موجود ہے۔ ایک باراس نے پیش گوئی کی کہ زیتون کی فصل اس سال بہت اچھی ہوگی۔ لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ جب اس کے تجربے اور موسموں کے علم کو للکارا گیا تو اس نے زیتون کے تیل کا ذخیرہ کر کے پوری مارکیٹ کو برباد کر دیا۔ جب تیل کی قلت ہوئی تو مہنگے نرخ پر فروخت کیا۔

میلی ٹس (Miletus) کے دوسرے دو اہم مفکر انیکسی مینڈر (Anaximander) اور انیکسی مینز (Anaximenes) ہیں۔ انہوں نے شہری زندگی کے امور میں حصہ لیا۔ شہری زندگی میں ظاہر ہونے والی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے شہریوں کو حل پیش کئے۔ انہوں نے ظاہری اشیاء کی اصل اور ماہیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ساموس (Samos) کے شہری پیتھا گوراس (Pythagoras) کی فکر نے فلسفے اور فکر میں ایک نئی لہر دوڑا دی۔ مصر جا کر اس نے علم ہندسہ سیکھا۔ اس سے پہلے علم فلسفہ صرف خارجی چیزوں کا مشاہدہ تھا۔ پیتھا گوراس نے اسے کائنات کے مخفی علم کے لئے استعمال کیا اور روح کے مطالعے کا ایک ذریعہ قرار دیا۔ اس نے پہلی بار مسئلہ آواگون کی طرف اشارہ کیا۔ اپنے (Croton) سکول میں اس نے سائنس اور علم ریاضی کو فروغ دیا۔ پیتھا گوراس کے مطابق انسانی زندگی کی تطہیر صرف موسیقی ہی سے ہوتی ہے (اسی نظریہ پر افلاطون نے اپنی شہرہ آفاق کتاب Republic میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے) سروں کے درمیان آنے والے وقفوں کو اس نے ریاضی کے حوالے سے حل کیا۔ ساز میں تاروں کی تقسیم اور سپتکوں یعنی Octave سے وہ فلسفے کا رشتہ جوڑتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ موسیقی کا باقاعدہ مشاہدہ کیا جائے اور سازوں کو ریاضی کے اصولوں کے مطابق ترتیب دیا جائے تو موسیقی فلسفے کا مرکزی رکن بن جاتی ہے۔ سپتکوں کے مدھم (Low) اور اونچے (Major) سروں کا متوازن ملاپ غنا کو جنم دیتا ہے۔ موسیقی میں ریاضی کی شمولیت سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کائنات کی تمام اشیاء عدد ہیں۔ چنانچہ تمام چیزوں سے

آگاہی کے لئے علم ہندسہ اور موسیقی کا جاننا بہت ضروری ہے۔ پیتھا گوراس کے اس نظریے سے ہی بعد میں Theory of Unweroals یا Theory of Ideas نے جنم لیا۔

انکسا گوراس (Anaxagoras) نے سائنسی اور کائنات کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس نے شمسی توانائی کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ ستارے جلتی ہوئی چٹانوں کے ٹکڑے ہیں۔ ایتھنز کے بنیاد پرست طبقے کو اس نے اپنے خلاف کرلیا۔ اس سے پہلے کہ اسے کڑی سزا دیتے پیریکلیز نے اسے بھگا دیا۔ وہ سیدھا Lampsacus چلا گیا۔ (Wisdom of West) میں برٹرنڈ رسل کا کہنا ہے انیکسا گوراس غالباً پہلا دانشور تھا جس کی موت کے دن کو باقاعدہ چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔

انکسا گوراس کے بعض نظریات کو مذہب اور دیوتاؤں کی شان میں گستاخی قرار دیا گیا۔ سقراط کے جن نظریات پر مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ وہ انکسا گوراس کی کتاب میں بھی درج تھے جو ایتھنز کے بازار میں ایک روپیہ Drachma میں عام مل جاتی تھی۔
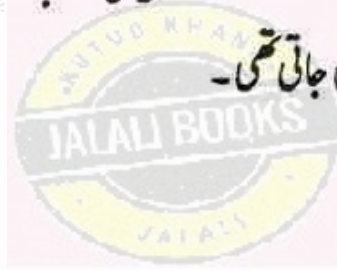
مذہب

یونانیوں کا مذہب دوسری قدیم انسانی تہذیبوں سے بہت مختلف تھا۔ قدیم انسانوں کے دیوتا اور خدا خوف اور ڈر کی علامت تھے لیکن یونانیوں کے دیوتا ایسے نہ تھے۔ انہوں نے اپنے دیوتا بھی اپنے جیسے ہی تراشے تھے۔ ان کی ساری عادات، صفات، کمزوریاں یونانیوں جیسی تھیں۔ یونانیوں کا ایک خدا نہ تھا اور نہ ہی ان کا یہ عقیدہ تھا کہ کائنات دیوتاؤں نے بنائی ہے بلکہ کائنات نے دیوتاؤں کو تشکیل دیا تھا۔

یونانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو صرف ایک بے شکل سا ہیولہ تھا کہ اچانک Ouranos یعنی باپ اور Gaea یعنی ماں ...... (آسمان اور زمین) وجود میں آ گئے اور پھر ان کے بچے پیدا ہوئے، یہ آسمان اور زمین کی اولاد تھے۔ ان کے ساتھ جنوں کی ایک نسل Titans پیدا ہوئی۔ تقدیر Moria کو طاقت عطا ہوئی۔ Titans سے ایک مرد Cronos نے اپنے باپ کو زخمی کیا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کو سزا دینے کے لئے Furies پیدا ہوئیں...... Cronos ان گنت سالوں تک حکمران رہا۔ اس دوران دیوتا اور انسانوں کی نسل پیدا ہوتی رہی۔ انسان کو حقیر اور کمتر سمجھا جاتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ Cronos کے بیٹے زیوس Zeus نے پرومی تھیس Prometheus کی مدد سے باپ کا تختہ الٹ دیا اور خود تخت پر قابض ہو گیا اور اپنے خاندان کے ساتھ Mount Olympus پر رہنے لگا۔

زیوس Zeus کی بہن ہیرا Hera اس کی بیوی تھی۔ اس کا بھائی Poseidon سمندر اور Hades عالم ارواح کا دیوتا تھا۔ اتھینا Athena ذہانت کی دیوی تھی۔ جس کا پسندیدہ شہر ایتھنز تھا۔ اپالو

Apollo سچ اور روشنی کا دیوتا تھا۔ Delphi کے مقام پر آنے والے لوگوں کے بارے میں پیش گوئیاں کرتا تھا۔ شفا اور فن شاعری کا بھی یہی دیوتا تھا۔ Artemis شکار اور جنگل کی مخلوقات کی دیوی تھی۔ ایفروڈائٹی Aphrodite محبت اور حسن کی دیوی تھی۔ ہرمز Hermes اپنی برق رفتاری کے باعث دیوتاؤں کا پیام بر تھا۔ Hephaestus آگ کا دیوتا تھا اور دیوتاؤں کا لوہار تھا۔ زمین کے دیوتاؤں میں Demeter اجناس کی دیوی تھی۔ ڈائی یونی Dionysus بہار اور شراب کا دیوتا تھا۔ ڈائی یونی سس کی تھیٹر میں پرستش ہوتی تھی۔ ڈرامہ نگاری کے ارتقاء میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ زیوس Zeus پرومی تھیس Prometheus کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا لیکن بعد میں اس کے خلاف ہو گیا۔ پرومی تھیس کو انسان سے بہت ہمدردی تھی۔ اس نے آسمان سے آگ چرا کر زمین پر انسان کو دے دی تا کہ وہ ایک مضبوط نسل بن جائے۔ زیوس کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں انسان اتنا مضبوط نہ بن جائے کہ اس کے تخت پر قبضہ کر لے۔ زیوس نے پرومی تھیس کو بہت کڑی سزا دی اور زنجیروں کے ساتھ اسے پہاڑی Caucasus پر باندھ دیا۔ جہاں ایک عقاب دن بھر اس کا دل دکھاتا تھا۔ شام ہوتے ہی واپس چلا جاتا۔ دل پھر اصل شکل میں آ جاتا اور عقاب دوسرے دن آ کر پھر کھانا شروع کر دیتا۔

یونانیوں کے مذہبی نظریات میں تقدیر Moria کا ذکر بہت ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جس کے سامنے دیوتا بھی بے بس ہیں۔ اسکائی لیس کے ڈرامے پرومی تھیس میں بے بس پرومی تھیس جل پریوں سے خود کہتا ہے کہ تقدیر کی طاقت بڑی اٹل ہے اس سے دیوتاؤں کو بھی فرار نہیں۔

تقدیر Morial کا تین دوسرے مذہبی اصولوں سے گہرا رشتہ ہے:

غرور ...... Hybris

انصاف ...... Dike

تباہی ...... Ate

ہر آدمی ایک تقدیر کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ جو کچھ اسے ملتا ہے تقدیر میں لکھا ہے۔ اگر وہ اس سے زیادہ کا خواہش مند ہے تو وہ غرور Hybris کا شکار ہوتا ہے اور انصاف Dike اسے اپنی گرفت میں لے لے گا اور اس کا مقدر تباہی Ate ہو گا۔

یونانی ادب سارے کا سارا ان ہی اصولوں کے اردگرد گھومتا ہے۔ انسان کو طے شدہ قوانین کے تحت زندگی گزارنا چاہیے۔ ذہانت، دانش، جرأت، ہمت اس کو عطا کی ہوئی نیکیاں ہیں۔ اچھا جسم اور اچھا دماغ ہی انسان کی اصل خوبیاں ہیں۔ اس سے زیادہ کی ہوس غرور کی علامت ہوگی۔ انصاف کی رو سے تباہی اس کی منتظر ہوگی۔

یونانیوں کا سارا مذہب ان کی دیومالائی کہانیوں کا مرہون منت ہے۔ ہومر (Homer) کی دونوں کتابوں میں ابھرنے والے دیوتا وہی ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ دیوتا اچھی اور بری عادات کے مالک ہیں۔ Mount Olympus پر بیٹھ کر وہ انسانوں کو لڑانے کا کھیل کھیلتے ہیں۔ میدان جنگ میں کوئی نہ کوئی ہیرو کسی نہ کسی دیوتا کا چہیتا ہے۔ جس کو وہ خطرات سے بچاتے ہیں۔ انہیں اپنی نفرتوں کا شکار بناتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ ایفروڈرائٹی (Aphrodite) نے ہیلن (Helen) کو گمراہ کیا اور پیرس کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کیا جس کے نتیجے میں ٹرائے کی طویل ترین جنگ لڑی گئی اور ہزاروں انسانوں کا خون ہوا۔

سمندر دیوتا (Poseidon) اوڈی سی لیس سے ناراض ہوا تو اسے دس سال دربدری کی سزا بھگتنا پڑی۔ اتھینا (Athena) اوڈی سی لیس پر مہربان تھی اور آجکس (Ajax) سے ناراض۔ چنانچہ اس نے آجکس (Ajex) کو پاگل بنا دیا اور آخرکار اسے اپنی ہی تلوار سے خودکشی کرنا پڑی۔ زیوس (Zeus) زمین کی عورتوں سے جنسی تعلقات کے لئے ہر پل پریشان رہتا تھا اور اس کی بیوی Hera اس کی مخبری پر لگی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ دیوتاؤں کے شایان شان نہیں۔ شاعروں نے اسے اپنی شاعری میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ افلاطون اسی لئے شاعروں کو اپنی خیالی ریاست کے لئے مضر قرار دیتا ہے۔ وہ ہومر (Homer) کے سخت خلاف ہے۔ اس لئے کہ وہ دیوتاؤں کو مضحک صورت میں پیش کرتا ہے اور ہومر کو سکولوں میں پڑھانے کے خلاف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جھوٹی کہانیاں بچوں کے اخلاق پر برا اثر ڈال سکتی ہیں۔ افلاطون ان شاعروں کے بارے جو دیوتاؤں کو برائیوں میں ملوث کر کے پیش کرتے ہیں، کہتا ہے:

"When a poet speaks this of the Gods, we shall be angry, and we shall not allow school master to use his sayings in educating the young."

یوری پیڈیز بھی ان دیوتاؤں کو اس صورت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس نے اپنے ڈراموں میں دیوتاؤں کو روایتی طور پر استعمال کیا لیکن اس کا پختہ نظریہ یہ تھا۔

"If Gods do evil they are no Gods."

یونانیوں کو ان دیوتاؤں سے عشق تھا۔ کیونکہ وہ ان میں اپنا آپ دیکھتے تھے۔ ان کی عادات، اچھائیاں، برائیاں سب کچھ دیوتاؤں میں موجود تھیں۔ ان سب چیزوں کے باوجود ان کہانیوں کے ذریعے یونانی اس حقیقت کی طرف رجوع کرنے میں کامیاب ہو گئے جو تمام سچے مذہب کی روح ہوتی ہے۔

یہ نامعلوم خدا کا تصور تھا جو سقراط اور افلاطون تک پہنچتے پہنچتے معلوم کی روشنی بن کر چمک چکا تھا۔ وہم اور غیر یقینی کی دھند چھٹ چکی تھی اور اب Greater Truth کی صورت میں خدا کا تصور واضح ہو چکا تھا۔

نثر

چھٹی صدی قبل مسیح تک نثر صرف دفتری ضرورت، لین دین کی رسیدوں، قانونی فیصلوں اور زندگی کی روزمرہ لکھت پڑھت تک محدود تھی۔ Iionian فلاسفی کا آغاز اور تاریخ نویسی شروع ہوئی تو نثر نگاری کی ضرورت محسوس کی گئی اور پھر نثر لکھنے والوں نے Orphic مذہب کے عقائد کے خلاف احتجاج شروع کیا اور فطرت کو عقلی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔

تھیلیز (Thales) کو یورپی فلسفے اور سائنس کا جدامجد کہا جاتا ہے۔ اس نے کائنات کی ہر چیز کی بنیاد پانی کو قرار دیا۔ 585ق م میں اس نے چاند گرہن کا انکشاف کیا۔

شاعر Xenophanes ریشنلسٹ دانشور تھا اور Orphic تصوف کا بہت بڑا دشمن۔ اس نے پہلی بار اعلان کیا کہ خدا ایک ہے اور وہ ہم انسانوں کی طرح فانی نہیں ہے۔

Ephesus کا رہنے والا ہیراکلیٹس Heracletus 500 ق م کا نثر نگار ہے جس نے یہ نظریہ دیا کہ "ہر چیز حرکت میں ہے" اس کی نثر اس کی شخصیت کی طرح مبہم اور الجھی ہوئی تھی۔

پیرامنڈیز (Paremenides) نے چیزوں کی اور انسان کی اصلیت کی طرف دھیان دیا اور مذہبی کٹڑ پن کے خلاف لکھا۔ اس نے آزادی تحریر کی طرف توجہ دلائی اور کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کی بہت کم تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں۔

پیریکلیز اور یوری پیڈیز کے دوست انکسا گورا نے دماغ کی اولیت پر زور دیا۔ ڈیماکرٹیس

(Democritus) نے پہلی بار اپنی نثر میں ایٹمی نظریات کا پرچار کیا۔ دونوں نثر نگار کا ایک منفرد اور دلچسپ اسلوب رکھتے تھے لیکن ان کی زیادہ تر تحریریں فلسفیانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔

تاریخ نویسی کا آغاز Logographars سے ہوا اور اس میں بڑا نام Mitelus کے Hecataeus کا ہے جو سیاح تھا۔ سفرنامے لکھے۔ جغرافیہ دان تھا اور سیاسی مشورہ کار۔ کہتے ہیں اس کے لکھے ہوئے سفرناموں سے ہیروڈوٹس Herodotus نے بڑا استفادہ کیا۔

ہیروڈوٹس (Herodotus) کو تاریخ نویسی کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ 455 ق م میں پیدا ہوا۔ ملک میں سیاسی انتشار اور دنیا دیکھنے کے شوق نے اسے سیاح بنا دیا۔ ایشیائے کوچک، بابل اور مصر کا دورہ کیا۔ ایک عرصہ ایتھنز میں قیام کیا۔ اس کی تحریروں کا بیشتر حصہ ایرانیوں کے بارے میں ہے۔ ہیروڈوٹس بنیادی طور پر ایک قصہ گو ہے۔ اس کے اسلوب میں رزمیہ بیان اور تقریروں کا انداز ہے۔ ہومر (Homer) کا بڑا مداح ہے اور اس کا انداز نثر میں جھلکتا ہے۔ اسکندریہ عہد میں اس کے تحریری کام کو 9 حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہیروڈوٹس واقعات کی حقیقت پر یقین نہیں کرتا لیکن کہانی بنانے میں وہ خاص ہنر رکھتا ہے۔ جنگ کے بارے میں اس کا تجربہ نہ تھا۔ واقعات اور اطلاعات کی سچائی پرکھنے کی صلاحیت اس میں بہت کم تھی لیکن نہ وہ متعصب تھا اور نہ ہی جانب دار۔ ایتھنز اور یونانیوں کی محبت میں وہ اندھا نہیں ہوا۔ دوسری قوموں کی خوبیاں بیان کرنے میں کھلے دل سے کام لیتا ہے۔ ایرانیوں سے یونانیوں کی جنگوں کے سارے واقعات کا ذریعہ ہیروڈوٹس ہے۔ اس کی کتابیں تاریخ کم اور کہانیوں کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔

خطابت (ORATORY)

خطابت یونانیوں کی پہلی محبت تھی۔ ڈرامہ اور شاعری سے پہلے یونانی سوسائٹی میں اسے فروغ حاصل تھا۔ خطابت کے فن میں ماہرین باقاعدہ خطابت کی تربیت دیتے تھے۔ اس کے لئے باقاعدہ اکیڈیمیاں بنی ہوئی تھیں۔ خطابت باقاعدہ ایک علم اور فن مانا جاتا تھا۔ دانشوروں نے اس پر باقاعدہ کتابیں لکھیں۔ ارسطو ان میں سے ایک ہے۔ اس فن کو پرکھنے کے لئے باقاعدہ اصول وقواعد وضع کئے گئے اور یہی اصول تھے جو بعد میں شاعری اور ڈرامے کے فن کی پرکھ میں استعمال کئے گئے۔

خطابت کے میدان میں انٹی فون (Antiphon) پہلا خطیب نظر آتا ہے جس کا تعلق ایک سیاسی پارٹی سے تھا۔ سپارٹا کے ساتھ سازش میں ملوث ہونے پر اس پر مقدمہ چلا۔ عدالت میں اس نے اپنا مقدمہ خود لڑا اور بری ہو گیا۔ عدالت میں اپنی صفائی میں کی گئی اس کی تقریر بہت مشہور ہوئی۔ شاگردوں کو فن خطابت سکھانے کے لئے لکھی گئی اس کی تقریریں بہت مشہور ہیں۔

انڈوسیڈیز (Andocides) کا زمانہ 390-440 ق م کا زمانہ ہے۔ 415 ق م میں شک کی بنا پر حکومت نے اسے گرفتار کر لیا۔ لیکن پھر یہ بھاگ کر سپارٹا چلا گیا۔ کچھ عرصے بعد ایتھنز واپس آیا۔ ایک تقریر کی۔ جس کا عنوان ON THE RETURN تھا۔ جس میں اس نے پرانے مقدمہ پر معافی مانگی۔ لیکن عدالت نے مقدمہ دوبارہ شروع کر دیا۔ عدالت میں اس نے مقدمے کی پیروی خود کی۔ ON THE RETURN اس کی بڑی تاریخی اور مثالی تقریر مانی جاتی ہے۔

لے سیاس (Laysias) سسلی کا رہنے والا تھا مگر لے سیاس نے ایتھنز میں سکونت اختیار کر لی تھی کیونکہ 403 ق م میں جمہوریت کی بحالی پر یہ ایتھنز انتظامیہ کے دفتر میں ملازم تھا۔ اس نے ایتھنز کی شہریت حاصل کرنے کے لئے اسمبلی میں تقریر کی لیکن اس کی اپیل رد کردی گئی اور یہ ایتھنز میں ''اجنبی'' بن کر رہنے لگا اور تقریر لکھنے کی نوکری کر لی۔

ایتھنز کی عدالتوں میں ملزموں کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مقدمے کی پیروی خود کر سکتے ہیں۔ اگر کسی میں صلاحیت نہ ہوتی کہ خود تقریر کر سکے تو وہ کسی ماہر خطابت سے تقریر لکھوا سکتا تھا۔ چنانچہ شہر میں تقریر لکھنے والوں کی بے شمار دکانیں تھیں۔ لے ساس کی دکان پر زیادہ رش رہتا تھا۔ عدالت میں کی جانے والی تقریروں میں تاثر جاہ وجلال پیدا کرنے میں لے سیاس کو بڑی صلاحیت حاصل تھی۔ اس کے اس پیشے سے افلاطون کو سخت نفرت تھی لیکن لے سیاس کی صلاحیتوں کا وہ بھی قائل تھا۔

جمہوریت کی بحالی پر اس نے عدالت میں ایک بڑے زمیندار کے خلاف تقریر کی جو لے سیاس کے بھائی کے قتل میں ملوث تھا۔ اس تقریر کا عنوان Against Eratosthenes تھا۔ یہ اس کی مثالی تقریر تھی۔ اس نے کل 400 تقریریں لکھیں، جن میں سے صرف 30 تقریریں محفوظ رہ سکی ہیں۔

اسوکریٹز (Isocrates) ایتھنز کا پہلا مشہور مقرر ہے جس نے لوگوں کو خطابت سکھانے کا سکول کھولا۔ اس کے اس قدم سے فلاسفرز بڑے ناراض ہوئے اور مخالفت کی۔ (افلاطون کی کئی تقریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے) اسکوکریٹز تقریر کرنے کے ہنر سے اتنا واقف نہیں تھا لیکن اس نے اپنی کمی کو تقریریں لکھ کر اور شاگردوں کو سکھا کر پورا کیا۔ اس نے سیاسی اور معاشی مسائل کو اپنی تقریروں میں شامل کیا۔ اس کی 21 تقریریں اور 9 خطوط محفوظ ہیں اور ان میں ایسے ہی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ ایران کی طاقت سے مقابلہ کرنے کے لئے اس نے حل پیش کیا کہ تمام یونانی ریاستوں کو اپنے اختلافات بھلا کر ایران کے خلاف متحد ہو جانا چاہئے۔

ڈیماستھنیز (Demosthenes) ایتھنز کی سیاسی، معاشرتی اور سماجی زندگی کا سب سے بڑا مقرر ہے۔ وہ بے حد مقبول پبلک سپیکر تھا۔ تقریر کرنے اور لکھنے میں اس کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا۔ 384-332 ق م کا زمانہ مقدونیہ کی طاقت کا زمانہ تھا۔ ڈیماستھنیز ایتھنز پر مقدونیہ کے قبضے کے خلاف تھا۔

یہی اس کی تقریروں میں چھپا ہوا زہر تھا جو وہ پورے ایتھنز کے گلی کوچوں میں پھیلا رہا تھا۔

ڈیماستھنز بچپن ہی میں ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کے رشتہ دار گارڈین بن کر اسے پالتے رہے اور آخر اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ ڈیماستھنز نے عدالت میں مقدمہ کیا۔ اپنا کیس خود لڑا اور گارڈین سے اپنی ساری جائیداد واپس لے لی۔

ڈیماستھنز کی تقریریں دراصل ایتھنز کی تاریخ ہیں۔ ایتھنز کے لوگ جنگ کے خلاف تھے۔ اس نے حزب مخالف میں رہ کر انہیں آگے بڑھ کر فلپ کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی تحریک دلائی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ Olynthus کے ضلع پر جب فلپ کی فوجیں قابض ہوئیں تو اس نے مشورہ دیا کہ ایک فوج بھیجی جائے جو آگے بڑھ کر فلپ کو روکے۔ جب فوج کے اخراجات کی بات ہوئی تو اس نے مشورہ دیا:

"جس فنڈ سے مستحق شہریوں کو سالانہ ڈرامہ دیکھنے کے لئے مفت ٹکٹیں دی جاتی ہیں اس فنڈ کو فوج پر خرچ کیا جائے۔"

ایتھنز کی انتظامیہ نے اس کی تجویز بہت بعد میں تسلیم کی مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے ایتھنز پر مقدونیہ کے قبضے کے بعد ان کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ 330 ق م میں جب ایک سیاسی لیڈر نے ڈیماستھنز کی عوامی خدمات کے سلسلے میں اسے سونے کا تاج پہنانے کی تجویز پیش کی تو کچھ لوگوں نے بھرپور مخالفت کی۔ سکندر اعظم نے اپنے استاد ارسطو کے مجسمے شہر کے چوک میں نصب کئے تھے۔ ڈیماستھنز نے اس کے خلاف تقریریں کیں۔ اسکندر کی موت کے بعد ارسطو اس کی تقریروں سے خوفزدہ ہو کر سٹاگیریا چلا گیا تھا۔

ڈیماستھنز ایک محب وطن مقرر تھا۔ اسلوب نہایت سادہ، شخصیت پر کشش، باہمت، حوصلہ مند۔ ایتھنز کو اسکندر سے بچانے کے لئے اس نے ساری زندگی داؤ پر لگا دی۔ اس کی تقریریں ایتھنز کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ لیکن لوگوں پر اندرونی خوف کی وجہ سے ان کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ ایتھنز کی خطابت کا جب بھی ذکر آئے گا ڈیماستھنز کو پہلا اور آخری مقرر سمجھا جائے گا۔

ڈیماستھنز کے بعد آنے والوں میں Dyperides اور Lycurgus نامور مقرر گزرے ہیں۔

ہومر

Homer

ا۔ ایلیڈ

۲۔ اوڈی سی

HOMER'S ILIAD AND ODYSSEY HAVE FROM TIME TO TIME AFFORDED A FIRST CLASS BATTLEGROUND FOR SCHOLARS.

E.V.RIEU

ہومر (HOMER)

ادب کے میدان میں یونانیوں کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ یونانیوں کا بیشتر ادبی سرمایہ ضائع ہو چکا ہے اگر وہ تمام ادبی شاہکار آج کے قاری تک پہنچ جاتے تو شاید عالمی ادب کا منظر نامہ کچھ اور ہوتا۔ 200 سال میں ایتھنز کے المیہ نگاروں نے تقریباً 4000 ڈرامے لکھے جن میں سے 50 ہم تک پہنچے ہیں۔ 50 کے قریب تاریخ دانوں نے یونانیوں کی عظمت اوراق کی زینت بنائی مگر زمانہ آج صرف تین مؤرخین سے واقف ہے۔

(1) آکسفورڈ یونیورسٹی کی شائع شدہ کتاب ''تاریخ یونان'' کے مطابق یونان کی ادبی، ثقافتی اور سیاسی زندگی کے تحریری شواہد 776 ق م میں ملتے ہیں اور ان کا تمام تر سہرا مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer) کے سر ہے۔

ہومر کی طویل نظمیں اوڈیسی (Odyssey) اور ایلیڈ (Iliad) یونانیوں کی عملی، سیاسی، ادبی اور ثقافتی زندگی کی دستاویز ہیں۔ شاید اسی لئے ہومر کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔

"Homer is Greece and Greece is Homer."

ہومر کا تعلق یونان کے مشرقی علاقے (Lonia) سے تھا جو سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ ہومر اندھا تھا اور Chois کے پہاڑی علاقے میں رہتا تھا لیکن جب وہ ہومر کی ان دو نظموں میں (Visiual Imagery) کو دیکھتے ہیں پہاڑوں، سمندروں، درختوں، جزیروں اور

پھولوں کے بارے میں اس کے حیران کن مرقعوں پر نظر ڈالتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ ایک اندھا یہ سب کچھ کیسے لکھ سکتا ہے پھر کچھ نقاد فیصلہ دیتے ہیں کہ ہومر کی ایک تیسری آنکھ بھی تھی جس سے اس نے سارے عالم کو دیکھا اور وہ سب کچھ لکھا گیا جو آنکھ والوں کو نظر نہیں آتا اور اپنے ان دو شاہکاروں کی بناء پر ہومر ہر عہد کا زندہ کہانی کار کہلاتا ہے۔ دنیا کے ہر ادب پر ہومر (Homer) کا اثر ہے۔ روم کا ورجل (Virgil) ہو یا ہوریس (Horace) دانتے ہو یا ملٹن، یا عہد جدید کا المیہ نگار Kazantzakis ہومر کے اثر سے نہیں بچ سکتا۔ کسی کے ہاں ہومر کی کہانی ملتی ہے کسی کے ہاں ہومر کے کردار، کوئی اس کی کردار نگاری سے متاثر ہے، کوئی اس کی محاوراتی زبان سے، کوئی اس کے اسلوب سے، کوئی نفسیاتی تجزیے سے...... اس کے بعد آنے والے المیہ نگار اسکائی لس، سوفیکلیز، یوری پیڈیز اپنے ڈراموں کا مواد اس سے حاصل کرتے ہیں۔ افلاطون اپنی کتاب جمہوریہ (Republic) میں ہومر پر تنقید ضرور کرتا ہے لیکن اسے اپنا استاد اور راہنما بھی کہتا ہے۔ ارسطو بوطیقا (Poetica) میں ہومر کو غیبی طاقتوں کا شاعر قرار دیتا ہے۔ 65 ق م کا رومی شاعر ہوریس فلسفہ پڑھنے ایتھنز گیا۔ لیکن ہومر کی شاعری کے طلسم میں گرفتار ہوا اور شاعر بن کر لوٹا۔ وہ اپنی مشہور تنقیدی کتاب فن شاعری Ars Poetica میں اپنے عہد کے شاعروں کو مشورہ دیتا ہے:

> You must give your days and nights to the study of Greek models.
>
> (Ars-Poetica, Page 317-318)

ہومر کی لافانی طویل نظموں ایلیڈ (Iliad) اور اوڈی سی (Odyssey) کا ایک پس منظر ہے۔ جس کی بنیاد دیو مالائی تصور سے اٹھتی نظر آتی ہے۔ پریام (Priam) کے بیٹے پیرس (Paris) میں خوبصورت ہونے کے علاوہ کوئی خصوصیت نہ تھی۔ ایک دن جنگل میں اس کی تین دیویوں ہیرا (Hera)، اتھینا (Athena) اور ایفروڈائٹی (Aphrodite) سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا کہ ہم تینوں میں سے کون خوبصورت ہے۔ پیرس نے فیصلہ ایفروڈائٹی (Aphrodite) کے حق میں دے دیا جس نے وعدہ کیا کہ وہ پیرس کو دنیا کی خوبصورت ترین عورت انعام میں دے گی۔ کچھ عرصہ بعد پیرس مہمان بن کر مینلیس (Menelaus) کے گھر ٹھہرا اور اس کی بیوی ہیلن (Helen* کو بھگا کر ٹرائے لے گیا۔ یونانی ریاستوں کے شہزادے ہیلن کی شادی سے پہلے ایک حلف اٹھا چکے تھے کہ ہیلن پر شادی کے بعد کوئی آفت آئی تو وہ سب مل کر اس کی مدد

کو پہنچیں گے۔ چنانچہ ہیلن کا اغوا یونانی غیرت پر بدنامی کا ایک ایسا داغ تھا جو ہیلن کی بازیابی سے ہی دور ہو سکتا تھا۔ سارے یونانی شہزادے مینلیس (Menelaus) کے بھائی آگامم نان کی سربراہی میں ٹرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔ 10 سال کے طویل ترین محاصرے کے بعد شہر فتح ہوا اور وہ ہیلن کو لے کر یونان کی طرف لوٹے۔ ایلیڈ (Iliad) میں ہومر نے 10 سال کے محاصرے کی تفصیلی کہانی بیان نہیں کی۔ دو ماہ کی لڑائی کی تفصیل دی ہے کتاب کے پہلے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ کے ہیرو اکلیز (Achilles) کے جذبہ انتقام اور غیض و غضب کی کہانی ہے۔ آگامم نان سے ایک تنازعے کی بنا پر اکلیز (Achilles) نے جنگ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب اس کا دوست پیٹروکلس (Patroclus) ٹرائے کے جنگجو ہیکٹر کے ہاتھوں مارا گیا تو اکلیز نے جنگ میں حصہ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ٹرائے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

دوسری نظم اوڈی سی (Odyssey) یونانی ہیرو اوڈی سی لیس کی ٹرائے کی فتح کے بعد گھر آنے کی کہانی ہے۔ اس میں ہومر نے کہانی کی ترتیب کا ایک مختلف انداز اختیار کیا۔ اس کا ہیرو اوڈی سی لیس اپنی ایک غلطی سے سمندری دیوتا کو ناراض کر دیتا ہے اور دیوتا اسے دس سال سمندری آفات میں مبتلا رکھتا ہے۔ ایک سال وہ (Crice) کی قید میں اور سات سال (Calyso) کے ساتھ اور باقی عرصہ سمندری طوفانوں اور جزیروں میں گزرتا ہے۔ آخرکار دیوتا کو اس پر رحم آتا ہے اور اوڈی سی لیس اپنی بیوی پینی لوپی (Penelope) کے پاس ڈرامائی انداز میں (Ithaca) پہنچ جاتا ہے۔

ہومر کی ان دو نظموں کو لافانی شہرت حاصل ہے۔ یہ دونوں نظمیں ہومر سے پہلے یونانی (Bards) تقریبات میں زبانی (Oral Epic) پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ یونانیوں کا خیال ہے کہ گمنام شاعر ان میں اضافہ کرتے رہے۔ ان میں یونانی جذبات، تہذیب، محبت، نفرت اور روایات موجود تھیں لیکن اسلوب نہ تھا۔ ہومر نے 800 ق م میں انہیں باقاعدہ لکھ کر کتابی شکل دی۔ اپنے اسلوب، زبان اور ڈکشن کی مہر لگا کر لافانی بنا دیا۔ ہومر نے ان نظموں میں اپنے عہد سے 400 ق م کے یونانیوں کی شاندار روایات اور فتوحات کو موضوع بنایا ہے۔ ایلیڈ 28 ہزار اور اوڈی سی 25 ہزار اشعار پر مبنی نظمیں ہیں۔ ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا (Poetics) میں انہیں المیہ اور کامیڈی کا اعلیٰ اور کامیاب نمونہ قرار دیا ہے۔ اوڈی

سی اس کے نزدیک المیہ نہیں طربیہ ہے کیونکہ ہومر نے اس میں اوڈی سی لیس کی کہانی کے ساتھ اوڈی سی لیس کے بیٹے ٹیلی ماکس اور بیوی پینی لوپی (Penelope) کا قصہ بھی چلایا ہے۔ نیز انجام میں کیونکر برے کرداروں کے خاتمے کے بعد اچھے کردار ہنسی خوشی مل جاتے ہیں، اس بنا پر یہ طربیہ ہے۔

ہومر کی یہ نظمیں ہومر کے بعد آنے والوں کے لئے Light Tower ثابت ہوئیں۔ اسکائی لیس سوفیکلیز اور دوسرے المیہ نگاروں نے ہومر سے مواد اور زبان کی لطافت حاصل کی۔ 2500 سو سال سے یہ دونوں نظمیں پڑھی جا رہی ہیں۔ کسی عہد میں بھی انہیں دوسرے درجے کی کتاب نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ دنیا کے ادیبوں نے ان کہانیوں کو بنیاد بنا کر اپنے عہد کے لئے نئی کہانیاں لکھیں۔ رومی شاعر ورجل (Virgil) اینی ایڈ (Aenied) لکھنے بیٹھا تو ہومر کے اثر سے نہ بچ سکا۔ اس کا ہیرو اینی لیس، اکلیز اور اوڈی سی لیس کا مرکب ہے۔ ورجل (Virgil) کی کہانی میں بھی آسمانی دیوتاؤں کا عمل دخل ہے۔ ورجل نے اپنی کہانی میں یونانی دیومالا کی بجائے رومن دیومالا سے کام لیا ہے۔ کہانی کے کئی موڑ ہومر سے مستعار لئے ہیں اور تو اور اس نے اپنی کہانی کا ہیرو بھی اس بچی کچی ٹرائے کی فوج سے لیا ہے جسے یونانی شکست دے کر یونان واپس چلے گئے تھے اگر ہومر کی نظم (Odyssey) اور ورجل کی نظم (Aenied) کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اوڈی سی کا سارا پلاٹ (Aenied) میں مل جائے گا۔ ہومر کا ہیرو جنگ سے فارغ ہو کر اپنی بیوی پینی لوپی کے پاس جانا چاہتا ہے لیکن سمندری دیوتا راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ورجل کا ہیرو اپنی منزل یعنی روم کی شاندار سلطنت کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے لیکن دیوی Juno کے ہاتھوں مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہومر کا ہیرو Alcinous میں پناہ لیتا ہے اور دیوی Hera اس کی مدد کرتی ہے۔ ورجل کا ہیرو Dido پاس آ کر پناہ لیتا ہے اور وینس اس کی مدد کرتی ہے۔ ہومر کے ہیرو کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے کئی افراد کو تہ وتیغ کرنا پڑتا ہے۔ ورجل کا ہیرو بھی یہی عمل دہراتا ہے لیکن ان تمام باتوں سے ورجل کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ اس نے ہومر سے اثر قبول کیا اور اپنے رومانی اسلوب سے لافانی شہرت حاصل کی۔ ہومر اور ورجل دونوں میں کلاسیکیت اور رومانویت کا فرق ہے۔ ہومر چیزوں کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور بیان کرتا ہے۔ ورجل چیزوں کو خیال کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کئی معاملات میں ورجل ہومر سے بہت پیچھے ہے۔ میدان جنگ کے نقشے، کرداروں کی جرأت، شجاعت، جنگی فراست، تدبیریں اور داؤ پیچ ورجل کے بس کی

بات نہیں۔ یہ ہومر کا ہی کمال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم ان تمام باتوں سے آگاہ رہنے کے لئے ہومر کی کتاب ایلیڈ اور اوڈی سی اپنے ساتھ رکھتا تھا تا کہ میدان جنگ میں فوجیں اس طرح ترتیب دے سکے جس طرح ہومر نے کتاب میں ترتیب دی ہیں۔ مشہور انگریزی نقاد C.M.Bowera نے اپنے مضمون Virgil and The Ideal of Rome میں نپولین بوناپاٹ کا ایک خط نقل کیا ہے۔ جس میں اس نے ورجل اور ہومر کی عسکری فراست کا موازنہ کیا ہے اور ہومر کو جنگی فراست میں ورجل سے کہیں زیادہ بڑا اور اہم قرار دیا ہے۔ خط کے چند جملے کچھ یوں ہیں:

Virgil was nothing but the regent of a college. Who had never gone outside his doors and did not know what an army was."

اس ایک وصف کے علاوہ ہومر کی انسانی کرداروں پر جتنی گہری نظر تھی، واقعات اور مناظر کے بیان میں جو گرفت کی تھی۔ وہ کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی۔ ہومر کے بعد ٹرائے کی جنگ کے تناظر میں بہت سی نظمیں لکھی گئیں لیکن کسی کو ہومر کا اسلوب نصیب نہ ہوا۔

یورپ کے قارئین تک ہومر کی رسائی 1488 عیسوی میں ہوئی اور یہ اسکندر کے دور کا مسودہ تھا جو فلورنس کی لائبریری Laurentian Library میں اب بھی محفوظ ہے۔ اسے مائیکل انجلو نے ڈیزائن کیا تھا۔ جس پر ہومر کے نام کے آگے یہ جملہ درج ہے:

"HOMER whom the muse loved above all other men."

مشہور انگریزی شاعر الیگزنڈر پوپ نے اپنا ادبی سفر ہومر کی ان دو کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شروع کیا تھا۔ سموئیل بٹلر نے 1944ء میں ان دونوں کتابوں کا ترجمہ کیا اور پھر پوری دنیا میں ہومر کے کردار اور کہانیاں پھیل گئیں۔

ورجل، ہوریس، دانتے، ملٹن، ٹینی سن...... سب ہی ہومر اور ہومر کے کرداروں کے پس منظر کے شیدائی ہیں۔ دراصل ہومر کے کردار اوڈی سی لیس کو عہد جدید کے شاعروں اور ادیبوں نے انسان کے اندر بے چین روح سے تعبیر کیا ہے جو ہمیشہ نئے علاقوں، نئے علوم اور نئے تجربات کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اوڈی سی لیس ایک علاقے پر قابض نہیں رہنا چاہتا بلکہ مسلسل فتوحات کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

زندگی اس کے نزدیک ایک سفر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

اس بات کی تائید دانتے نے بھی کی ہے۔ Canto 26 میں جہاں وہ اوڈی سی لیس سے ملتا ہے تو جہاں گردی کی وجہ پوچھتا ہے تو وہ دانتے کو جواب دیتا ہے:

''نہ بچے کی خواہش، نہ باپ کی محبت، نہ پینی لوپی کی وفا نے مجھے روکا۔ صرف دنیا کو تسخیر کرنے اور انسانوں کو پڑھنے کے شوق میں میں پھر جہاز لے کر نکل پڑا۔''

بیسویں صدی میں جیمز جوائس کا ناول Ulysses جس کے کردار ڈبلن کے نواح میں گھومتے پھرتے ہیں، دراصل ہومر ہی کا بنیادی خاکہ ہے۔ اس ناول کے دو کردار بوڑھا یہودی اور جوان آئرش شاعر ہیں۔ جن کا تعلق وہی ہے جو جہاں گرد باپ اور مصیبتوں میں گھرے بیٹے ٹیلی ماکس کا ہے، جسے باپ کی بے حد ضرورت ہے۔

بیسویں صدی کے یونانی جدید شاعر، برگساں کا شاگرد Nikos Kanantzakis ہومر کی تقلید کے سلسلے میں بڑا اہم نام ہے۔ اس کی مشہور (Epic) 24 کتابوں پر مشتمل ہے جس کا نام Odyssey - The Modern Sequel ہے۔ یہ کتاب اپنے Set-up ڈکشن اور نظریہ حیات کے لحاظ سے آج کے ادب کا انمول شاہکار ہے۔ اس کے دیباچہ نگار Antofagasta Chile کا کہنا ہے:

"It is great of modern Greek poems and a masterpiece of the modern world."

زندگی کو ایک جاری سفر قرار دیتا ہے اور قیام کو موت سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے نزدیک زندگی ایک جست ہے جو آگے کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے جدید اوڈی سی لیس کی ہے جو آزادی کے مفہوم کی تلاش میں سرگرداں ہے جسے کوئی علاقہ، کوئی رشتہ کوئی مذہب قید میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ سب سے آزاد ہو کر آزادی کا مفہوم ڈھونڈنے نکلا ہے۔ N.Kazant Zakis نے ایک انٹرویو میں اوڈی لیس کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا:

"ODYSSEUS is the man who has freed himself from every thing, religion, political system. One who has cut away all the strings.

The Odyssey; A modern Seouyel)

(From Preface)

Kazantzakis کا کمال یہ ہے کہ اس نے کہانی وہاں سے شروع کی ہے جہاں ہومر کی کہانی ختم ہوتی ہے۔ اوڈی سی لیس گھر پہنچ چکا ہے۔ ہیلن اپنے محل میں رہ رہی ہے۔ سارے لوگ جنگ کی تھکن اتار رہے ہیں لیکن اوڈی سی لیس کی بے چین روح نئے علاقوں کے سفر کے لئے بے تاب ہے۔ ادھر ہیلن کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کوئی اسے پھر اغوا کرے۔ چنانچہ اوڈی سی لیس کو خواب آتا ہے کہ ہیلن اس کے لئے بے تاب ہے۔ وہ گوتم بدھ کی طرح اپنے بیٹے اور بیوی کو سوتا چھوڑ کر ہیلن کے پاس چلا جاتا ہے اور اسے رات کے اندھیرے میں اغوا کر کے لے جاتا ہے اور پھر مختلف ملکوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ Kazant Zakis نے ہومر کے کرداروں کی نفسیات بدل کر انہیں عہد جدید کا رنگ دیا ہے۔ اپنے زمانے کے مسائل اور تقاضوں کو کہانی کا حصہ بنایا ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ہومر کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اس کتاب کے دیباچے میں صفحہ 9 پر دیباچہ نگار Antofagasta کہتا ہے:

> "KAZANTZAKIS'S ODYSSEY and the ULYSSES of james joice, both works concern **WITH modern man in search of soul and both utilize the frame work of Homer's Odyssey as reference.**

غرض ہومر کے پرانے کرداروں اور پلاٹ کو نئے رنگ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ نئے واقعات، نئی کیفیات، نئے تصادم کرداروں کی نئی نفسیات کہانی کا حصہ بنتی رہی ہیں۔ کہانیوں میں ہمیں کوئی ہیرو گھوڑے پر بیٹھ کر منزل کی تلاش میں نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی اس کی منزل کالا گلاب ہوتی ہے، کبھی شہزادی کی تلاش، کبھی اس کے راستے کی رکاوٹ جن بھوت بنتے ہیں۔ کبھی کوئی جادوگرنی راہ روکتی ہے اور آخر وہ تمام مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے منزل مراد تک پہنچ جاتا ہے اگر اس ہیرو کو ہم غور سے دیکھیں تو وہ اپنے عمل، بہادری اور چالاکیوں کی وجہ سے ہومر کا اوڈی سی لیس ہی نظر آئے گا۔

ہومر (Homer) کی شاعری میں جتنے کردار ابھرتے ہیں ان سب کا تعلق حکمران طبقے سے ہے۔ ہومر کے ہیروز شہزادے، بادشاہ، دیوتا اور دیویاں ہیں۔ عام انسانوں کے کردار ہومر کے ہاں اہمیت کے حامل نظر نہیں آتے۔ مگر ہومر کے بعد آنے والا شاعر ہیسڈ (Hesoiod) ایسا شاعر ہے جس کی شاعری

میں ہماری ملاقات عام انسانوں، کسانوں اور محنت کشوں سے ہوتی ہے۔ علاقائی زبان میں اس کا عظیم کارنامہ Works and Days ہے۔

800 ق م میں یونان کی سماجی زندگی میں تبدیلیاں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ تجارت اور صنعتی ارتقاء سے دولت مند طبقے کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس سے یہ ہوا کہ معاشرہ امیر اور غریب دو طبقوں میں تقسیم ہوگیا۔ علاوہ ازیں پرانے زمیندار اراضی بیچ کی شہر میں کاروبار کرنے لگے تھے۔ ہیسیڈ (Hesiod) کی یہ شعری تخلیق اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں شاعر اپنے بھائی کو نصیحت کرتا ہے کہ زراعت تجارت سے کم تر نہیں، اعلیٰ اور قابل عزت ہے۔ اس نظم میں شاعر نے دیہاتیوں کی مشکلات، کسانوں کی بے بسی اور بڑے زمینداروں کے مزارعوں پر ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ دیہاتی زندگی پر ہیسیڈ (Hesiod) کی نظر بڑی بھرپور اور مشاہدہ بہت تیز تھا اس لئے کہ وہ خود دیہاتی تھا۔ رومی شاعر ورجل (Virgil)، ہیسیڈ (Hesiod) سے بے حد متاثر تھا۔ اس کی Pastroal Poems جو Eclogues اور Georgics کے عنوانات سے چھپی ہیں۔ ان نظموں میں ابھرنے والے کردار کسانوں کے کردار ہیں۔ ان نظموں میں چرواہوں کی زندگی ان کے گیت، محبت، نفرت آپس کے جھگڑے شامل ہیں۔

700-500 ق م کا زمانہ یونان کی غنائیہ شاعری کا زمانہ ہے۔ غنائیہ (Lyric) شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1- Personal Lyric
2- Choral Lyric

ذاتی گیت سے مراد ایسے گیت یا نغمات ہیں جن میں شاعر اپنے پورے جذبات، سیاسی افکار اور عشقیہ رویوں کو موضوع بناتا ہے۔ پیروس (Paros) جزیرے کا فوجی شہری (Archi Locus) کورل لرک کا نامور شاعر تھا۔ اس نے فوجیوں کی زندگی کی دکھ درد بڑے موثر اور دلکش انداز میں بیان کئے ہیں۔ اس شاعر نے پہلی بار مرثیہ (Elegy) سیاسی اور جنگی نظمیں لکھنے کا آغاز کیا۔

600 ق م کی مشہور شاعرہ سیفو (Sapho) جتنی خوبصورت تھی، اتنی ہی ذہین تھی۔ Lesbos جزیرے کی رہنے والی تھی جو خوبصورت عورتوں اور اچھی شراب کے لئے بہت مشہور تھا۔ سیفو میں یہ دونوں

باتیں موجود تھیں۔ اس کی خوبصورتی اور شاعری دونوں ادبی تاریخ میں دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ سیفو کے گیت اس کے جذبات و احساسات کا ایک قابل دید مرقع ہیں۔ مغربی ادب میں اس کے گیتوں کو پہلی عشقیہ شاعری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ سیفو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے پہلی بار اپنے گیتوں میں فطرت کے عناصر کو شامل کیا۔ پھول، ٹھنڈی ہوا، چشمے، پہاڑیاں، پھولوں کی شوخیاں اور تھرکتے ہوئے ہرے پتے پہلی بار گیتوں کا موضوع بنے ہیں۔

پنڈار (Pindar) کے Choral Lyric الجھی فکر اور ابہام کا شکار ہیں۔ 450 ق م کا اسے قومی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن آج کا قاری اس کی نظموں سے وہ لطف حاصل نہیں کر سکتا جو سیفو اور ہیسیڈ سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے مبہم اور دور دراز استعارے اس کی شاعری کا سب سے بڑا نقص ہیں۔

ایلیڈ (iliad)

تقریباً 27 سو سال سے ہومر (Homer) کی ایلیڈ (Iliad) لاتعداد قارئین کو متحیر کر رہی ہے۔ یہ کہانیوں کا وہ سلسلہ ہے جو ہومر سے پہلے نسلاً سنائی جاتی رہی تھیں۔ باپ اپنے بیٹوں اور بیٹا اپنے بیٹوں کو سناتا رہا اور پھر تمام وقتوں کے اندھے عظیم داستان گو شاعر ہومر نے اپنے لافانی اسلوب کی مہر لگا کر ان کہانیوں کے سلسلے کو امر بنا دیا۔

ایلیڈ (Iliad) ٹرائے کی جنگ جسے (Ilium کا نام بھی دیا جاتا ہے) کی کہانی ہے۔ زمین پر انسان برسرِ پیکار تھا۔ اوپر آسمانوں پر ان کے دیوتا تماشائی تھے۔ یونانیوں کے عظیم دیوتا زیوس (Zeus) کے بیٹے بیٹیاں اپنے اپنے چہیتے انسانوں کی مدد کے لئے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔

ہومر نے اس داستان کا آغاز ٹرائے شہر کے گیٹ سے کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے فلیش بیک (Flash Back) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کیا ہو چکا ہے۔ ٹرائے کے بادشاہ Priam کے غیر ذمہ دار بیٹے پیرس Paris نے کس طرح یونانی بادشاہ میلیس (Menelaus) کی بیوی ہیلن کو اغواء کیا۔ کس طرح میلیس اپنے بھائی آگا مم نان کی سربراہی میں اکلیز (Achilles) کے ساتھ ٹرائے کی مہم پر نکلا۔ کس طرح پیرس کے بھائی ہیکٹر (Hector) نے اپنے دوست (Aeneas) کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ داستان کا ایک ضمنی پلاٹ بھی چلتا ہے کہ کس طرح یونانیوں نے ٹرائے آتے ہوئے ایک جزیرے میں لوٹ مار کی اور کس طرح ایک یرغمالی دوشیزہ (جو ایک پجاری کی بیٹی تھی) پر اکلیز

اور آگا مم نان میں جھگڑا ہوا اور یہ جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ اکلیز نے اس فوجی مہم میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور اپنے فوجیوں کو واپس لے کر جانے کا اعلان کر دیا۔ دونوں میں مصالحت کیسے ہوئی، کس طرح اکلیز نے ٹرائے کے خلاف شجاعت کے جوہر دکھائے۔ یونانیوں کو کیسے فتح نصیب ہوئی۔ یہ سب کچھ اس کتاب کا پلاٹ ہے۔ یہ سارا کچھ ہومر نے کیسے بیان کیا ہے، وہ ہومر کا اپنا انداز ہے، جو آج تک شاید کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ اس کے انداز میں لوہے اور فولاد کی تلواروں کی کھنک بھی ہے۔ فاتح کی دھاڑ بھی اور محکوم کا تاسف بھی۔ زخمی اجسام کی سسکیاں بھی ہیں اور نیزوں کے لگائے ہوئے زخموں کی کسک بھی۔ ہومر نے انسانوں کو میدان کارزار میں مصروف عمل دکھایا ہے۔ ان کی تصویر کشی کی ہے۔ انسانوں کی مختلف کیفیات کی تصویریں بنائی ہیں۔ غصہ، بزدلی، دہشت، عجز، فتح، شکست، یہ سب کے سب رنگ ان تصویروں میں ملتے ہیں۔ کہیں ناکام پیرس ہے۔ کہیں دہشت اور غصے سے بھرا اکلیز ہے۔ کہیں کہنہ سال پریام عجز اور عاجزی سے اپنے بیٹے ہیکٹر کی لاش مغرور اکلیز سے مانگتا نظر آتا ہے۔ کہیں ہیکٹر نظر آتا ہے جو شکست خوردہ ہے مگر بہادری اور وقار پھر بھی قائم ہے۔ اپنی اس داستان میں ہومر نسوانی کرداروں کو نہیں بھولا۔ ہیلن ...... (جو تمام شاعروں اور مصوروں کے لئے تحریک کا باعث بنی) ناقابل یقین حد تک خوبصورت ہے۔ انڈور مائیکی ...... وفا شعار بیوی کی مکمل تصویر ہے۔ اپنے خاوند ہیکٹر سے اس کا مکالمہ ناقابل فراموش ہے جس میں وہ اسے اکلیز کے ساتھ جنگ نہ کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ Hucaba ایک باوقار ماں ہے۔ جس کے کئی بیٹے جنگ ٹرائے میں کام آچکے ہیں۔ ہومر نے ان تمام کرداروں کو نسوانی وقار اور جلال بخشا ہے جو کم از کم ان دیوتاؤں میں بالکل موجود نہیں جن کے ہاتھوں میں یہ کردار کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے۔

تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ تقریباً 36 سو سال پہلے یونانیوں کا ایک قبیلہ (جس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں) جنوبی پہاڑوں سے اتر کر ساحلوں اور میدانوں میں آ کر رکا جن کو بعد میں یونان کا علاقہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس وقت قبیلے کے افراد اپنے آپ کو یونانی نہیں کہتے تھے بلکہ Achaeans یا Danaans کہتے تھے۔ یہ ایک بہادر، غیر مہذب اور وحشی نسل تھی لیکن جن لوگوں پر یہ غالب آتے وہ ایک عرصہ تک ایک تہذیبی عہد میں پرورش پا چکے تھے۔ یہ لوگ Aegean تہذیب کی گود میں پلے تھے اور

Crete کے شمالی جزائر میں آباد تھے۔ یونانیوں کے قبائل نے Aegean تہذیب کے بہت سے کمالات سے فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ زندگی کی خوبصورت اقدار سے آشنائی پیدا کر لی۔ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ میدان جنگ سے فارغ ہو کر اپنے بہادر سپاہیوں کی داستانیں سنتے سناتے اور ان دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کرتے جو میدان جنگ میں ان کی مدد کرتے تھے۔ 1100 قبل مسیح میں ان کی حکومت کی بنیادیں ہلیں اور انہیں ہلانے والا ایک دوسرا یونانی قبیلہ تھا جو جنوبی پہاڑیوں سے اس طرح ان پر حملہ آور ہوا جس طرح یہ کریٹ کے شمالی پہاڑی باشندوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان کی آپس کی لڑائیاں اتنی بڑھیں کہ دو صدیاں کا طویل عرصہ ان کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بعد جنگوں کا سلسلہ ذرا تھما شہری زندگی میں امن بحال ہوا۔ جنوبی پہاڑیوں سے لوگ شمال کی طرف آنا شروع ہوئے۔ ایشیا کوچک کے ساحلوں کی طرف ہجرت کرنے والوں میں Acolians Lonians Dorians کے قبائل تھے۔ یہ یونانی تھے۔ بالکل ان کی طرح جن کو انہوں نے اس علاقے سے مار بھگایا تھا۔ ان کی زبان بھی وہی تھی۔ ان کے دیوتا، روایات اور مذہبی عقائد ایک سے تھے۔ نئے گھروں میں آ کر بسنے والے یہ یونانی اپنے ساتھ بہت سی پرانی چیزیں لائے تھے اور وہ اپنے دیوتاؤں اور بہادری کی کہانیاں تھیں اور ان خدا صفت پرکھوں کے قصے تھے جو بعد میں Legends اور Saga کی صورت میں ان کے ادب میں روشن ہوئے اور یہی وہ قصے تھے جن کو Bards اور Minstrels سالانہ تقریبوں میں گا کر سناتے تھے۔ ان گویوں کو تقریبات میں امتیازی نشستوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ ان میں کچھ قصے اور کہانیاں بالکل فرضی اور دیو مالائی حیثیت رکھتی تھیں لیکن کچھ قصوں کی بنیاد حقیقی واقعات پر رکھی گئی تھی۔ مثلاً Jason کا Black Sea کی طرف سفر یا یونانی شہزادے کا سات دروازوں والے شہر Thebes پر حملہ یا یونانی شہزادوں کا مل کر شہر ٹرائے کی طرف سمندری سفر اور ٹرائے کا طویل محاصرہ۔ ان تمام داستانوں کے ہیروز عام انسانوں سے کہیں بہادر اور جری تھے۔ یہ دیوتاؤں کے بیٹے یا پوتے تصور کئے جاتے تھے۔ عفریتوں اور بلاؤں کو ختم کرنا ان کے لئے معمولی کام تھا۔ وزن کمانیں اٹھانا، بھاری گرز اور تیر چلانا ان کا مشغلہ تھا۔ اکثر ہیروز کے ہتھیار آسمان کی طرف سے ملنے والے تحفے تھے جو ہلاک کرنے میں زمینی ہتھیاروں سے کہیں زیادہ طاقت رکھتے تھے۔ ان کا برتاؤ اور رکھ رکھاؤ عام انسانوں سے کہیں بڑا اور پرشکوہ ہوتا تھا۔ ان کہانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سرگرم لوگ چھوٹی

چھوٹی اقلیتوں اور قبائل میں تقسیم تھے۔ ان کا سربراہ سردار یا بادشاہ ہوتا تھا اور وہ ایک آزاد فرد ہوتا تھا اور اسے The fostorling of Zeus سمجھا جاتا تھا اور وہ امن اور جنگ میں قبیلے کا سردار ہوتا تھا۔ اس کے بھائی اور مشورہ کار اس کی مدد کرتے تھے۔ وہ ان سے مشورے لیتا اور ان کی قدر کرتا تھا۔ سنجیدہ اور ہنگامی صورتحال میں وہ لوگوں کو اکٹھا کرتا اور صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب کرتا تھا اگر سارے لوگ بے بس ہو جاتے تو وہ کسی دیوتا سے مدد طلب کرتے تھے اور یہ کام کسی مذہبی قربانی کے ذریعے ہوتا تھا اور فیصلے کے صحیح یا غلط ہونے کا اعلان مذہبی بصیرت رکھنے والے Seer سے کرایا جاتا تھا۔ جس کے بارے میں سب کو یقین ہوتا تھا کہ وہ ماضی اور مستقبل پر نظر رکھتا ہے اور وہی معجزہ یا مذہبی پیش گوئی کی تشریح اور تفصیل لوگوں کو بتاتا تھا۔

ان قصے کہانیوں میں ابھرنے والے دیوتاؤں کی ایک کثیر تعداد تھی۔ یہ لافانی تھے اور اپنی فطرت کے لحاظ سے انسانوں کے بے حد قریب۔ اولمپس (Olympus) میں رہتے تھے۔ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے لیکن ان کی مخصوص خوراک Ambrosia اور Nector تھی۔ آسمان سے نیچے آباد دنیا کا تماشا دیکھتے تھے اور انسانوں میں ان کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ افراد ہوتے تھے جن کو وہ جزا اور سزا سے نوازتے تھے۔ جنگ کی صورت میں وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کی مدد کرتے اور ان کے دشمنوں پر کاری ضرب لگاتے۔ کبھی کبھی انسانوں کا بھیس بدل کر وہ مدد کے لئے زمین پر بھی اترتے تھے۔ ایسی حالت میں وہ کبھی کبھی زخمی بھی ہو جاتے تھے۔ انسان اپنے دیوتاؤں کی خوشی کے لئے بیلوں اور بھیڑ بکریوں کی قربانی دیتے تھے۔ (ہومر کی کتاب کے پہلے حصے میں اس کی مثالیں ملتی ہیں)۔ گوشت اور شراب کا نذرانہ، عبادت اور مناجات پیش کی جاتی تھیں۔ ایلیڈ میں سمندری دیوتا Poseidon ناراض صرف اس لئے ہوا تھا کہ یونانیوں نے اس کو نذرانہ دیئے بغیر سمندری علاقے میں دیوار بنالی تھی۔ Zeus سب دیوتاؤں کا سردار تھا۔

ٹرائے کی کہانی ایک بے حد طویل قصہ ہے۔ Bards نے کچھ ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر ایک مربوط کہانی کی شکل دے لی تا کہ تقریبات میں گانے کے لئے ایک طویل نظم یا Epic بن جائے۔ ہومر کی ایلیڈ (Iliad) اور Odyssey انہیں قصوں پر مبنی دو طویل نظمیں ہیں۔ پہلی نظم یعنی ایلیڈ کا موضوع ٹرائے کے دروازے پر ہیلن کی بازیابی کے لئے لڑی جانے والی جنگ اور فتح کے واقعات ہیں۔ دوسری نظم یعنی

Odyessye جنگ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات ہیں۔

ایلیڈ کا سوشل پس منظر، واقعات کا تانا بانا، میدان کارزار کی تفاصیل، دست بدست لڑائی کی تصویر کشی۔ ہومر نے سب کچھ اپنے روایتی ورثے سے لیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی نظم سننے والے ان تمام چیزوں سے اچھی طرح آشنا ہیں۔ اسے پتہ تھا کہ سب کو معلوم ہے کہ آگامم نان اور کلیز کے ساتھ یہ فوجی ٹرائے پر کیوں حملہ آور ہوئے ہیں۔ ہیلن کون ہے اور پیرس نے کیا جرم کیا ہے۔ ہومر نے پرانے روایتی ماحول میں رہ کر اسے ایک خوبصورت داستان بنا دیا ہے۔ پرانے واقعات میں نئے کردار پرو کر ایک عظیم الشان نظم بنا دی ہے۔ ڈرامائی دلچسپیوں کو نئی تشبیہوں اور استعاروں کے ہار میں پرو کر اسلوب کا ایک تر و تازہ ہار پرو دیا جو ہزاروں سال کے بعد بھی اسی طرح مہک رہا ہے۔ انسانی فتوحات اور شکست کا ایسا نقشہ بنایا کہ آنکھ روتی بھی ہے اور ہونٹ مسکراتے بھی ہیں۔ اس کے تخیل، فکر اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے نے اس کی نظموں کو شاہکار بنا دیا ہے۔ اس کی نظموں میں انسانی کردار ایسی ایسی کربناک صورتحال سے دوچار ہوتے ہیں کہ سننے والا بار بار جذباتی تطہیر کے عمل سے گزرتا ہے۔ بعد میں آنے والے المیہ نگاروں نے شاید اس لئے ہومر کو پہلا المیہ نگار قرار دیا ہے۔

اندھے شاعر ہومر (Homer) کے بارے میں نقاد بالکل خاموش ہیں اور تاریخی حوالوں سے بھی اس کی زندگی پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑی۔ سات مختلف شہروں کو اس عظیم شاعر کی جائے پیدائش بتلایا جاتا ہے بلکہ کچھ نقادوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ شاید یہ دونوں عظیم EPICS بہت سے شاعروں کی تخلیق ہیں لیکن مستند نقاد اسے ہومر کی ہی تخلیق قرار دیتے ہیں کیونکہ پرانے رسم و رواج اور قدیم ثقافتی مواد کے استعمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فرد واحد کی کوشش ہے۔

ایلیڈ کے پلاٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ یونانیوں نے ILIUM شہر (جسے ٹرائے Troy بھی کہا جاتا ہے اور جو ایشیائے کوچک میں واقع تھا) کا طویل محاصرہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ ٹرائے کے ایک شہزادے پیرس (PARIS) نے خوبصورت ہیلن کو اس کے گھر سے اغوا کیا تھا جو دیوتا ZEUS اور زمین کی ایک عورت LEDA کی بیٹی اور سپارٹا کے بادشاہ میلینس (MENELAUS) (جو آگامم نان کا بھائی تھا) کی بیوی تھی۔ آگامم نان آرگس (ARGOS) کا بادشاہ تھا۔ ہیلن کی شادی سے پہلے یونانی شہزادوں نے

عہد کیا تھا کہ ہیلن کی شادی کے بعد اس پر یا اس کے خاوند پر کوئی آفت ٹوٹی تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے چنانچہ اس حلف برداری کے تحت تمام شہزادے آگامم نان کی سربراہی میں ٹرائے پر حملہ آور ہوئے۔ آرکیالوجیکل ثبوت کی بناء پر ٹرائے کے محاصرے کی ایک تاریخی اہمیت بنتی ہے اور یہ لڑائی 1200 ق م میں لڑی گئی تھی اور اس شہر کے جلنے کے آثار ملتے ہیں۔ شہر ٹرائے کی تباہی پر یونانیوں نے بے حد خوشی منائی۔ شاعروں نے یونانیوں کی عظمت کے بہت گیت گائے چنانچہ 700 قبل مسیح میں ایک عظیم شاعر ہومر نے اسے اپنے اسلوب، مشاہدے اور قدیم ثقافت کی بھرپور یادداشت کے زور پر امر بنا دیا۔ ہومر کا ناقابل یقین لہجہ، تخیل کی رفعت، قادر الکلامی، زبان پر مکمل عبور اور انسانی نفسیات کے تاریک گوشوں کے بارے میں مکمل آگاہی نے اسے ایک عظیم کارنامہ بنا دیا ہے۔

ہومر نے ایلیڈ کی کہانی کو 24 حصوں میں تقسیم کیا ہے اور یہ حصے مل کر ایلیڈ کا مربوط پلاٹ پیش کرتے ہیں۔ واقعات کے حساب سے ان کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ ہومر نے ہر حصے کو ایک کتاب کا نام دیا ہے۔

کتاب نمبر 1:

اکلیز اور آگامم نان کے درمیان دوشیزہ کی خاطر تنازعہ۔ اکلیز کا غصے میں میدان جنگ سے واپس یونان جانے کا ارادہ کرنا اور زیوس سے ٹرائے کی فوجوں کے لئے امداد طلب کرنا۔

کتاب نمبر 2:

آگامم نان کا خواب دیکھ کر اپنے آدمیوں کو میدان جنگ کے لئے آزمانا۔ دونوں طرف کی فوجیں جنگی تیاریوں میں مصروف۔

کتاب نمبر 3:

ہیلن کا خاوند مینلیس پیرس کو مقابلے کے لئے للکارتا ہے تاکہ جنگ کا فیصلہ ہو سکے دونوں طرف سے قربانیاں دی جاتی ہیں۔ ایفروڈائٹی کی بروقت مدد کی وجہ سے پیرس شکست سے بچ جاتا ہے۔

کتاب نمبر 4:

دیوتا جنگ میں مداخلت کا فیصلہ کرتے ہیں۔

کتاب نمبر 5:

DIOMED دیوتاؤں کی مدد سے عملی مظاہرہ کرتا ہے لیکن میدان جنگ سے نکال دیا جاتا ہے۔

کتاب نمبر 6:

ہیکٹر دیوتاؤں کی نظر اتارنے واپس ٹرائے جاتا ہے اپنی بیوی انڈرومائیکی کو تسلی دیتا ہے اور پیرس کو ہیلن کے ساتھ دیکھ کر برا بھلا کہتا ہے دونوں کی آپس میں تلخ کلامی ہوتی ہے۔

کتاب نمبر 7:

ہیکٹر اور یونانی بہادر اجکس کا مقابلہ لیکن رات ہونے کی وجہ سے مقابلہ روک دیا جاتا ہے۔ یونانی سمندر کے کنارے ایک دیوار بناتے ہیں پیرس ہیلن کی واپسی سے انکار کرتا ہے۔

کتاب نمبر 8:

زیوس دیوتاؤں کو جنگ میں مداخلت کرنے سے روکتا ہے۔ ٹرائے کے سپاہی حملہ کر کے یونانیوں کو دیوار کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

کتاب نمبر 9:

آگامم نان یونان واپسی کا مشورہ دیتا ہے اکلیز کو انکار ہے۔

کتاب نمبر 10:

رات ہوتے ہی آگامم نان اوڈی سی لیس اور DIOMED کو دشمنوں کے کیمپ میں جاسوسی کے لئے روانہ کرتا ہے وہ فوجوں کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں اور RHESUS نامی بادشاہ کو قتل کر دیتے ہیں۔

کتاب نمبر 11:

آگامم نان زخمی ہو کر میدان سے آتا ہے۔ ہیکٹر میدان جنگ میں آگے بڑھ کر یونانیوں کو پیچھے دھکیلتا ہے۔ NESTOR ٹرائے کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایک منصوبہ بناتا ہے۔

کتاب نمبر 12:

ٹرائے کے سپاہی یونانیوں کی دیوار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

کتاب نمبر 13:

دیوتا POSEIDON زیوس سے جھگڑتا ہے اور یونانیوں کی مدد کرتا ہے لیکن ٹرائے کے فوجیوں کی پوزیشن اب بھی مضبوط ہے۔

کتاب نمبر 14:

یونانیوں کی حالت خراب ہے۔ ہیرا (HERA) زیوس کو یونانیوں کی مخالفت سے روکتی ہے اوراس طرح یونانیوں کی حالت بہتر ہونا شروع ہوتی ہے۔

کتاب نمبر 15:

زیوس ہیرا کو بتلاتا ہے کہ یونانی ٹرائے کو فتح کر لیں گے ہیکٹر ایک اور حملہ کرتا ہے جس کے بارے اکلیز کو خبر دی جاتی ہے۔

کتاب نمبر 16:

پٹروکلس اکلیز کے ہتھیار لگا کر جنگ لڑتا ہے لیکن مقابلے میں اپالو کی مدد کی وجہ سے ہیکٹر کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔

کتاب نمبر 17:

ٹرائے کے فوجی اور یونانی پٹروکلس کی لاش پر جھگڑتے ہیں یونانی لاش حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر جہاز کی طرف لوٹتے ہیں۔

کتاب نمبر 18:

پٹروکلس کی موت پر اکلیز غصے سے دیوانہ ہو جاتا ہے اور میدان جنگ کی طرف بڑھتا ہے۔ دیوتا اس کے لئے نئے ہتھیار آسمان سے بھجواتے ہیں۔

کتاب نمبر 19:

آگامم نان اور اکلیز کے درمیان مصالحت ہوتی ہے۔ یونانی اکلیز کی سربراہی میں دوبارہ جنگ کی تیاری کرتے ہیں۔

کتاب نمبر 20:

زیوس دیوتاؤں کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے کہتا ہے اپالو AENEAS کو اکلیز پر حملہ آور ہونے کے لئے کہتا ہے اور اکلیز ٹرائے کی فوجوں کو بے دردی سے قتل کرتا ہے۔

کتاب نمبر 21:

اکلیز کی وحشت دیکھ کر دریا (SEAMENDER) میں شدید طغیانی آتی ہے۔ دیوتا ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوتے ہیں اور ٹرائے کے فوجی اپنی دیوار کے پیچھے پناہ لیتے ہیں۔

کتاب نمبر 22:

ہیکٹر اکیلا اکلیز کے سامنے میدان جنگ میں رہ جاتا ہے۔ وہ اکلیز سے لڑتا ہے اور ATHENA دیوی کی چال میں آکر مارا جاتا ہے۔ ٹرائے کے فوجی آہ وزاری کرتے ہیں۔

کتاب نمبر 23:

اکلیز ہیکٹر کی لاش کو گھسیٹ کر یونانی کیمپ میں لاتا ہے۔ پٹروکلس کی تدفین ہوتی ہے اور قربانیاں دی جاتی ہیں۔

کتاب نمبر 24:

ہرمز دیوتا کے کہنے پر پریام یونانیوں کے کیمپ میں ہیکٹر کی لاش لینے جاتا ہے۔ اکلیز پریام کی آہ وزاری سے متاثر ہوتا ہے اور لاش دے دیتا ہے۔ ہیکٹر کی تدفین کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

ایلیڈ کی کہانی قارئین کے لئے جانی پہچانی ہے۔ کہانیوں کا سلسلہ ہومر سے پہلے بھی جاری تھا لیکن ہومر کا یہ کمال ہے کہ اس نے جو لب ولہجہ، جو اسلوب اپنی انفرادی چھاپ لگا کر جاری کیا وہ بقول MATHEW ARNOLD ہومر کا اپنا ہے اور THE GRAND MANNER ہے۔ اسی نے اسے دنیا کا سب سے بڑا، یکتا اور لاثانی شاعر بنا دیا ہے۔ ہومر کا ایک نقاد LOUISE-ROPES LOOMIS ہومر کے اسلوب کے بارے میں لکھتا ہے:

His style which no trnaslation has ever reproduced is at the same time rapid, plain and simple. These qualities of personal genius

manifest in the iliad make us even today regard it as unmatched in literature and set its authorship at the head of world's poet.

(Preface to illiad, L.R. Loomis)

ہومر کی اس طویل نظم میں Grand Manner ایک ایک سطر میں جھلکتا نظر آتا ہے۔ کہانی اور پلاٹ کہیں رکتا نظر نہیں آتا اور ایک حرکت کا عمل ہر پل جاری رہتا ہے۔ ہومر واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جوڑتا ہے کہ طویل واقعات کی یہ بنی ہوئی زنجیر کہیں ڈھیلی نہیں پڑتی اور نہ ہی کوئی جوڑ کمزور نظر آتا ہے اور پھر واقعات کے بیان میں ہومر کا خداداد مشاہدہ ایک قیامت ڈھاتا رہتا ہے۔ پڑھنے والا اس کے بیان کے سحر سے حیران رہ جاتا ہے۔ اس کا اندازہ ایک معمولی سی بات سے ہو سکتا ہے۔ اکلیز اور آگامم نان کے جھگڑے کے بعد آگامم نان کو خواب دکھائی دیتا ہے۔ یہ خواب دراصل زیوس (ZEUS) ایک شہزادے (NESTOR) کی شکل میں بھیجتا ہے خواب میں آگامم نان کو اپنی فوجیں تیار کر کے حملہ آور ہونے کے لئے کہا جاتا ہے اور اسے تاکید کی جاتی ہے کہ وہ فوراً اپنے خیمے سے اٹھے اور جا کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے چنانچہ آگامم نان نیند سے بیدار رہتا ہے لیکن ہومر نے جس طریقے سے اسے تیار ہوتے دکھایا ہے اس سے اس وقت کے یونانی بادشاہوں کے لباس اور رہن سہن کا پورا نقشہ ذہن میں اتر آتا ہے اور ہومر کو اس کے مشاہدے کی داد دینا پڑتی ہے۔ آگامم نان خواب سے چونکتا ہے۔

Then presently he woke with the divine message still ringing in his ears so he sat upright and put on his shirt so fair and new and over this his heavy clock. He bound sandals to his comely feet and slung his silver-studded sword about his shoulder then he took the uniperishable staff of his father and sallied forth to the ship of the ACHAEANS.

(Page 23, Book II)

ہومر کی دنیا دراصل یونانیوں کے عروج کی دنیا ہے جس میں کلچر، تہذیب، ادب ثقافت ترقی پر نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہومر نے گھر گھر جھانک کر زندگی کا مشاہدہ کیا ہو۔ چیزوں کو قریب سے دیکھا اور پھر ہو بہو انہیں اپنی نظم میں بیان کر دیا۔ ایک اندازے کے مطابق ان زیوروں کی تعداد

ہزاروں تک پہنچتی ہے جن کو ہیلن اپنے استعمال میں لاتی تھی اور ہومر نے اپنی نظم میں ان کو نام لے کر بیان کیا ہے۔ ہومر نے نظم میں کسی کردار کی کسی بھی حرکت کو نظرانداز نہیں کیا۔ ان کے ایک ایک عمل کو تحریر میں سمو دیا ہے۔ ہیکٹر میدان جنگ کی صورتحال سے گھر والوں کو آگاہ کرتا ہے۔ اس موقعے پر ہومر نے ہیلن کو مصروف عمل دکھایا ہے۔ جس سے دو مقصد نکلتے ہیں ایک تو یہ کہ ہومر اپنے کرداروں کو کتنا قریب سے دیکھنے کا عادی ہے دوسرا یہ کہ اس زمانے کی عورتیں چاہے وہ عام عورتیں ہوں یا ہیلن جیسی شہزادیاں کسی نہ کسی گھریلو کام میں مصروف رہتی تھیں اور فارغ وقت میں ان کا مشغلہ وہی تھا جو عہد جدید میں بوتیک والوں کا پیشہ ہے مثلاً جب ہیکٹر ہیلن کے کمرے میں آیا تو ہیلن کو مصروف دیکھا۔

She found her in her own room working at a great web of purple linen on which she was embroidering the battle between Trojan and Greek.

(Page 47, Book 3)

ہومر کا اسلوب زندگی کے بے حد قریب ہے اس کی سادہ تشبیہات فطری زندگی سے عبارت ہیں۔ اس نے یہ سب کچھ فطرت اور عام زندگی سے مستعار لیا ہے۔ زمین پر بسنے والے عام انسانوں کا لہجہ اختیار کیا ہے اور زمین پر بکھری ہوئی چیزوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ اگر وہ بڑھتی ہوئی فوج دکھاتا ہے تو یہ کہہ کر آگے نکل جاتا ہے کہ فوج سمندری لہروں کی طرح آگے بڑھتی اور چٹانوں سے ٹکراتی اور انہیں ریزہ ریزہ کرتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ یونانی سپہ سالار آجکس (Ajax) جب میدان جنگ سے تھکا ہارا واپس پلٹ رہا ہے تو ٹرائے کے سپاہی اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہاں ہومر انسانی زندگی کے قریب ترین مناظر کو استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آجکس میدان جنگ سے یوں آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے جیسے مکئی کے کھیت سے گدھا بچوں کی مسلسل مار کھا کر کھیت سے باہر نکلتا ہے۔ جب ٹرائے کے سارے فوجی میدان جنگ سے واپس چلے جاتے ہیں اور اکیلا ہیکٹر یونانی فوج کے سامنے رہ جاتا ہے تو ہومر نے اس کیفیت کو دو جملوں میں بیان کیا ہے اور ہیکٹر کی جوانمردی کی کیفیت سامنے آجاتی ہے۔

Hector at bay stands like a brave lion surrounded by yelping hounds and exited hunters but himself neither confused nor afraid.

(Page 343, Book 23)

ہیکٹر اکیلا ہے۔ یونانی سپہ سالار اکلیز اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ہومر نے اکلیز کے حملے کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے اکلیز جیسے عظیم سپاہی کے ماہر فن ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا اور یقین ہو جاتا ہے کہ یونانیوں کو جس پر ناز تھا اسے ایسا ہی ہونا چاہیے۔

As a serpent in its den upon the mountain full fed with poisons waits for the approach of man. He is filled with fury and his eyes glare terribly as he goes wirithing his den As a mountain falcon swiftest of all birds swoops down upon some cowing dove. The dove flies before him but the falcon with shrill scream follows close after.

ہومر کرداروں کو امر بنانے میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ ایلیڈ میں ابھرنے والے بے شمار کردار ہومر کے قلم کی زد میں آ کر ابدیت کی ضمانت حاصل کر گئے ہیں اور آج تک ذہنوں اور یادداشتوں کی گزرگاہ پر زندہ و جاوداں چل رہے ہیں۔ ہومر اس فن میں اپنی مثال آپ ہے۔ کردار کی شخصیت کو ابھارنے میں بعض اوقات وہ صرف چند جملوں کا سہارا لیتا ہے اور کردار پر ابدیت کی مہر لگا دیتا ہے۔ آگامم نان، اکلیز، اوڈی سی لیس، پریام، پیرس، ہیکٹر، انڈرمائیکی، ہیلن تو بڑے کردار ہیں، میں ایک ایسے کردار کی مثال پیش کرتا ہوں جو ہومر نے یونانیوں کے ہجوم سے لیا ہے لیکن چند جملوں میں اس کی ایسی کردار کشی کی ہے کہ ساری کتاب پڑھ کر بھی وہ کردار ذہن سے محو نہیں ہوتا۔ آگامم نان زیوس کا بھیجا ہوا خواب دیکھ کر یونانیوں کے کیمپ میں جاتا ہے اور اپنا خواب بتلاتا ہے کہ کس طرح زیوس نے اسے ٹرائے پر حملہ کرنے کی تلقین کی ہے اس کی بات سن کر ایک فوجی Thersites اعتراض کرتا ہے کہ ہم واپس یونان جائیں گے۔ ہیلن کی زیبائی کے لئے جنگ نہیں لڑیں گے کیونکہ تم نے ایک دوشیزہ کے لئے اکلیز جیسے بہادر جرنیل سے تنازعہ [illegible] لیا ہے۔ ہومر نے اس کردار کا نقشہ چند ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

THERSITES - a man of many words and those unseemly a monger of sedition a railer against all who were in authority who earned not what he said. He was the ugliest man of all those that came beford Troy, bande- legged lame of one foot with

his two shoulders rounded and hunched over his chest. His head ran up to a point but there was little hair on the top.

(Page 27, Book-2)

...... ہومر نے بے شمار لافانی کردار تخلیق کئے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ کس کردار کو اولیت دی جائے۔ اکلیز کی بہادری، اوڈی سی لیس کی چالاکی، آگامم نان کی سمجھ بوجھ، ہیلن کی بے وفائی، انڈرومائیکی کی وفاداری، ہیکٹر کی جرأت سب اپنی جگہ بے مثال ہیں لیکن ہومر نے جس کردار کو اہم ترین قرار دیا ہے اور جس کے اردگرد ساری ایلیڈ کا پلاٹ گھومتا ہے، نہ صرف ہومر بلکہ دیوتاؤں کی ہمدردیاں بھی جس کردار کے ساتھ ہیں وہ اکلیز (Achilles) کا لافانی کردار ہے۔ ایلیڈ کا ہیرو اکلیز ہے اور ساری کہانی اس کے گرد گھومتی ہے۔ داستان کا آغاز اور انجام دونوں اکلیز کے غصے سے ہوتے ہیں بلکہ ایلیڈ کو The wrath of Achilles کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یونانی فوج کا یہ سب سے بہادر، نڈر، غصیلہ اور جرأت مند جرنیل Phthia کے بادشاہ Pelsuso اور سمندری دیوی Thetis کا بیٹا تھا۔ مجبوراً اسے ٹرائے کی جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ جنگ کے نویں سال اس آگامم نان سے جھگڑا ہوگیا جو مال غنیمت کی تقسیم پر تھا۔ تنازعہ ایک دوشیزہ پر بڑھ گیا اور داستان کے آخر تک چلتا رہا۔ اکلیز اپنے حق کی خاطر ضد پر قائم رہا اور آگامم نان کے سامنے دوسرے جرنیلوں کی طرح سر نہیں جھکایا۔ آگامم نان سپہ سالار تھا لیکن اکلیز اپنی عزت و وقار کی خاطر ٹس سے مس نہ ہوا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ٹرائے کے لوگوں سے میری کوئی دشمنی نہیں۔ انہوں نے نہ میرے ریوڑ چرائے ہیں نہ میرے علاقے پر قبضہ کیا ہے میں تو صرف تمہارے بھائی کی اغواشدہ بیوی کی بازیابی کے لئے یہاں آیا ہوں اور تم لوٹ کے مال کی تقسیم پر جھگڑا کر رہے ہو۔

Now therefore I shall go back to PHTHIA it will be much better for me to return home with my ships for I will not stay here to gather gold and substance for you.

آگامم نان اس بات پر خفا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ میں کمزور ہوں۔ میں تمہارے جہاز میں آؤں گا اور جو حصہ تمہیں ملا ہے وہ بھی لے لوں گا۔ صرف یہ بتلانے کے لئے کہ میں کتنا بہادر ہوں۔ اکلیز اس بات پر آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور چلا کر کہتا ہے۔

Wine - bibber - with the face of a dog and the heant of a hind of all else that is at my ship you shall carry away nothing by force. Try that other my sec - if you do my spear shall be reddened with your blood.

(Page 14, Book 1)

اکلیز یہ بات کہہ کر اپنے جہاز میں جا کر بیٹھ گیا اور لڑائی میں حصہ نہ لیا۔ جنگ جاری رہی لیکن اکلیز اور اس کے آدمی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ مصالحت کی بڑی کوشش کی گئی لیکن آگا م نان اور اکلیز دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس دوران اکلیز کا دوست Patroclus جنگ میں شریک ہو کر میدان جنگ میں جانے لگا تو اکلیز کے ہتھیار لے کر جنگ میں چلا گیا۔ اس کا مقابلہ ہیکٹر سے ہوا اور ہیکٹر نے اسے قتل کر دیا جس کا اکلیز کو بے حد افسوس ہوا اور درد سے چیخ پڑا۔ اتنا چلایا کہ اس کی ماں Thetis سمندر کی تہہ سے نکل کر اپنے بیٹے کے پاس ٹرائے کے میدان میں آ گئی جہاں اکلیز پٹروکلس کی لاش پر کھڑا کہہ رہا تھا:

I wil not live nor go about among mankind unless Hector falls by my spear and thus pay me for having slain Patroclus.

چنانچہ اکلیز دوست کی موت کا انتقام لینے کے لئے آگا م نان سے اپنے جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے اور لڑائی میں حصہ لینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن اب یہ رکاوٹ راستہ روک لیتی ہے کہ اس کے سارے ہتھیار اب ہیکٹر کے قبضے میں ہیں کیونکہ یہ ہتھیار اس کا دوست پٹروکلس پہن کر گیا تھا اب انہیں ہیکٹر لگا کر گھومتا ہے اکلیز کی ماں اس سے کہتی ہے:

Your armour is in the hands of Trojans. Hector bears it in trimph upon his own shoulder. Go not however into the battle till you see me return tomorrow at break of day, I shall be hear and will bring you goodly armour from king Hephaestus.

(Page 287, Book 18)

چنانچہ اس کی ماں اپنے بیٹے کے لئے آسمانی دیوتا Hephaestus سے آسمانی ہتھیار بنوا کر لاتی ہے جنہیں پہن کر اکلیز میدان جنگ میں اترتا ہے۔ اکلیز کا میدان جنگ میں اترنا ٹرائے کے باشندوں پر قیامت ٹوٹنا تھا۔ یونان سے اکلیز ہیلن کی بازیابی کے لئے چلا تھا لیکن آگا م نان سے جھگڑنے

کے بعد وہ اپنے جہاز پر جا کر بیٹھ گیا اور کوئی دھمکی، کوئی مصلحت، کوئی منت سماجت اسے جنگ میں شرکت کے لئے آمادہ نہ کر سکی۔ مگر اپنے دوست پٹروکلس کی موت اور لاش کی بے حرمتی دیکھ کر وہ تلملا اٹھا اور ساری باتیں بھلا کر میدان جنگ میں کود پڑا۔ اپنے دوست کے انتقام نے اس کے ذہن سے ساری پرانی رنجشیں بھلا دیں اور وہ انسان سے ایک خوفناک درندہ بن گیا جس کا مقصد زندگی کا شکار کرنا مقصد تھا۔

وہ اپنی تلوار سے اجسام کو کئی حصوں میں تقسیم کرتا رہا اور اس کا گھوڑا گوشت کے ڈھیروں کو روندتا آگے بڑھتا رہا۔ وہ ٹرائے کی فوج کو دریائے Scamender کی طرف دھکیلتا رہا۔ دریا کا پانی سرخ ہو گیا۔ اکلیز کا نیزہ اجسام دریا میں اچھالتا رہا اور دریا کا پانی کناروں سے خون بن کر باہر نکلتا رہا اور دریا چاروں طرف پھیل گیا۔ آدمی، گھوڑے، نیزے، تلواریں، ڈھالیں سب کے سب اکلیز کے سامنے بے بس اور حیران تھے سب کی نظر میں وحشت سے بھرا اکلیز تھا، مگر اکلیز کے سامنے اس کے دوست پٹروکلس کا چہرہ تھا اچانک اسے ہجوم میں ہیکٹر کا بھائی Lycon نظر آیا۔ اکلیز کا نیزہ اس کی طرف بڑھا لیکن اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

> **"Achilles have mercy upon me and spare me. I am not of the same womb as Hector who slew your brave and noble comrade."**

اکلیز نے اس کی ایک نہ سنی اور کہا میں ایک شریف باپ کا بیٹا ہوں۔ میری ماں سمندری دیوی ہے لیکن موت کا سایہ مجھ پر بھی پڑے گا۔ ایک نہ ایک دن صبح، دوپہر یا شام، میدان جنگ میں کوئی میری زندگی کا چراغ بجھائے گا یا کسی کے کمان سے کوئی تیر مجھے بھی ختم کر دے گا۔ یہ کہہ کر Lycem کے سینے میں نیزہ اتار دیا اور پھر لہروں میں اچھال دیا اور پھر وہ ٹرائے کے فوجیوں کی لاشوں سے گزرتا ہوا ہیکٹر کے سامنے پہنچ جاتا ہے۔ ہیکٹر جو اس کے دوست پٹروکلس کا قاتل تھا اور جس کے لئے اکلیز نے جنگ میں شمولیت دی تھی ہیکٹر اور اکلیز بے جگری سے لڑے۔ میدان جنگ کے ذرے ذرے نے آنکھیں پھاڑ کر ان کو داد شجاعت دیتے ہوئے دیکھا لیکن اکلیز کا پلہ بھاری رہا اور اس نے بہادر ہیکٹر کو زمین پر گرا دیا۔ ہیکٹر کی موت قریب تھی۔ ٹرائے کے لوگ شہر پناہ سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ پریام، اس کی بیوی ہیلن نے ہیکٹر کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔

ہیکٹر نے بڑی عاجزی سے اکلیز کو اپنی لاش کی بے حرمتی سے روکا اور اس کے بدلے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کی پیشکش کی۔ لیکن اکلیز نے نفرت سے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا اور اس سے نفرت بھرے لہجے میں بات چیت کرتا رہا۔ اسے روکا کہ مجھے میرے والدین کا واسطہ نہ دو، کہ میں تمہاری لاش تمہارے بوڑھے باپ کے حوالے کر دوں۔ میں تمہارے ساتھ تمہارے مرنے کے بعد وہی سلوک کروں گا جو تم نے میرے دوست کے ساتھ کیا تھا۔ میں تمہارے جسم کی بوٹیوں کو کتوں کو ڈالوں گا تا کہ پیٹروکلس کی روح کو سکون ملے۔ اکلیز نے یہ کہہ کر اپنا نیزہ اس کے سینے میں اتار دیا۔ ہیکٹر نے آخری سانس لی اور زمین پر گر گیا۔ یونانی دوڑ کر قریب آئے۔ اکلیز نے اپنا نیزہ ہیکٹر کے ساتھ زمین پر گاڑ دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:

Let us raise the song of victory and go back to the ship taking this man along with us for we have achieved a might trimuph and have slain noble Hector to whom the Trojans prayes throughout their city as through he were a God.

بلاشبہ ہیکٹر ایک بہادر، جری اور نڈر سپاہی تھا لیکن دیوتا کو یہ بات پسند تھی کہ اس کی موت اکلیز کے ہاتھوں ہو اور موت ہوئی اس کی موت کے ساتھ ہی ٹرائے فتح ہو گیا۔ اکلیز اس کی لاش کو گھسیٹتا ہوا جہاز کے پاس لایا اور بے کار شے کی طرح پھینک دیا۔ ہیکٹر کا بوڑھا باپ پریام یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ٹرائے کے لوگ آہ و فغاں کر رہے تھے۔ ہیکٹر کی بیوی اینڈرومائیکی درد و الم سے نڈھال تھی۔ سب چاہتے تھے کہ ہیکٹر کی لاش کی بے حرمتی نہ ہو مگر اکلیز سے لاش لینا کسی کے بھی بس کی بات نہ تھی۔ ادھر ٹرائے میں ہیکٹر کے لئے آہ و زاری ہو رہی تھی۔ ادھر اکلیز پیٹروکلس کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھا اور اپنے دوست کی لاش کو احترام سے دفنا کر کہہ رہا تھا۔

Farewell Patroclus even in the house of Hades. I will now do all that I promised you. I will drag Hector hither and let dogs devour him raw twelve noble sons of Trojans will i also slay before your pyre to avenge you.

(Page 351, Book 23)

پیٹروکلس کو دفنانے کا حکم دے کر اکلیز چند لمحوں کے لئے سو گیا۔ خواب میں پیٹروکلس کی روح اس سے ملنے آتی ہے۔ ہومر نے اس لمحے کی بڑی جذباتی اور عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ ذرا دیکھئے کہ میدان جنگ کی تفصیل لکھنے والا ہومر جب دلوں اور جذبوں کی بات کرتا ہے تو اس کا قلم کیسے قلبی کیفیتوں کی تصویر کھینچتا ہے۔ پیٹروکلس کی روح سوئے اکلیز سے یوں مخاطب ہوتی ہے:

You sleep Achilles and have forgotten me. You loved me living but now that I am dead you think for me no further. Bury me with all appel that I may pass the gates of Hades. One prayer more will I wake you if you will grant it let not my bones be laid apart from yours Achilles but with them. I had killed the son of Amphidamas not of set purpose but in childist quarrel over the dice. The knight Peleus took me into his house entered me kindly and named me to be your squire. Therefors let our bones lie in but a single run the two hundred golden vase given to you by your mother. (Book 22, Page 355)

یہ بات سن کر اکلیز کہتا ہے تو پھر آؤ آخری بار ہم اسی طرح باہوں میں باہیں ڈال دیں کیوں کہ پھر شاید موقع ملے نہ ملے لیکن جب ہاتھ پھیلا کر آنکھیں ملتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ روتا ہے اور پھر اچھل کر بستر سے نکلتا ہے اور جا کر پیٹروکلس کی تجہیز و تکفین مکمل کرتا ہے اور پیٹروکلس کی لاش کو آگ دکھا کر کہتا ہے:

Farewell Patroclus even in the house of Hades I am now doing all that I have promised you.

ہیکٹر کا بوڑھا باپ بادشاہ پریام غم سے نڈھال ہے۔ پورا ٹرائے غم کی سیاہ چادر اوڑھے اشکبار ہے لیکن اکلیز سے ہیکٹر کی لاش ملنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ آخر دیوتا ہرمز کے کہنے پر پریام اکلیز کے خیمے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا ہے اور بیٹے کی لاش لینے کے لئے جاتا ہے۔ اکلیز نے ابتدا میں آگامم نان سے کہہ دیا تھا کہ ٹرائے کے لوگوں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔ میں تو ہیلن کی بازیابی کے لئے آیا ہوں۔ لیکن پیٹروکلس کی موت نے اس کی وحشت کو پر لگا دیے اور وہ ٹرائے کے لوگوں کے قتل عام پر تل گیا۔ اب انتقام کے بعد اس کے اندر کا وحشی سو گیا تھا۔ اب وہ ایک نارمل انسان تھا۔ پریام جب اس کے خیمے کے باہر آ کر

اپنے بیٹے کی لاش مانگتا ہے اور کہتا ہے:

Think of your own father and have compassion upon me who am the more pitiable for I have steeled myself as no man has ever. Yet steeled himself before me and have raised to my lips the hands of him who slew my son.

(Book 24, Page 384)

اکلیز یہ بات سن کر ندامت سے زمین میں گڑ جاتا ہے۔ اپنے سامنے بوڑھے بے بس بادشاہ کو دیکھ کر اسے اپنا باپ یاد آ جاتا ہے اور اسی لمحے اکلیز کے عظیم کردار کا دوسرا پہلو سامنے آتا ہے اور یہاں پتہ چلتا ہے کہ اکلیز نہ صرف ایک جری سپاہی ہے بلکہ اپنے سینے میں موم سے زیادہ نرم دل رکھتا ہے۔ وہ بڑے احترام سے پریام کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے خیمے میں لے جاتا ہے۔

The two wept bitterly. Praim as he lay at Achilles feet weeping for Hector and Achilles now for his father!

اکلیز بوڑھے پریام کو بیٹھنے کے لئے کہتا ہے بوڑھا جواب دیتا ہے:

O King bid me not be seated while Hector is still lying uncared for in your tents.

پریام اکلیز کو وہ سونا چاندی یاد دلاتا ہے جو وہ لاش کے بدلے اس کے حوالے کرے گا لیکن اکلیز اسے کہتا ہے:

Vex me sir no longer I am of myself minded to give up the body of Hector. My mother daughter of the old man of the sea came to me from Zeus to bid me Deliver it to you.

اکلیز جو ٹرائے کے لوگوں کے خون کا پیاسا تھا، کتاب کے آخری حصے میں ایک مکمل نرم دل انسان نظر آتا ہے اور ہومر نے جن کرداروں کو وحشی اور جنگ و جدل کا رسیا دکھایا تھا، سے کھڑے پانی کی طرح ساکت بنا دیا ہے۔ پریام لاش حاصل کر کے کہتا ہے کہ ہم اپنے رسم و رواج کے مطابق ہیکٹر کو شاہی اعزازات کے ساتھ دفن کریں گے۔

اکلیز پریام کو جنگ بندی کی ضمانت دیتا ہے اور جب تک ہیکٹر کے دفن کی تمام رسومات نہیں ہو جاتیں، کوئی یونانی فوجی ہتھیار نہیں اٹھاتا۔

اکلیز ہومر کی ایلیڈ کا سب سے جاندار کردار ہے۔ وہ بہادر ہے نہ صرف فوجیوں بلکہ دیوتاؤں کا بھی پسندیدہ اور چہیتا شخص ہے۔ اپنی انا اور آن کا پکا ہے۔ اپنے حق کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہے۔ آگامم نان سے اس کا یہی تنازعہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دوست اور وفادار آدمی ہے۔ آگامم نان سے جھگڑے کے بعد وہ لڑائی سے الگ اپنے جہاز پر آرام کرتا ہے لیکن جب اس کا دوست پیٹروکلس ہیکٹر کے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو دوست کا انتقام لینے کے لئے تمام گلے شکوے بھلا کر جنگ میں شریک ہو جاتا ہے اور دیوتا اپنے ہاتھ سے اس کے لئے ہتھیار بناتے ہیں۔ میدان جنگ میں اکلیز اپنی مثال آپ ہے۔ دریائے Scamander کا پانی اس کی تلوار کے طفیل خون میں تبدیل ہو جاتا ہے وہ موت بن کر سب کے سروں پر منڈلاتا ہے۔ ہومر نے اس کے حملہ آور ہونے کے مناظر کتاب میں بڑے کمال سے بیان کئے ہیں۔ ہیکٹر کے ساتھ اس کی لڑائی ہومر کے بیانیہ انداز کی بہترین مثال ہے۔ جنگ میں دشمنوں کے سروں پر وحشت اور دہشت کے روپ میں نازل ہونے والا اکلیز ایک نرم دل انسان بھی ہے اپنے دوست پیٹروکلس اور بوڑھے پریام کے ساتھ اس کی گفتگو اور مناظر اس کا بہترین ثبوت ہیں۔

اکلیز کے علاوہ آگامم نان، اوڈی سی یس اور آیجکس کے کردار بھی یونانی فوج کے اہم ترین کردار ہیں۔ آگامم نان یونانی آن پر مرنے والا بادشاہ ہے اور اس کے لئے وہ اپنی بیٹی کی قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ (اسکائی لس کا ڈرامہ ''آگامم نان'' اس ساری تفصیل کی داستان ہے)۔ ''ایلیڈ'' کے آغاز میں اکلیز کے ساتھ جھگڑے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی دھمکی اور دھونس میں آنے والا نہیں وہ اکلیز کی مدد کے بغیر بھی جنگ جاری رکھتا ہے اور یونانی فوج کو کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔ اکلیز جب واپس یونان جانے کی دھمکی دیتا ہے تو آگامم نان کسی خوف یا پریشانی کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیتا۔

> Fly if you will I shall make prayens to stay you. I have others here who will do me honour. There is no king here so hateful to me as you are.

اکلیز اور اس کے سپاہی بحری جہازوں میں آرام کرنے چلے گئے اور انہوں نے لڑائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ باقی یونانی فوج بھی ڈھیلے قدموں میدان جنگ کا رخ کرنے لگی۔ اس موقعہ پر اوڈی

سی لیس نے آگامم نان سے کہا:

King they forgot the promise they made to you when they set out from Argos that you should not return till you had sacked the town of Troy and like children or women they murmur and would set off homewards.

یہاں آگامم نان واقعی ایک بادشاہ اور سپہ سالار کے تکلم میں مخاطب ہوتا ہے۔ اگرچہ اکلیز اور اس کے ساتھی فوجیوں کی ناراضگی نے یونانی فوج کی کمر توڑ دی تھی لیکن آگامم نان نے اس بات کو اپنے ذہن کے کسی حصے میں جگہ نہ دی اور اس کے پائے استقامت میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔ اس کے لہجے اور انداز میں وہی مضبوطی نظر آتی ہے جو ایک بہادر بادشاہ اور نڈر سپہ سالار کا وطیرہ ہوتی ہے۔

فوجیوں نے آگامم نان کے سامنے سرخم کیا اور لڑائی میں حصہ لیا اور ایک طویل عرصے تک بغیر اکلیز اور اس کے سپاہیوں کے ٹرائے کے لوگوں سے لڑتے رہے۔ آگامم نان یونان کی عزت و وقار اور سربلندی کے لئے ایک طویل عرصے تک لڑتا رہا۔ ہیلن کی واپسی دراصل یونانی قوم کی عزت و وقار کی بحالی تھی اور اس کے لئے آگامم نان سرگرم ہوا اور کامیابی سے دوچار ہوا۔

اوڈی سی لیس **Ithaca** کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ٹرائے کی مہم میں حصہ نہ لینے کے لئے اپنے اوپر عارضی اور بناوٹی پاگل پن طاری کر لیا تھا لیکن **Napulius** کے بیٹے **Palamedes** کی وجہ سے اس کی یہ چال پکڑی گئی اور اسے جنگ میں حصہ لینا پڑا لیکن اس لڑائی میں **Palamedes** کو مار دیا گیا (اگرچہ یہ خیال صرف یوری پیڈیز کا ہے جس نے اس نام سے ڈرامہ لکھا ہومر اس سلسلے میں بالکل خاموش ہے)۔ ایلیڈ میں اس کا کردار ایک بہادر اور چالاک سپاہی کا کردار ہے اور وہ اپنی خفیہ چالوں، جاسوسی اور **Wooden Horse** کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ ٹرائے کی فتح کے بعد پریام کی بیوی **Hucaba** اس کے حصے میں آئی۔ ایلیڈ کی تیسری کتاب میں جب پیرس اور میلیس کی دوبدو لڑائی ہوتی ہے اور شہر پناہ سے ہیلن اور پریام لڑائی دیکھتے ہیں تو اوڈی سی لیس کو دیکھ کر پریام پوچھتا ہے:

Tell me "he said" who is that other shorter by a head than Agamemnon but broader across the chest and shoulder his armour is laid upon the

ground and he stalks in front of the ranks as it were some great wooly ram ordering his eyes.

ہومر نے ہیلن سے صرف دو سطریں کہلوا کر اوڈی سی لیس کے پورے کردار کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

He is Odysseus a man of Great craft son of Laertes. He was born in rugged Ithaca and excels in all manner of stratagems and subtle cunning.

ہومر نے اوڈی سی لیس کی ساری صفات اپنی دوسری طویل نظم اوڈی سی لیس کے لئے سنبھال کر رکھی تھیں۔ ایلیڈ میں اکلیز کے کردار کے سامنے اوڈی سی لیس دبا دبا سا رہا لیکن اوڈی سی لیس میں وہ ہیرو ہے اور اس کے کردار کی ساری صفات ہومر نے بڑے تفصیلی انداز میں بیان کی ہیں۔ ایلیڈ میں ہومر اکلیز کے بعد اسے سب سے اہم کردار سمجھتا ہے شاید اس لئے اکلیز کی موت کے بعد اسے ہی اکلیز کے ہتھیاروں کا جائز حقدار سمجھا گیا تھا۔ اوڈی سی لیس کے کردار کے بارے میں کئی پہلو آگے چل کر اوڈی سی لیس کے تجزیئے میں بیان ہوں گے۔ ایلیڈ کی طویل داستان میں وہ اپنی شناخت کھوتا نہیں بلکہ ایک اہم باعتبار شخص کی حیثیت سے واقعات میں رونما ہوتا ہے اور آگامم نان اسے اپنے خاص رازداروں میں جگہ دیتا ہے اس لئے کہ سارے یونانی فوجیوں میں صرف اس کی ذات ہی ایسی تھی جو ہر قسم کے خطرات کو سینے سے لگانے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ آگامم نان ٹرائے کے فوجیوں کی صورتحال جاننے کے لئے بے تاب تھا۔ وہ بادشاہ Diomed سے اس بات کا ذکر کرتا ہے اور اسے اس مہم پر جانے کے لئے کہتا ہے اس کی خواہش کے مطابق آدمی لے جانے کے لئے کہتا ہے۔ آگامم نان کی یہ بات سن کر Diomed اس سے کہتا ہے:

If you bid me take the man of my own choice how in that case can I fail to think of Odysseus than whom there is no man more eager to face all kind of danger.

اوڈی سی لیس واقعی ایک نڈر سپاہی تھا۔ خطرات کے بھنور میں کودنا اور پھر زندہ بچ نکلنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اکلیز کی موت کے بعد اور Wooden Horse یعنی لکڑی کا گھوڑا بنا کر اس میں فوجیوں کو چھپانا، ٹرائے کے شہر میں داخل ہونا اور پھر گیٹ کھول کر شہر میں یونانیوں کے داخلے تک، یہ سارا

کچھ اوڈی سی لیس کی سکیم تھی لیکن یہ واقعہ ان تمام کارناموں سے بہت چھوٹا ہے جو اوڈی سی لیس ہومر کی دوسری عظیم تخلیق اوڈی سی لیس میں سرانجام دیتا ہے جن کا ذکر آگے چل کر ہوگا۔

ٹرائے کے لوگوں میں جو کردار بڑے اہم ہیں اور جن کی اہمیت کسی صورت کم نہیں ان میں ہیکٹر اور اس کی بیوی انڈروماکی کے کردار ہیں۔ اگرچہ ہیکٹر کی ماں Hucaba اور پریام کا کریکٹر بھی اپنے انداز میں ایک انفرادیت رکھتا ہے لیکن ہیکٹر ٹرائے کی مٹی سے بنا ہوا سب سے خوبصورت کھلونا ہے جس میں غیرت، حب الوطنی اور اپنی خاندانی روایات سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ہیکٹر ٹرائے کے بادشاہ پریام کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ پریام کے بارہ بیٹے تھے لیکن ہیکٹر اور پیرس (جس نے ہیلن کو اغوا کر کے سارا فساد برپا کیا تھا) ان میں سے مشہور ہے اور ایلیڈ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

ہیکٹر ایک مہذب اور بہادر سپاہی ہے اور پیرس کا ہیلن کو اغواء کرنا اس کے نزدیک ایک غیر مہذب فعل ہے۔ مہمان بن کر کسی کے گھر جانا اور پھر صاحب خانہ کی بیوی کو اغواء کرنا ہیکٹر کے نزدیک ایک مکروہ امر ہے۔ ساری کہانی میں پیرس کو وہ اس حرکت پر لعن وطعن کرتا رہتا ہے اور پیرس کو ہمیشہ برے الفاظ میں یاد کرتا ہے۔

لیکن اب جبکہ یونانی متحد ہو کر ہیلن کو واپس لینے آ گئے تھے اور انہوں نے ٹرائے پر یلغار کر دی تھی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مردوں کی طرح مقابلہ کیا جائے۔ ہیکٹر اس کے لئے پوری طرح تیار تھا لیکن وہ ایک آدمی کی وجہ سے پورے ملک کی تباہی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا وہ خلق کے خون ناحق سے زمین کو رنگنے کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہ یونانیوں کو یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ ہیلن پیرس کے پاس ہے اور مِیلیس اس کا سابقہ شوہر ہے تو کیوں نہ دونوں کا مقابلے پر جنگ کا فیصلہ کر لیا جائے۔ جو جیتے وہ ہیلن کو حاصل کر لے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ ہوتا ہے لیکن محبت کی دیوی ایفروڈائٹی کی چال کی وجہ سے فیصلہ کن ثابت نہیں ہوتی اور میدان جنگ کی کیفیت جوں کی توں رہتی ہے۔

ہیکٹر میدان جنگ میں اپنے فوجیوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لئے بڑی بہادری سے لڑتا ہے۔ لیکن صورتحال یونانیوں کے حق میں رہتی ہے جس سے وہ اکثر اوقات بے دل ہو جاتا ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا۔ ایسی صورتحال میں ایک بار وہ تھکا ہارا محل میں پہنچتا ہے تو اس کی ماں Hucaba کہتی ہے:

My son why have you left battle to come hither are the Achaeans woe betibe them pressing your hand about the city - wait till I can bring you wine that you may make offering to Zeus and to the other immortals.

وہ اپنی ماں کو مندر جا کر دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور خود ہیلن کے محل میں جا کر پیرس کو میدان جنگ چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہیلن کو ہیکٹر برا نہیں سمجھتا۔ وہ اس خیال کا حامی ہے کہ اگر پیرس اسے اغوا نہ کرتا تو شاید وہ اپنا گھر چھوڑ کر ٹرائے نہ آتی۔ چنانچہ ہیکٹر اسے پوری عزت واحترام سے رکھتا ہے اور اسے پیرس کی قانونی بیوی کا درجہ دیتا ہے۔ ہیلن کو اس چیز کا احساس ہے کہ ہیکٹر اسے سب سے زیادہ عزیز خیال کرتا ہے۔ ہیلن کو اس چیز کا اعتراف ہے کہ اس کے اور پیرس کے غیر اخلاقی فعل سے جو مصیبت ٹرائے پر آئی ہے ہیکٹر اس کی زد میں ہے۔ ہیکٹر جب اسے میدان جنگ میں جانے سے پہلے ملنے آتا ہے تو وہ ان ہی جذبات کے زیر اثر کہتی ہے:

Still brother come in and rest upon this seat for it, it is you who bear the brunt of that toil that has been caused by me hateful self and by the sin of Paris- both of whom Zeus has doomed to be a theme of song among those that shall be born hereafter. (Book 6, Page 97)

ہیکٹر میدان جنگ میں اکلیز کے دوست پیٹروکلس کو قتل کر دیتا ہے۔ اکلیز قسم کھاتا ہے کہ وہ ہیکٹر سے اس کا بدلہ ضرور لے گا جس سے پورے ٹرائے میں ایک مردنی چھا جاتی ہے لیکن ہیکٹر اس سے خائف نہیں وہ میدان جنگ میں اکلیز سے مقابلے کی ٹھان لیتا ہے۔ ماں باپ اور بیوی اس سے کہتے ہیں کہ وہ اکلیز کے سامنے نہ جائے مگر ہیکٹر کے اندر ایک بہادر زندہ تھا جس نے ان کی یہ بات تسلیم نہ کی۔ ورنہ ہومر نے جس طرح یہ تینوں سین مرتب کئے ہیں ان کے کرب اور اثر سے کوئی بھی مٹی کا ڈھیر ہو کر گر سکتا تھا۔

Dear husband you valour will bring you to destruction. Think on your infant son and on my helpless self who are long shall be your widow- I have neither father nor mother now Nay Hector - you who to me are father mother brother and

dear husband - have mercy upon me stay here upon this wall make not your child fatherless and wife a widow. (Book 6, Page 99)

ہیکٹر کی ماں نے اپنا سینہ کھول کر دودھ کے ان چشموں کی طرف اشارہ کیا جہاں سے ہیکٹر نے توانائی حاصل کی تھی۔ بوڑھے بادشاہ پریام نے اپنے بڑھاپے کا واسطہ دیا لیکن ہیکٹر کے اندر موجزن حب الوطنی اور بہادری کے جذبے نے کسی کی بات نہ سنی اور وہ میدان جنگ میں اتر گیا۔ یونانیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس کی تلوار سے اچھلا خون آسمان کی چھت پر جا لگا اور پھر یونانیوں کے ایک زوردار حملے سے ٹرائے کے سارے فوجی بھاگ گئے اور وہ یونانی دستوں کے سامنے اکیلا رہ گیا۔ بھاگا نہیں، ان کا مقابلہ کرتا رہا۔ ہومر نے ہزاروں یونانیوں کے سامنے ہیکٹر کو بہادری سے داد شجاعت دیتے ہوئے دکھایا ہے اور کہتا ہے:

Hector at by stands like a brave lion surrounded by yelping hounds and excited hunters but himself nither confused nor afraid.

یونانیوں کے نرغے کو چیر کر وہ آگے بڑھا تو اکلیز سامنے نظر آیا۔ اس نے اپنے بچے کھچے ساتھیوں سے کہا:

I will go up against him though his hands be as fire and his strength iron. (Book 20, Page 316)

وہ اکلیز کے سامنے لڑا، وار کئے اور برداشت کئے اور پھر اکلیز کے انتقام کا شکار ہو گیا۔ لیکن وہ ایک بزدل کی موت نہیں بلکہ بہادر کی موت مرا۔ اور ٹرائے کی آنے والی نسل کے لئے اپنی بہادری کی کہانی چھوڑ گیا۔ ہومر نے ایلیڈ میں جہاں جہاں بھی ہیکٹر کے کردار کو دکھایا ہے اس کے منہ سے ایسے مکالمے کہلوائے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک مثبت سوچ کا مالک تھا۔ پیرس کی طرح اس کی زبان منفی باتوں کا اظہار نہیں کرتی تھی۔

''ایلیڈ'' کے سب کے سب نسوانی کردار ٹرائے کے کردار ہیں اور یہ سب کردار اپنے اپنے انداز میں منفرد اور بے مثال کردار ہیں جو نسوانی عزت و حرمت پر حرف نہیں آنے دیتے۔ ان کرداروں میں صرف ایک کردار یونانی عورت کا ہے اور وہ ہیلن ہے جس کی گمراہی کو اگر دیوتاؤں کی سازش تصور کر لیا جائے تو اس کے

دامن سے بھی الزام کا دھبہ دھل جاتا ہے۔ (اغوا کا پس منظر یہ ہے کہ محبت کی دیوی ایفروڈائٹی نے کسی موقعے پر پیرس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے دنیا کی خوبصورت ترین عورت سے نوازے گی۔ چنانچہ اس وعدے کو وفا کرنے کے لئے اس نے پیرس کو میلینس کے گھر بھیجا۔ اس کی بیوی ہیلن کو گمراہ کیا۔ خاوند کے ساتھ بے وفائی کا جذبہ اس کے سینے میں موجزن کیا اور وہ اپنا گھر اور بیٹی چھوڑ کر پیرس کے ساتھ ٹرائے بھاگ آئی)۔

ہیلن کا کردار عالمی ادب کا ایک مشہور ترین کردار ہے۔ دنیا کے تمام شاعروں، مصوروں اور نثر نگاروں نے اس سے قلبی اور ذہنی تحریک حاصل کی ہے۔ ہیلن دیوتا Zeus اور Leda کی بیٹی تھی۔ آگامم نان کا بھائی میلینس اس کا خاوند تھا۔ شادی سے پہلے تمام شہزادوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ہیلن کی شادی جس سے ہو گی تمام شہزادے مل کر اس پر آنے والی مصیبت کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ جب پیرس ہیلن کو بھگا کر ٹرائے لے گیا تو سب مل کر آگامم نان کی سربراہی میں ٹرائے کی طرف آگئے اور اس کا طویل ترین محاصرہ کر لیا اور جنگ جیتی اور ہیلن کو میلینس واپس یونان لے گیا۔ یہ ہومر کی کہانی ہے لیکن بعد میں یوری پیڈیز نے جو ڈرامہ ہیلن کے نام سے لکھا اس کے مطابق ٹرائے میں جانے والی ہیلن دراصل ایک مکار چڑیل تھی جس نے یونانیوں اور ٹرائے کے لوگوں کی لڑائی کرا دی۔ اصل ہیلن ٹرائے پہنچی ہی نہیں بلکہ مصر کے ساحلوں کے پاس ایک مندر میں مقیم تھی اور میلینس جب نقلی ہیلن کو لے کر آ رہا تھا اور مصر کے ساحل پر اس کا جہاز ٹھہرا تو اس کی اصلی ہیلن سے ملاقات ہوئی لیکن میلینس کو اس پر یقین نہ آیا۔ پھر جب وہ اصل ہیلن کو لے کر اپنے جہاز پر پہنچا تو نقلی ہیلن کا راز کھلا۔ آیئے یوری پیڈیز (Euripides) کے ڈرامے ہیلن کا وہ منظر دیکھیں جہاں میلینس ساحل سمندر پر اپنا جہاز لنگر انداز کر کے اپنی اصلی بیوی ہیلن کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھتا ہے اور اسے دیکھ کر پوچھتا ہے:

Menelaus:	Who ant thou whom do I behold in thee lady.
Helen:	Nay who ant thou.
Menelaus:	I never saw a close resemblance.
Helen:	Thou hast none other wife but me.
Menelaus:	How tough couldst thou have been here and in Troy at the same time.
Helen:	The name may be in many a places at once though not the body.

Menelaus: Unhand me the sorrow I bought with me suffice.
Helen: What will leave me and that phantom bride away.

ہیلن اسے یقین دلانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ عورت جسے وہ ہیلن سمجھ کر ٹرائے سے لایا ہے دیوتاؤں کا بنایا ہوا ہیولا ہے۔ایک چڑیل ہے۔ میں اصلی ہیلن ہوں جو عرصہ دراز سے ساحلوں پر ماری ماری پھر رہی ہوں تا کہ تیرا جہاز ٹرائے سے واپس آئے اور میں تیرے ساتھ واپس یونان چلوں۔ میلینس ہیلن کو دیکھتا ہے۔الجھن میں ہے کہ اچانک جہاز سے پیغام بر آتا ہے اور کہتا ہے:

Menelaus: Thy wife hath disappeared soaring way into embracing air in heaven. She now is hidden.

اور وہ جاتی جاتی یہ بتلا گئی ہے کہ یہ ساری چال دیوی ہیرا نے چلی تھی۔ میلینس اور ہیلن آپس میں ملتے ہیں اور یونان کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہ ساری کہانی یوری پیڈیز کی تخلیق ہے اور وہ اس کے تاریخی حوالوں پر روشنی نہیں ڈالتا جہاں تک ہومر کا تعلق ہے اس نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔اس کا نظریہ یہی ہے کہ اصلی ہیلن ٹرائے آئی اور لڑائی کے بعد یونانی اسے واپس لے گئے۔ ہومر کی ایلیڈ میں ہیلن ہمیں پیرس کے ساتھ مطمئن نظر آتی ہے۔ٹرائے کی جنگ میں اس کی ساری ہمدردیاں ٹرائے کے لوگوں پریام، ہیکٹر اور پیرس کے ساتھ ہیں۔ وہ ہیکٹر کو اپنے بھائیوں کی طرح چاہتی ہے اور جب وہ میدان جنگ میں اترتا ہے تو اس کی دعا ہے کہ وہ یونانیوں کو شکست فاش دے لیکن جب وہ اکلیز کے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو اس کی لاش پر وہ بھی بین کرتی نظر آتی ہے۔

بہر حال ہیلن جسے ٹرائے کے لوگ عجوبہ، خوبصورت بلا، فساد کی جڑ، مصیبت کا سبب، لڑائی کی وجہ، پیرس کا پاگل پن سمجھتے تھے، ایک بے وفا عورت تھی۔ جس نے اپنے خاوند سے بے وفائی کی اور دو ملکوں کے درمیان 20 سال کی طویل لڑائی کا سبب بنی۔ جس کے لئے ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور جو یونان کے لئے بدنامی کا باعث بنی۔ ہیلن کو اس چیز کا احساس تھا کہ اس کا گناہ آنے والی نسلوں کے لئے کہانی بنے گا اور لوگ اس پر لعنت بھیجیں گے۔ ہیلن کے علاوہ ایلیڈ کے تمام نسوانی کردار جاہ وجلال کی اعلیٰ ترین مثال ہیں اور ان میں سرفہرست انڈرومائیکی کا بھرپور کردار ہے۔

انڈرومائیکی ٹرائے کے شہزادے ہیکٹر کی بیوی ہے۔ وہ ایک وفاداری بیوی ہے اور اپنے شوہر کی

زندگی کے لئے اتنی ہی پریشان ہے جتنی ہیکٹر کی ماں اور اس کا بوڑھا باپ۔ ہیکٹر کی ماں اور باپ تو ہیکٹر کو اپنا بیٹا سمجھتے ہیں اور اس میں ایک ہی رشتہ تلاش کرتے ہیں لیکن انڈرومائیکی ہیکٹر کے وجود میں بیک وقت ماں، باپ، بہن، بھائی اور خاوند کے رشتوں کو دیکھتی ہے اور اس طرح ہیکٹر سے اس کا عشق چار رشتوں کے شدید جذبات سے بنا ہے۔ جب ہیکٹر اکلیز سے لڑنے کی تیاری کرتا ہے اور اپنی بیوی سے رخصت ہونا چاہتا ہے تو انڈرومائیکی کی بے تابی قابل دید ہے۔ وہ اسے اپنے ننھے بچے کا واسطہ دیتی ہے۔ اپنی بیوگی کا منظر یاد دلاتی ہے۔ اسے بتلاتی ہے کہ نہ میرا باپ ہے، نہ ماں، نہ بھائی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ اس لئے کہ تم میرے لئے بھائی، ماں، باپ اور خاوند کا درجہ رکھتے ہو۔ جذبات کے اظہار کا یہ انداز شاید ادب میں پہلی بار اس طرح ہوا ہے۔ غرض انڈرومائیکی اسے میدان جنگ کی طرف رخصت کرتی ہے۔ ہیکٹر اکلیز کے ہاتھوں مارا جاتا ہے اور انڈرومائیکی یونانیوں کے ظلم و ستم برداشت کرنے کے لئے زندہ رہتی ہے۔ یوری پیڈیز کے ڈرامے انڈرومائیکی میں یہ ساری تفصیل درج ہے۔

یوری پیڈیز نے انڈرومائیکی (Andromache) نامی ڈرامے کا سارا پلاٹ ٹرائے کی تباہی کے بعد انڈرومائیکی کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں وہ خود بتلاتی ہے کہ کس طرح ہیکٹر کو مارا گیا اور پھر کس طرح وہ اکلیز کے بیٹے Neoptolemus کی رکھیل بنی۔ اس کے پاس رہی اور کس طرح اس نے اپنے پیٹ سے اس کے بیٹے کو جنم دیا۔ یہ سارا کچھ اس نے ہمت سے برداشت کیا اور ہیکٹر کے ساتھ گزرے دنوں کو نہیں بھولی۔ اکلیز کے بیٹے کی شادی ہیلن کی بیٹی Hermion سے ہوئی تھی۔ وہ ہر وقت انڈرومائیکی کی تذلیل کرتی رہتی تھی۔ یوری پیڈیز نے اپنے ڈرامے میں انڈرومائیکی کے کردار کو ایک باہمت اور باحوصلہ کردار دکھایا ہے۔ جو مٹی میں مل کر بھی اپنے جوہر اور انا کو نہیں بھولی۔ وہ مصیبت کے دنوں کو اچھے دنوں کو یاد کر کے کاٹتی ہے۔ اپنی نوکرانی سے اپنی حالت زار بیان کر کے پوچھتی ہے کہ اب مجھ پر کون سا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔

> **Ah- kind companion of my bondage for such thou ant to her who earst they Queen is now sunk in misery what are they doing what new scheme are they devising in their eagerness to take away my wretched life.**

(یوری پیڈیز کے ڈرامے: اینڈرومائیکی سے اقتباس Page 849)

یوری پیڈیز نے اینڈرومائیکی اور ہیلن کی بیٹی (جو اس کی سوتن ہے) کی ذہنی اور عملی کشمکش کو اس ڈرامے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہومر نے جس کہانی کو ٹرائے پر ختم کر دیا تھا اسے یوری پیڈیز نے اپنے ڈرامے Andromache سے آگے بڑھایا ہے۔

ٹرائے کے نسوانی کرداروں میں دوسرا کردار ہیکٹر کی ماں اور پریام کی بیوی Hucaba کا ہے۔ پریام کے لئے اس نے 19 بچوں کو جنم دیا۔ ہیکٹر پیرس اور بیٹی کیسنڈرا (Cassandra) تینوں یونان کے ادب میں مشہور ہیں۔ کیسنڈرا کے علاوہ سب کے سب ٹرائے کی لڑائی میں مارے گئے۔ کیسنڈرا کو آگامم نان بیوی بنا کر یونان لے گیا۔ (اسکائی لیس کے ڈرامے "آگامم نان" کے مطابق اس کی بیوی کلائی ٹم نسٹرا نے جب آگامم نان کو قتل کیا تو اپنے عاشق کے ساتھ مل کر کیسنڈرا کو بھی قتل کر دیا تھا)۔ ٹرائے کی تباہی کے بعد جب عورتوں کی تقسیم ہوئی تو Hucaba بطور باندی اوڈی سی لیس کے حصے میں آئی اور یہ اس کے لئے بڑے کرب والم کا لمحہ تھا۔

اوڈی سی لیس کے سامنے آ کر وہ کہتی ہے میری بیٹیوں کو اکلیز کے مزار پر قربان نہ کر۔ لیکن اوڈی سی لیس مصر ہے۔ وہ اسے یاد دلاتی ہے کہ کس طرح وہ ایک بار ٹرائے میں جاسوسی کے لئے آیا تھا اور کس طرح میں نے تمہاری جان بچائی تھی لیکن اوڈی سی لیس پر کوئی بات کارگر نہیں ہوتی کیونکہ اس کے نزدیک مرے ہوئے دوستوں کے ساتھ کیا ہوا وعدہ زندہ لوگوں کے احسان سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ یوری پیڈیز کے مطابق جب یونانی ٹرائے سے واپس یونان آ رہے تھے تو طوفانی لہروں نے ان کے جہاز کو Thrace کے ساحلوں کی طرف دھکیل دیا۔ یہاں Hucaba کی بیٹی Polyxena کی قربانی دی گئی۔

ہومر کی ایلیڈ میں Hucaba کا کردار ایک اچھی بیوی اور ہمدردی کا کردار ہے۔ جو اپنی اولاد کی محبت میں ہر طرف ماری ماری پھرتی ہے۔ یوں تو اسے اپنے سارے بیٹے عزیز ہیں لیکن ہیکٹر اس کی آنکھ کا تارا ہے اور اسے احساس ہے کہ پیرس کے کئے کی سزا وہ بھگت رہا ہے۔ جب ہیکٹر اکلیز سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں جانے کی تیاری کرتا ہے تو Hucaba سراپا ممتا بن کر اسے جنگ میں جانے سے روکتی ہے۔ جب وہ نہیں مانتا اور جنگ میں چلا جاتا ہے تو ٹرائے کی دیواروں پر وہ جلتی اینٹوں پر بے تاب

دیتی ہے اور اوڈی سی لیس کی باندی بن جاتی ہے۔

Hecaba کے مقابلے میں اکلیز کی ماں سمندری دیویThetis کا کریکٹر ممتا کے روپ کی بہترین مثال ہے۔ ایلیڈ میں جتنے کردار رونما رہتے ہیں Thetis کا کردار ماں کے جذبات کی بہترین تصویر ہے۔ Thetis ایک سمندری دیوی تھی۔ اس نے ایک بادشاہ Peleus سے شادی کی اور اکلیز کو جنم دیا۔ وہ اکلیز کو بے حد پیار کرتی ہے اور میدان جنگ میں ہونے والی سرگرمیوں کی پل پل کی خبر رکھتی ہے۔ ایلیڈ کے شروع میں اکلیز جنگ میں شریک نہیں ہوتا لیکن جب اپنے دوست پیٹروکلس کی موت کے بعد اچانک جنگ میں جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کی ماں Thetis تڑپ اٹھتی ہے (کیونکہ دیوتاؤں کی پیشگوئی کے مطابق اکلیز کی موت ٹرائے کی جنگ میں ہونا تھی)۔ وہ غار سے نکل کر سیدھی ٹرائے کے میدان میں جاتی ہے اور اپنے بیٹے اکلیز کو میدان جنگ میں جانے سے روکتی ہے لیکن اکلیز دوست کے قتل کا انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔

I will not live nor go about among mankind unless Hector falls by my spear.

اکلیز کی ماں اس کی بات سن کر دیوتاؤں کی پیشگوئی کو اپنے کانوں میں گونجتا محسوس کرتی ہے اور اکلیز کی موت کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے (جب اکلیز پیدا ہوا تھا تو Thetis نے اسے ایڑی سے پکڑ کر زندگی کے دریا میں غوطہ دے دیا تھا۔ اکلیز کا سارا بدن زندگی کے پانی سے دھل گیا تھا۔ چنانچہ موت اور ہتھیار کا کوئی زخم اس پر کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن پانی اکلیز کی ایڑی کے اس حصے پر نہیں لگا تھا جہاں سے Thetis نے اسے پکڑ کر ڈبویا تھا۔ یہ راز ٹرائے کے لوگوں کو نہیں پتا تھا۔ چنانچہ ان کا کوئی زہریلا تیر اکلیز کو نہ مار سکا۔ لیکن پھر دیوتا پیرس کو یہ راز بتلاتے ہیں کہ تیر اکلیز کی ایڑی سے اس حصے پر مارو جہاں زندگی کا پانی نہیں لگا۔ چنانچہ پیرس تیر اسی جگہ مارتا ہے جو اکلیز کی کمزوری ہے اور اکلیز اسی زخم سے مرتا ہے۔ انگریزی کا محاورہ Achilles's' heel اسی سے بنا ہے)۔ اکلیز کی ماں اس کی یہ سن کر روتی ہے اور کہتی ہے۔

Then my son your end is near at hand for your

Thetis اپنے بیٹے کی بات سن کر کہتی ہے کہ تم اپنے دوست کا انتقام لینے جا رہے ہو ٹھیک ہے لیکن تمہارے جو ہتھیار پیٹروکلس لے کر جنگ میں گیا تھا وہ ہتھیار اب ہیکٹر کے پاس ہیں۔ تم کس سے لڑو گے، میں دیوتاؤں کے پاس جاتی ہوں اور Hephaestus سے التجا کرتی ہوں کہ وہ تمہارے لئے ہتھیار بنا دے۔ یہ کہہ کر وہ جاتی ہے اور بڑی منت سماجت کے بعد ہتھیار بنانے کے لئے دیوتا Hephaestus کو راضی کرتی ہے اور اپنے بیٹے کو لا کر دیتی ہے۔ اکلیز میدان جنگ میں ہیکٹر کو قتل کر کے اس کی لاش کو میدان جنگ میں اسی طرح ذلیل کرتا ہے جس طرح ہیکٹر نے اس کے دوست پیٹروکلس کی لاش کو کیا تھا۔ ٹرائے کے لوگوں کی آہ وزاری اور پریام اور اس کی بیوی کی اشکباری اس کے دل میں کوئی رحم پیدا نہیں کرتی۔ Zeus اور دوسرے دیوتا اکلیز کی اس حرکت سے ناخوش ہوتے ہیں اور اس کی ماں Sister footed Thetis کو بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا کر اپنے بیٹے کو بتلائے کہ وہ ہیکٹر کی لاش پریام کو واپس کر دے تاکہ وہ اپنی رسم و روایات کے مطابق اسے دفنا سکے۔ چنانچہ ماں بیٹے کے پاس آتی ہے اور اسے لاش واپس کرنے کے لئے کہتی ہے جو بیٹھا اپنے دوست کی یاد میں آنسو بہا رہا ہے۔

> My son how long will you keep on grieving and making moan. You are gnawing at your own heart and think neither of food nor of women's embrace and yet these too were will for you have no long time to live and death with the strong hands of fate are already close beside you. Now therefore heed what I say for I am a messenger from Zeus. He says that the gods are angry with you and himself more angry than them all in that you keep Hector at the ship and will not give him up. Therefore let him go and accept a ransom for his body.

اکلیز جو ہیکٹر کی لاش کو کتوں اور گدھوں کی نذر کرنا چاہتا تھا اور کسی صورت میں لاش کی واپسی پر آمادہ نہ تھا۔ ماں کی یہ بات سن کر بے بس ہو جاتا ہے اور ماں سے کہتا ہے کہ جاؤ جا کر پریام سے کہو کہ وہ

So be it if Olympian Zeus of his own motion thus command me let him that bring the ransom bear the body away. (Book 24, Page 374)

Thetis کا کردار اگرچہ سمندری دیوی کا ہے لیکن زمین پر بسنے والے انسانوں کے زیادہ قریب ہے۔ اس لڑائی میں سارے دیوتا کسی نہ کسی حوالے سے قابل نفرت حرکتوں کے مرتکب قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن Thetis کا واحد کردار ہے جو کسی منفی عمل میں حصہ نہیں لیتا۔ یہ مختصر مگر منفرد کردار کہانی میں ایک نا قابل فراموش تاثر چھوڑتا ہے۔

ایلیڈ کی کہانی میں ابھرنے والے دیوتاؤں کے کردار انسانوں سے ملتے جلتے کردار ہیں۔ ان کی عادات، رہن سہن، سوچنے کا انداز، نفرت اور دوستی کے جذبات سب کچھ انسانی ہے۔ وہ انسانوں کی طرح ایک دوسرے سے نفرت بھی کرتے ہیں اور دوستی بھی۔ ان کو بھوک بھی لگتی ہے اور جنس بھی ان کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت عورت کو دیکھتے ہیں، اس سے تعلقات استوار کرنے کے لئے بھیس بدل کر زمین پر اتر آتے ہیں۔ Zeus بھی کئی بار اس عمل کا مرتکب ہو چکا ہے۔ کیوپڈ اور سائیکی کی کہانی اس امر کا ثبوت ہے۔ اس طرح Zeus کی بیٹیاں انسانوں میں سے اپنی پسند کے مردوں اور بہادروں کے لئے بے تاب رہتی ہیں اور ان سے جنسی تعلقات قائم کرنے سے نہیں چوکتیں۔ سمندری دیوی Thetis نے اکلیز کے باپ سے شادی کی اور اکلیز کو پیدا کیا۔ ٹرائے کی لڑائی میں دیوتا تقسیم ہو گئے تھے۔ آدھے دیوتا ٹرائے کے لوگوں کی مدد میں مصروف تھے، آدھے یونانیوں کی مدد کر رہے تھے۔ وہ انسانوں کی طرح سازشیں کرتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں اور بعض اوقات انسانوں سے گری ہوئی حرکتوں میں ملوث ہوتے ہیں (افلاطون شاید اسی لئے شاعروں کے خلاف تھا کہ ان کے ہاں خداؤں کا تصور اسی طرح پیش کیا گیا کہ وہ خداؤں سے زیادہ کوئی مکار چیز نظر آتے ہیں اسی لئے وہ کہتا تھا کہ شاعری اخلاق پر برا اثر ڈالتی ہے)۔ ہومر کی دنیا میں دیوتا کھاتے ہیں۔ رات آنے پر سوتے بھی ہیں۔۔ ان کی حرکات انسانوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ہومر کی اس نظم میں اگرچہ ہم اس عہد کے انسانوں کے مذہبی نظریات کی تلاش کریں تو نظم کے حوالے سے سارا مذہبی تصور بچوں کا کھیل نظر آتا ہے۔ زمین پر بسنے والے انسان اوپر بیٹھے دیوتاؤں کے ہاتھوں میں کٹھ

دیوتاؤں کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ایڈی پس کے ہاتھوں باپ کا قتل کروا دیں اور ماں سے شادی کرا دیں۔ آگامم نان کو اس کی بیوی قتل کر دے اور باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے بیٹا ماں کو قتل کر دے اور پھر دیوتا اسے اس بات کی سزا بھی دے دیں جبکہ یہ سارا کچھ دیوتاؤں کا ہی کیا دھرا ہے۔ کیونکہ بقول اسکائی لیس ''یونانی المیہ میں انسان محض بے بس ہے۔ بعض اوقات پوتے کو اپنے دادا کے کئے ہوئے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔'' دیوتاؤں کے اس تصور کو پہلی بار یوری پیڈیز نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اپنے ڈراموں میں اس کا پرچار کیا ہے۔ اس نے یونانیوں کی ناراضگی کا خیال بغیر اعلان کر دیا کہ:

"If Gods do evil they are no Gods."

اسے اس پاداش میں یونان سے نکال دیا گیا اور پورے یونان میں اس کو بدنام کیا گیا لیکن وہ اپنے نظریات سے منحرف نہیں ہوا، حالانکہ اس سے پہلے آنے والے المیہ نگار اسکائی لیس کے ہاں مذہبی نظریہ تقریباً وہی ہے جو ہومر کے ہاں نظر آتا ہے لیکن یوری پیڈیز اس کا قائل نہیں۔ ہومر کی تحریروں کو اگر یونانیوں کی بائبل مان لیا جائے تو مذہب ایک کھیل سا نظر آتا ہے جس میں دیوتا انسانوں سے Hide and Seek کا کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں اور گناہوں میں وہ انسانوں سے زیادہ ملوث نظر آتے ہیں۔ دیوتاؤں کی خرمستیاں، سازشیں اور چالبازیاں دیکھ کر سب کچھ بچوں کا کھیل نظر آتا ہے اور بچے بھی ایسے جو اوائل عمری میں جنسی چالبازیاں سیکھ گئے ہوں۔ سقراط نے جس سچائی کی تلاش میں زندگی گزاری وہ تصور ہومر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ ہومر کا کوئی کردار اور فکری طور پر اس رائے پر گامزن نظر نہیں آتا۔ سقراط نے سچائی کی تلاش کی اور اس نظریے پر پہنچا۔

ہومر نے اپنے پرکھوں کی کہانیاں اپنے کھوئے ہوئے ورثے سے نکالیں۔ ان کی سوچ اور فکر کو کرداروں کی زبان بنا دیا۔ وہ جس طرح رہتے تھے، لڑتے تھے سوچتے تھے۔ ہومر نے اس سے اپنی دنیا سجائی۔ ان کے جو مذہبی عقائد تھے، رسم و رواج تھے ان کو اپنے کرداروں کے حوالے سے پیش کر دیا۔ مشہور یونانی محقق خاتون Edith Hamilton اپنی مشہور کتاب The Greek Way میں اس بات کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے:

Homer was not the Greek bible he was the representative and spokesman of Greek.

اس کے بعد آنے والے لوگوں نے اس کی تحریروں پر انحصار کیا۔ اس کو بنیاد بنا کر اپنے نظریات اور تحریروں کی بنیاد رکھی۔ ہومر یونانی تھا اور افلاطون جیسا فلاسفر جو شاعر اور شاعری دونوں کے خلاف تھا، ہومر کی عزت و تکریم کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

I have always from my earliest years had an awe of Homer and a love for him which even now (when he is about to criticize him) make the words alter on my lips. He is the great leader and teacher.

ہومر کی ایلیڈ میں مذہب کا جو بھی نظریہ فکری اور عملی طور پر کرداروں کے حوالے سے دکھائی دیتا ہے اسے بعد میں آنے والے دانشوروں نے چاہے تنقید کا نشانہ بنایا ہو، اسے رد کیا ہو، لیکن اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ ہومر کے عہد کا نظریہ تھا۔ لوگ اس پر عمل پیرا تھے اور ہومر نے جوں کا توں اپنی تحریروں میں پیش کر دیا۔ لیکن اس میں صرف ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ Zues کا کردار جو ایلیڈ میں انتقامی اور سازشی نظر آتا ہے، دوسری طویل نظم اوڈی سی میں وہ کردار ایک انسان دوست کردار نظر آتا ہے اور غریبوں کے محافظ کے روپ میں ابھرتا ہے۔ ہومر نے انسانوں کے کردار تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ جانوروں کے بھی یادگار کردار تخلیق کیے ہیں۔ جانوروں میں گھوڑے اس کی خاص پسند ہیں (اوڈی سی میں کتے کا کردار اس کا پسندیدہ ہے۔ خاص طور پر جب اوڈی سی ایس فقیر کے بھیس میں اپنے گھر واپس آتا ہے اور اس کا بیمار کتا جو مرنے کے قریب ہے اپنے پرانے مالک کی آواز سن کر جس طرح سر اٹھاتا ہے۔ مالک سے اس کی وفاداری کی بے نظیر مثال ہے۔ اس سین کی تفصیل آئے اوڈی سی کے حوالے سے بیان کی جائے گی)۔ ہومر نے ایلیڈ میں اکلیز اور پیٹروکلس کے گھوڑوں میں انسانی صفات کی نشاندہی کی ہے۔ ہومر کی نظر میں یہ ہوا سے باتیں کرنے والا جانور مالک کا وفادار ہے۔ سارا دن میدان جنگ میں مالک کی Chariots کھینچتا ہے۔ سارا دن تھک تھکا کر کیمپ میں واپس آتا ہے۔ اپنے تھان پر ساری رات صبح کا انتظار کرتا ہے اور پھر مالک کو لے کر دوسرے دن کی جنگ کا آغاز کرتا ہے۔ ہیکٹر اور اکلیز اپنے گھوڑوں کو

نام لے کر بلاتے ہیں انہیں اپنا دوست اور ساتھی سمجھتے ہیں۔ پیٹروکلس جب قتل ہو کر میدان جنگ میں پڑا ہے اس وقت اس کے دونوں گھوڑے جو اکلیز نے اسے دیئے تھے، آنکھوں میں آنسو لے کر اس کی لاش پر کھڑے رہتے ہیں۔ آسمان کے دیوتا بھی یہ منظر دیکھ کر اپنے دلوں پر قابو نہیں رکھ سکے۔

ہومر کے نقاد اوڈی سی اور ایلیڈ کا جب تاریخی حوالوں سے جائزہ لیتے ہیں تو وہ اوڈی سی کو اوڈی سی لیس کی 10 سالہ جہاں گردی کی داستان قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ داستان ساری کی ساری فکشن ہے لیکن ایلیڈ کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی اور بنیادی طور پر حقیقت پر مبنی کہانی ہے۔ داستان کی تفصیل کو افسانوی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک بنیادی کرداروں کا تعلق ہے یہ سچے ہیں۔ مواد، سوشل اور سیاسی پس منظر کو شک کی نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ 1200 قبل مسیح میں ٹرائے کا محاصرہ کیا گیا تھا اور یہ طویل لڑائی لڑی گئی تھی اور جن میں جن کرداروں کا نام ہومر نے اپنی نظم میں لیا ہے وہ اس لڑائی میں شامل تھے۔

مشہور تاریخ دان Hittit اور Linear-B کی تصدیق شدہ تحقیق کے مطابق اور Blegen کی کھدائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹرائے کا شہر تھا اور یہ جنگ وہاں لڑی گئی تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی میں یونانی زبان کے پروفیسر Deny Page نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

> **We have good reason to believe that the names of the principal Homerie heroes Priam and Hector and Achilles and Patroclus and Ajax are the actual names of men who toock leading parts in the fighting in Asia minor at that time.**
>
> (The Greek World - Page 18, Edited by Hugh Lioyd Jones)

ہومر کی ایلیڈ کا اسلوب، زبان، ثقافتی، سیاسی اور تاریخی جائزہ آگے تفصیل سے کتاب کے آخری حصے میں کیا گیا ہے۔

THE ODYSSEY

ہومر کا دوسرا عظیم شاہکار Odyssey ہے جس کا مرکزی کردار اوڈی سی لیس ہے جو ایلیڈ میں ایک اہم کردار تھا۔ ایلیڈ ٹرائے کی لڑائی کی روداد تھی۔ اوڈی سی، اوڈی سی لیس کی دربدری کی داستان ہے۔ ٹرائے کی لڑائی سے تمام نامور ہیروز یا مر چکے ہیں یا اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے گئے ہیں۔ میلینس ہیلن کے ساتھ سپارٹا میں پرسکون زندگی گزار رہا ہے۔ آگامم نان واپس آرگس آیا اور اپنی بیوی کلائی ٹم نسٹر کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ کلائی ٹم نسٹر، اپنے بیٹے کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچ چکی ہے۔ اکلیز اور پٹروکلس اور اجکس میدان جنگ میں کام آ چکے ہیں۔ Nestor اپنے گھر میں سکون کے دن گزار رہا ہے۔ صرف اوڈی سی لیس کا کچھ پتا نہیں۔ دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اس کی بیوی پینی لوپی (Penelope) اور اس کا بیٹا Telemachus (جسے وہ ایک سال کا چھوڑ کر گیا تھا) دونوں اس کے انتظار میں پریشان ہیں۔ Ithaca اور Same کے سردار اور شہزادے اوڈی سیس کے گھر ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ پینی لوپی کسی ایک کو اپنا خاوند منتخب کرے۔ اوڈی سی لیس کا بیٹا پریشان ہے لیکن اوڈی سی لیس کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ یہ کتاب اوڈی سی لیس کے مصائب، سمندری سفر اور مختلف جزائر میں اس کے قیام، اس کے گھر میں شادی کے امیدواروں کی دھما چوکڑی، اس کے بیٹے کا مختلف جگہوں پر جا کر باپ کا پتہ کرنا اور آخر میں اوڈی سی لیس کی فقیر کے روپ میں گھر واپسی، دشمنوں کا قتل کرنا اور بیوی سے ملاپ کے واقعات کی داستان ہے۔

ہومر کے نقادوں نے اسے ہومر کے بڑھاپے کی تصنیف قرار دیا ہے۔ ''ایلیڈ'' ایک جوان ہیرو کے غصے کی داستان ہے۔ اوڈی سی ایک ادھیڑ عمر شخص کے مصائب کی داستان ہے۔ اس داستان کو تاریخ دانوں اور آرکیالوجی کے ماہرین نے ہومر کی خیالی داستان قرار دیا ہے۔ جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہومر کے ایک مترجم Samuel Butler نے تو ایک مضمون The Authoress of Odyssey میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ داستان سرے سے ہومر کی ہے ہی نہیں بلکہ اسے Trapani کی نوجوان خاتون نے لکھا ہے جس کا نام Nausica تھا۔ لیکن مضمون نگار کے سارے ثبوت شک کی نظر سے دیکھے گئے ہیں جو ہومر کے بہت بعد کے لوگوں سے لئے گئے ہیں۔ افلاطون، ارسطو اور دوسرے قریبی یونانی المیہ نگاروں نے ان دو نظموں کو ہومر کی ملکیت تصور کیا ہے۔ ہومر کے وہ نقاد جو ان نظموں پر ہومر کی ملکیت سے اعتراض کرتے ہیں ان کا اعتراض بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کہیں کہیں اسلوب میں یکسانیت مفقود ہے جس کا جواب دوسرے گروہ نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ طبعی نظم میں شاعر کہیں کہیں اونگھ جاتا ہے اس لئے:

Homer sleeps some time.

ہومر کی موت کے تقریباً سو سال بعد بہت سے شاعروں نے ہومر کی طرز پر اوڈی سی اور ایلیڈ کے مختلف 6 نسخے لکھے۔ جن کا نفس مضمون اور کرداروں کا تانا بانا ہومر ہی کی طرز کا تھا۔ یہ نسخے چند سال تک پڑھے گئے اور زندہ رہے۔ یہ شرف ہومر اور اس کی دو عظیم نظموں کو تھا جو زندہ رہیں اور آج تک زندہ ہیں۔ سکندر اعظم کے زمانے میں انہیں مرتب کیا گیا اور ان نظموں کی کاپیاں گیارہویں صدی عیسوی میں ملیں جو فلورنس کے ایک خاندان Medici کے پاس تھیں۔ ان کاپیوں کو مشہور دانشور مائیکل انجلو (Michel Anglo) نے ڈیزائن کیا ہے اور یہ لائبریری Laurentian میں اب بھی محفوظ ہیں۔ احیائے علوم کے عہد میں یونانی زبان سے دلچسپی بڑھی تو یہ مسودے چودھویں صدی عیسوی میں اٹلی لائے گئے لیکن ہومر دوسرے عظیم شاعروں کی لاعلمی کی گرد میں چھپا رہا۔ ٹرائے اور اوڈی سیس کی کہانی ٹکڑوں کی صورت میں ورجل (Virgil) اور دوسرے اطالوی شاعروں کے ہاں ملتی رہی۔ ہومر اپنے مضبوط اور عالمگیر صورت میں اس وقت سامنے آیا جب 1488 میں ایلیڈ اور اوڈی سی فلورنس میں شائع ہوئیں اور پھر مغرب کا دروازہ ہومر پر کھل گیا۔ اس کے (Cyclope) Circe اکلیز (Achilles) Ajax، ہیلن

(Hellen)، Lotus eaters زبان زدعام ہو گئے۔ اس زمانے کے مصنفین نے اس سے فیض حاصل کیا بلکہ جدید لکھنے والے بھی اس سے نہ بچ سکے۔ جیمز جوائس نے Ulysses نام کی ناول لکھی جس کا بیک گراؤنڈ ڈبلن کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آج کے Odyssesus کی کہانی ہے۔

ایلیڈ کی طرح اوڈی سی (Odyssey) کو بھی 24 چھوٹی چھوٹی کتابوں یعنی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

1- دیوتا فیصلہ کرتے ہیں کہ اوڈی سی لیس کو اب گھر جانا چاہئے اور وہ Athena دیوی کو اوڈی سی لیس کے بیٹے کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ دشمنوں سے نہ گھبرائے اور ادھر ادھر جا کر اپنے باپ کا پتہ کرے۔

2- اوڈی سی لیس کا بیٹا Telemache اپنی ماں کے ساتھ شادی کے امیدواروں کو اکٹھا کر کے کہتا ہے کہ میرا گھر خالی کر دو اور پھر چپکے سے سپارٹا ہیلن کے خاوند کے پاس جاتا ہے کہ اپنے باپ کا پتہ کرے۔

3- راستے میں وہ Nestor کے پاس رکتا ہے کیونکہ یہ ٹرائے کی لڑائی میں شامل تھا۔ اس کے بیٹے کو ساتھ لے کر وہ میلینس کے پاس جاتا ہے۔

4- میلینس اور ہیلن اس کا استقبال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا باپ ضرور زندہ ہوگا۔ Ithaca میں شادی کے امیدوار پلان بناتے ہیں کہ جب Telemacha واپس آئے تو اسے ختم کر دیا جائے۔

5- Zeus دیوتا ہرمس (Hermes) کو جزیرہ Ogygia میں بھیجتا ہے کہ سمندری دیوی Calypso کو کہے کہ وہ اب اوڈی سیس کو جانے دے جو سات سال سے وہاں تھا اور جسے دیوی لافانی بنا کر رکھنا چاہتی تھی چنانچہ لکڑی کے ایک تختے پر اوڈی سیس روانہ ہوتا ہے اور Scheria پہنچتا ہے۔

6- تھکا ہارا اوڈی سیس سو جاتا ہے۔ شہزادی Nausica اور اس کی باندیوں کی آواز پر چونکتا ہے اور پھر شہزادی کے ساتھ اس کے گھر چلا جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات بادشاہ Alcinous

سے ہوتی ہے۔

-7 بادشاہ Alcinous اور ملکہ Arete اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے حفاظت سے گھر پہنچانے کا یقین دلاتے ہیں۔

-8 بادشاہ اس کے اعزاز میں ایک دعوت دیتا ہے جس میں ایک گویا ٹرائے کی کہانی گا کر سناتا ہے جس میں اکلیز، اتجکس اور اوڈی سی لیس کا ذکر ہے۔ اوڈی سی لیس منہ چھپا کر روتا ہے۔

-9 اوڈی سی لیس اپنا تعارف کرواتا ہے اور پھر اپنی مہمات کی کہانی شروع کرتا ہے۔ Lotus-eater کی کہانی سناتا ہے اور Cyclopes Polyphemus سے بچ نکلنے کی کہانی سناتا ہے۔

-10 اس حصے میں اوڈی سی لیس اپنا تعارف کراتا ہے۔ ٹرائے سے لے کر Circe کے جزیرے تک کی کہانی سناتا ہے جہاں وہ ایک سال تک رہا۔

-11 Circe کے کہنے پر وہ Hades کے سفر پر جاتا ہے جہاں ٹرائے کے تمام لوگوں سے ملتا ہے جو لڑے اور اپنی ماں کے بھوت سے باتیں کرتا ہے۔

-12 Circe کے پاس چل کر وہ اپنے سفر کی روئیداد بتلاتا ہے اور پھر کس طرح اس کے آدمیوں نے سورج کے دیوتا کے ریوڑ کو ذبح کیا اور Zeus نے اسے Calypso کے جزیرے پر پہنچایا جہاں اس نے سات سال قید کاٹی۔

-13 یہاں اس کی کہانی ختم ہوتی ہے۔ بادشاہ Alcinous اور ملکہ اسے بہت سے تحائف دے کر اپنے آدمیوں کے ساتھ اسے Ithaca روانہ کرتے ہیں وہ اپنے علاقے کے ساحل پر جاتا ہے، سو جاتا ہے۔ دیوی Athena آتی ہے اور اسے فقیر کا بھیس بدلنے کے لئے کہتی ہے تا کہ اس کے دشمن اسے پہچان نہ سکیں۔

-14 اوڈی سی لیس ایک جھونپڑی میں رات گزارتا ہے اور اپنے گھر کی خبریں حاصل کرتا ہے۔

-15 Telemache میلینس اور ہیلن سے رخصتی لے کر Ithaca آتا ہے اور خطرہ محسوس کر کے اسی جھونپڑی میں آتا ہے جو Eumaeus کی ہے جس میں فقیر کے بھیس میں اوڈی سی لیس

ٹھہرا ہوا ہے۔

-16 Telemache جھونپڑی کے مالک Eumaeaus کو اپنے گھر اپنی ماں کے پاس بھیجتا ہے اور خبریں لانے کے لئے کہتا ہے۔ اوڈی سی لیس یہاں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے شادی کے امیدواروں کو Telemache کے آنے کی خبر مل جاتی ہے وہ اسے قتل کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔

-17 Telemache گھر واپس آتا ہے اوڈی سی لیس فقیر کے بھیس میں ہے ماں بیٹے کا استقبال کرتی ہے شادی کا امیدوار Antinous اوڈی سی لیس کو برا بھلا کہتا ہے۔

-18 اوڈی سی لیس سے تمام امیدوار بدسلوکی سے پیش آتے ہیں۔ Telemache ان کو اس سلوک پر برا بھلا کہتا ہے۔

-19 پنی لوپی (Penelope) بغیر پہچانے اوڈی سی لیس سے بات چیت کرتی ہے۔ وہ اسے یقین دلاتا ہے کہ اوڈی سی لیس ضرور واپس آئے گا۔ گھر کی پرانی بوڑھی دایہ رسم کے مطابق اوڈی سی لیس کے پاؤں دھوتی ہے اور اس کے پیر پر زخم کا نشان دیکھتی ہے جو بچپن میں بھی تھا لیکن وہ اس کی شناخت کو ظاہر نہیں کرتی۔

-20 صبح سویرے اوڈی سی لیس کو Zeus کی طرف سے خوشخبری ملتی ہے کہ تمہارے سارے دشمن ختم ہو جائیں گے امیدوار اس کی دوبارہ بے عزتی کرتے ہیں۔

-21 پنی لوپی اوڈی سی لیس کی کمان اٹھا کر امیدواروں کے سامنے لاتی ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اسے ختم نہیں کر سکتا۔ فقیر کے روپ میں اوڈی سی لیس اسے ختم کرتا ہے تمام امیدوار اداس کرتے ہیں۔

-22 Eumaeus کی مدد سے اوڈی سی لیس اور Telemache امیدواروں کا خاتمہ کرنا شروع کرتے ہیں۔ امیدوار ختم ہو جاتے ہیں اور سازشی نوکرانی کو پھانسی لگا دی جاتی ہے۔

-23 اوڈی سی لیس کی موجودگی میں پنی لوپی کو خبر سنائی جاتی ہے وہ خوش ہو کر اپنے خاوند سے بغل گیر ہوتی ہے اور اس سے اس کی کہانی سنتی ہے۔

-24 امیدواروں کی روحیں Hades میں اکٹھی ہوتی ہیں اوڈی سی لیس اپنے باپ کو ملنے جاتا ہے

مقتولین کے ورثا اوڈی سی لیس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں لیکن دیوی Athene سارے معاملات نمٹا دیتی ہے اور امن بحال ہو جاتا ہے۔

اوڈی سی (Odysses) کا آغاز دیوتاؤں کی کانفرنس سے ہوتا ہے جس میں اوڈی سی لیس کی مہربان دیوی اپنے باپ Zeus سے کہتی ہے کہ میرا دل اس کے لئے ہی روتا ہے جو اپنے گھر سے دور سمندری دیوی Calypso کی غار میں سات سال سے اپنے بیوی بچوں کے لئے بے تاب ہے۔ کیا آپ اسے فراموش کر چکے ہیں۔ Zeus بیٹی کی بات سن کر جواب دیتا ہے۔

My child what are you talking about. How can I forget Odysseyus than whom there is no more capable man on earth.

Ogygian کے جزیرے پر سات سال کی سزا اسے اس لئے دی گئی تھی کہ اس نے Poseidon دیوتا کے بیٹے پولی فیمس (Polyphemas) جو کہ سائیکلوپیس کا بادشاہ تھا کو ایک آنکھ سے اندھا کر دیا تھا۔ Zeus کہتا ہے کہ میں ہرمز کو جزیرے پر بھیجتا ہوں کہ سمندری دیوی اوڈی سی لیس کا خیال دل سے نکال دے اور اسے گھر جانے دے۔ وہ Athene کو اوڈی سی لیس کے گھر روانہ کرتا ہے کہ وہ اس کے بیٹے Telemache کو جا کر تسلی دے جو دشمنوں میں اکیلا گھرا ہوا ہے۔

Ithaca میں کیفیت یہ ہے کہ اردگرد کے مقامی سردار، شہزادے اور بادشاہ اوڈی سی لیس کے گھر ڈیرہ جما کر بیٹھے ہیں اور اس کی بیوی سے کہہ رہے ہیں کہ وہ کسی اور کا انتخاب کرے اور شادی کر لے کیونکہ اب اوڈی سی لیس کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔ وہ سب کے سب اس کے مہمان ہیں اور ریوڑ کو رات دن خوراک بنا رہے ہیں۔ اوڈی سی لیس کا بیٹا اور بیوی پریشان ہیں اس لئے کہ اس کے مرنے یا زندہ ہونے کی کوئی اطلاع نہیں اور اوڈی سی لیس کی بیوی پینی لوپی شادی پر رضامند نہیں وہ ان سے بہانہ بناتی ہے کہ میں اپنے سسر کے لئے اون کی شال بن رہی ہوں جب یہ مکمل ہو جائے گی تو میں شادی کے لئے کسی ایک کا انتخاب کر لوں گی وہ اس کام کے لئے ایک کھڑکی میں بیٹھ جاتی ہے اور شال بننے میں مصروف ہے لیکن چال وہ یہ چلتی ہے کہ رات کے وقت دن کی بنی ہوئی شال ادھیڑ دیتی ہے۔ اس بات کا صرف ایک نوکرانی کو علم ہے جو بعد میں تمام امیدواروں کو بتلا دیتی ہے۔ اس بات پر بڑا فساد کھڑا ہوتا ہے لیکن

Telemache اپنی فراست سے سنبھال لیتا ہے۔ دیوی Athene جب ایک مرد کے روپ میں اوڈی سی لیس کے گھر آتی ہے تو تمام امیدوار کھانے کی میز پر ہیں وہ Telemache کو ایک طرف جا کر تسلی دیتی ہے اور اسے چپکے سے سفر کرنے کے لئے کہتی ہے اور مشورہ دیتی ہے کہ وہ سپارٹا میں جا کر ہیلن اور اس کے خاوند میلینس سے اوڈی سی لیس کے بارے میں پتہ کرے۔ Telemache کو اس مرد سے دیوتاؤں کی خوشبو آتی ہے اور پھر صرف اپنی پرانی خادمہ کو بتلا کر وہ سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ Nestor کا جزیرہ راستے میں پڑتا تھا۔ وہ پہلے اس سے ملتا ہے کیونکہ یہ بھی ٹرائے کی لڑائی میں شامل تھا۔ اس سے ناامید ہو کر وہ اس کے لڑکے کو لے کر ہیلن کے محل میں جاتا ہے۔ میلینس اور ہیلن اس کا استقبال کرتے ہیں اور ہیلن کو اس کی شکل میں اوڈی سی لیس کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہیلن اور میلینس اس کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کرتے اور ان پلیٹوں میں کھانا دیتے ہیں جو آسمانی دیوتا نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہیں۔

ہومر نے اوڈی سی کے پلاٹ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ Telemache کا سپارٹا کی طرف سفر۔ دوسرا حصہ Ithaca میں اوڈی سی لیس کا گھر اور تیسرا حصہ اوڈی سی لیس کا سفر۔ ہومر باری باری قارئین کو ان تین حصوں سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ Telemache کو ہیلن کے محل میں چھوڑ کر ہومر قارئین کو اس غار میں لے جاتا ہے جہاں اوڈی سی لیس قید ہے۔ Zeus کا بھیجا ہوا پیغام بر یعنی دیوتا ہرمز (Hermes) سمندری دیوی کو آ کر پیغام دیتا ہے کہ Zeus کی خواہش ہے کہ وہ اوڈی سی لیس کو آزاد کر دے اور اپنے گھر کی طرف جانے دے۔ سمندری دیوی Calypso اس بات سے ناخوش دکھائی دیتی ہے اور کہتی ہے۔

> **Your Gods ought to be ashamed of yourself. You are always jealous and hate seeing a Goddes take a fancy to a mortal man and live with him in open matrimony.**

سمندری دیوی اس چکر میں تھی کہ اوڈی سی لیس کو لافانی بنا دے تاکہ وہ کسی طرح بوڑھا نہ ہو اور پھر اسے اپنے پاس رکھے لیکن Zeus کے حکم کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ اوڈی سی لیس کو روانہ

کرنے پر راضی ہو گئی۔ اوڈی سی یس لکڑیوں کا ایک Raft بنا کر سمندری سفر پر روانہ ہو گیا لیکن دیوتا Poseidon نے جب اسے سمندری لہروں پر سفر کرتے دیکھا تو وہ پھر جلال میں آ گیا اور ایک ایسا طوفان برپا کیا کہ اوڈی سی یس سنبھل نہ سکا اور لہریں اسے اٹھا کر کہیں کی کہیں لے گئیں۔ اس مصیبت کے موقعے پر Athene پھر کام آئی اور اس نے اسے Alcinous بادشاہ کے جزیرے پر پہنچا دیا جو King of the phaeaciors کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بیٹی Nausicaa اسے محل میں لے گئی جہاں بادشاہ اور ملکہ Arete نے اسے بڑے احترام سے رکھا۔ اس کے اعزاز میں ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا جس میں ایک مشہور گویا Demodocus ٹرائے کے بہادر جرنیلوں کی کہانی سناتا ہے۔ اس کہانی میں آگامم نان، اکلیز اور خود اپنا ذکر سن کر اوڈی سی یس منہ چھپا کر رونے لگتا ہے۔

کھیل کے میدان میں اس کے جوہر دیکھ کر بادشاہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم ہم سے کچھ چھپا رہے ہو۔ بتلاؤ تم کون ہو؟ یہاں اوڈی سی یس اپنا تعارف کراتا ہے۔ بادشاہ اس کے لئے جہاز بنانے کی تیاری کا حکم دیتا ہے اور اس کے لئے تحفے تحائف جمع کئے جاتے ہیں۔ آدمیوں کا Crew تیار کیا جاتا ہے جو اسے حفاظت سے Ithace پہنچانے کا کام سرانجام دیں گے۔ پھر بڑے ہال میں سارے لوگوں کے سامنے اوڈی سی یس اپنا تعارف اور اپنی درد بھری کہانی سناتا ہے۔ کتاب نمبر 9 سے لے کر کتاب نمبر 13 تک اوڈی سی یس کی روداد درج ہے۔ اس میں ٹرائے سے جنگ کے بعد روانگی، سمندری سفر، سائیکلوپس کو اندھا کرنے کا واقعہ، Circe کے ساتھ ایک سال کا قیام، پھر Hades کا سفر اور پھر سمندری سفر اور سمندری دیوتا پوزیڈن کا غصہ اور طوفان میں اوڈی سی یس کا جہاز تباہ ہونا اور سمندری دیوی Calypso کے جزیرے میں سات سال قید اور پھر Alcinous بادشاہ کے جزیرے میں آمد تک کی روداد درج ہے۔ یہاں اوڈی سی یس اپنی کہانی ختم کرتا ہے اور پھر دوسرے دن بادشاہ تحفے تحائف دے کر رخصت کرتا ہے۔

اوڈی سی یس کا یہ سفر امن سے گزرتا ہے۔ اس کی مہربان دیوی Athene اسے مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے اصلی روپ میں Ithaca نہ جائے بلکہ فقیر کا بھیس بدل کر جائے چنانچہ اوڈی سی یس Ithaca کے ساحل پر فقیر کے بھیس میں اترتا ہے اور اپنے باپ اور بیٹے Telemache کے ملازم Eumaeus کی جھونپڑی میں رات گزارنے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ ادھر Athene دیوی سپارٹا میں جا

کر Telemache کو جلد گھر چلنے کے لئے کہتی ہے۔ چنانچہ بیٹا بھی ہیلن سے رخصت ہو کر اپنے جزیرے میں واپس آتا ہے اور اسی جھونپڑی میں آتا ہے جہاں اس کا باپ اوڈی سی لیس فقیر کے بھیس میں رات گزار رہا ہے۔ نوکر اپنے مالک کے احترام میں کھڑا ہوتا ہے۔ بیٹا باپ کو نہیں پہچانتا لیکن باپ پہچان لیتا ہے۔ وہ اپنی اصلیت چھپاتا ہے۔ دیوی کے کہنے پر وہ اپنے بیٹے کو اپنا نام بتلاتا ہے۔ دونوں باپ بیٹا ملتے ہیں اور بڑی دانشمندی اور بہادری سے گھر جا کر دشمنوں کا خاتمہ کرتے ہیں۔ پینی لوپی بڑے ڈرامائی انداز میں اپنے خاوند کو ملتی ہے اور اس طرح 20 برس کے بعد اوڈی سی لیس اپنے گھر آ کر سکھ کا سانس لیتا ہے۔

ہومر کی یہ نظم ایلیڈ کی طرح ایک عظیم Epic تصور کی جاتی ہے جس میں یونانیوں کی بہادری کا تذکرہ بار بار آتا ہے لیکن ہومر کے نقاد ایلیڈ کے مقابلے میں اسے ہومر کا چھوٹا کارنامہ قرار دیتے ہیں اور اس میں Unity اور Composition کے فقدان کا گلہ کرتے ہیں اگرچہ یہ بات ہومر پر تنقید کرتے ہوئے ارسطو نے بھی کہی تھی مگر جدید نقاد اس پر شدت سے زور دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک تو یہ نظم ہومر کی ہے ہی نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ بات وہ کیوں کہتے ہیں۔ ہومر کی یہ نظم ایلیڈ سے ذرا ہٹ کر لکھی گئی ہے اس میں ہومر کا Method ذرا مختلف ہے اور اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ ہومر کی اوڈی سی کے واقعات دس سال کے عرصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ٹرائے سے رخصتی سے شروع ہوتی ہے اور Ithaca میں پینی لوپی کے امیدواروں کی سزا پر ختم ہوتی ہے۔ اوڈی سی لیس ایک سال Circe کے ساتھ گزارتا ہے اور سات سال Calypso کے ساتھ رہتا ہے۔ باقی عرصہ سمندری سفر اور مختلف مقامات پر پڑاؤ کا عرصہ ہے لیکن اچانک ہومر اوڈی سی لیس کو Calypso سے رخصت کر کے اسے Phaecians کے باسیوں میں بٹھا دیتا ہے اور ہیرو خود اپنی روداد سنانے لگتا ہے۔ دیوتاؤں کی کانفرنس سے لے کر (جو پہلی کتاب میں ہوتی ہے) پینی لوپی سے ملاقات تک (جو کتاب نمبر 23 میں ہوتی ہے) کا عرصہ کل چالیس دنوں کا ہے۔ اس کے علاوہ اوڈی سی لیس کے بیٹے ٹیلی ماکس Telemache کا سپارٹا کی طرف سفر (جو پہلی چار کتابوں پر مبنی ہے) نقادوں کے نزدیک نظم کی Unity کو ضعف پہنچاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب میں نہ بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل قصہ تو وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں اوڈی سی لیس اپنی کہانی اپنی زبانی بادشاہ

اور ملکہ کو سناتا ہے۔ Nestor اور میلینس سے Telemache کی ملاقات، سفر، ہیلن سے مکالمہ اصل قصے کے تاثر کو بار بار توڑتا ہے اور کہانی کے موڈ اور Unity کو مجروح کرتا ہے۔ ایلیڈ میں پلاٹ کی جو گرفت ہے وہ اوڈی سی میں نہیں۔ اس کی وجہ نقادوں کے نزدیک یہ ہے کہ اوڈی سی ہومر کے بڑھاپے کی تخلیق ہے اور وہ اس میں ایلیڈ کے پلاٹ اور Unity کو قائم نہ رکھ سکا۔ سکندریہ عہد کے کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ ایلیڈ اور اوڈی سی کے کچھ حصے بعد میں شامل کئے گئے ہیں اور کچھ انتہا پسند نقادوں کا (جو ہومر کے عہد کے قریب ترین تھے اور جنہیں Separators کہا جاتا تھا) خیال ہے کہ اوڈی سی سرے سے ہومر کی تخلیق ہی نہیں لیکن ان خیالوں کو افلاطون اور ارسطو کی آراہ کو سامنے رکھ کر رد کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں ہومر کو ایلیڈ اور اوڈی سی کا خالق تسلیم کرتے ہیں۔ جدید نقادوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ ہومر نے جس طرح سمندروں کے سفر، جزیروں اور پہاڑوں کی تفاصیل بیان کی ہیں، یہ ایک اندھے کا کارنامہ قطعی طور پر نہیں ہو سکتا۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ایک اندھا آدمی بغیر دیکھے یہ سب کچھ تحریر میں نہیں لا سکتا۔ اس اعتراض کا جواب Ancient Greek Civilization کے مرتبین نے یونانی روایت کو سامنے رکھ کر دیا ہے کہ یونانیوں کے مطابق اندھا آنکھوں والوں سے زیادہ Vision کا مالک ہوتا ہے۔

> **The ancient Greek attributes super natural powers to blindness. The blind could see the invisible and foretell the future.**
>
> **(Page 244)**

چند ایک نقادوں کو چھوڑ کر باقی اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں نظمیں ہومر کی ہیں۔ اوڈی سی کے پلاٹ پر اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اسے ہومر کے علاوہ کسی اور کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہومر کا یہ شاہکار کردار نگاری، مشاہدہ، اسلوب اور زندگی کے بھرپور تجربے کی بنا پر ایک نا قابل فراموش شاہکار ہے اگرچہ اس میں میدان جنگ کے نا قابل فراموش معرکے ہرگز نہیں لیکن یہ زندگی کے لافانی رشتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں ہومر نے انسانی نفسیات اور جذبوں کے ایسے عجیب وغریب بھنور سے قاری کو گزارا ہے کہ وہ اپنے دل کی دھڑکن پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ سمندری دیوی اور سائیکلوپس اور Circe کے ساتھ اوڈی سی لیس کے معاملات کو اگر رد بھی کر دیا جائے تو Ithace میں وقوع پذیر ہونے

والے واقعات انسانی زندگی کی ایک بھرپور تصویر پیش کرتے ہیں۔

پینی لوپی Penelope کو اپنے خاوند سے بچھڑے 20 سال کا عرصہ گزر چکا ہے وہ یہ دن کیسے گزار رہی ہے اور کن کن مصائب سے نبرد آزما ہے۔ ہومر نے اس کی بڑی عمدہ تصویر کشی کی ہے اس کا کردار ادب عالیہ میں ایک منفرد کردار ہے۔ ایک طرف اسے یہ خوف ہے کہ شادی کیلئے آئے ہوئے کچھ طلب گار اس کے بیٹے کو ختم نہ کریں۔ دوسری طرف اسے اوڈی سی لیس کے آنے کا انتظار ہے۔ پینی لوپی کا 20 سال اپنے خاوند کا انتظار کرنا اس کی وفا کی بہترین مثال ہے۔ اتنا عرصہ اس کے خاوند کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں اگر وہ چاہتی تو کسی سے بھی شادی رچا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسے آخر دم تک اپنے خاوند کے آنے کا یقین رہا اور وہ مختلف بہانوں سے شادی کے امیدواروں کو تسلی دیتی رہی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ جتنا وقت گزر جائے اچھا ہے لیکن وہ اس سارے عرصے میں اپنے خاوند کو یاد کرتی رہی اور اسے کسی سے نہیں چھپایا۔ داستان کے آغاز میں اس کے گھر میں جب شادی کے امیدوار کھانے کے میز پر شراب پی رہے ہیں تو Ithaca شہر کا مشہور گویا Phemius انہیں ٹرائے کے بہادروں کی کہانی گا کر سناتا ہے۔ پینی لوپی Penelope کام کرتی کرتی بھاگ کر ہال میں جاتی ہے اور گویے کو روک کر کہتی ہے:

> **Sing the suitors some one of these and let them drink their wine in silence but cease this tale for it breaks my sorrowful heart and reminds me of my lost husband whom I mourn ever without ceasing and whose name was great over all Hellas."**
>
> **(Book 1, Page 11)**

پینی لوپی (Penelope) کو اپنے خاوند اوڈی سی لیس پر ناز ہے اور وہ اس نام کو اپنی شخصیت کا حصہ بنا کر زندہ رہنا چاہتی ہے۔ کھاتے پیتے گھرانے کی عورتوں کے لئے 20 سال کا عرصہ خاوند کے بغیر گزارنا بہت مشکل دکھائی دیتا ہے لیکن پینی لوپی نے یہ عرصہ اوڈی سی لیس کے بیٹے Telemache کو پروان چڑھا کر گزارا۔ جب اوڈی سی لیس ٹرائے کی مہم میں شریک ہونے کے لئے گیا تھا تو بچہ ایک سال کا تھا لیکن داستان کے آغاز میں وہ بیس سال کا ہو چکا ہے اور اسے بھی اپنی ماں کے دکھ کا اتنا ہی احساس ہے وہ اسے خوش دیکھنا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کی ماں اوڈی سی لیس کا گھر چھوڑ کر کسی اور کے گھر چلی

جائے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اسے پتہ چل جائے کہ اس کا باپ زندہ ہے چنانچہ وہ دیوی Athena کے کہنے پر سپارٹا کا سفر ماں کو بتلائے بغیر کرتا ہے اور بتلاتا اس لئے نہیں کہ ماں اب بیٹے کے فراق میں رو رو کر برا حال نہ کر لے۔ پینی لوپی شادی کے فیصلے کو تاخیر میں رکھنا چاہتی ہے اور اس کے لئے اس نے یہ چال چلی کہ سوئی کے کام سے اوڈی سی لیس کے باپ کے لئے ایک شال بننا شروع کی اور اپنے امیدواروں سے بہانہ یہ کیا کہ جب یہ شال مکمل ہو جائے گی تو وہ شادی کا فیصلہ کرے گی۔

پینی لوپی جب داستان میں ظاہر ہوتی ہے اپنے کردار کا کوئی نہ کوئی اہم پہلو (جو اس کی وفاداری کو مزید روشن کر دیتا ہے) قارئین کے ذہن میں اجاگر کر دیتی ہے۔ شال بننے کا منصوبہ شادی کو تاخیر میں ڈالنے کا منصوبہ ہے۔ رات کو دن بھر کی بنی ہوئی شال کو ادھیڑ دینا اس کی وفا اور محبت کی علامت ہے اور اس کے ذہن میں ایک ہی بات ہے کہ شال کبھی مکمل نہ ہوتا کہ شادی کا دن کبھی نہ آئے۔ اس کی ایک نوکرانی (جو کہانی کے آخر میں اپنے کئے کی سزا پاتی ہے) پینی لوپی کی اس چال سے امیدواروں کو آگاہ کر دیتی ہے چنانچہ وہ اس کے اس فعل سے اس کے بیٹے کو آگاہ کرتے ہیں اور پینی لوپی کو ایک بے ایمان عورت کا طعنہ دیتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں پینی لوپی امیدواروں کو ایک اور مشکل میں ڈال دیتی ہے اور یہ بھی اوڈی سی لیس سے اس کی محبت کی علامت ہے اوڈی سی لیس کا شمار یونان کے بہترین جرنیلوں میں ہوتا تھا۔ اکلیز کی طرح اوڈی سی لیس کے ہتھیار بھی اس کے علاوہ کسی اور میں استعمال کرنے کی ہمت اور طاقت نہ تھی۔ ٹرائے کی مہم پر روانہ ہوتے ہوئے وہ اپنی کمان اور تیر گھر چھوڑ گیا تھا۔ یہ کمان اتنی بھاری تھی کہ کوئی اسے خم دے کر تیر نہیں چلا سکتا تھا۔ پینی لوپی اپنے گھر کے بند کمرے سے یہ کمان نکال کر لاتی ہے جوں ہی وہ کمان دیکھتی ہے تو خاوند کی یاد آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہنا شروع ہو جاتی ہے۔

She took down the bow with its bow case from the peg on which it hung. She sat down with it in her knees weeping bitterly as she took the bow out of its case.

(Page 261, Book 21)

کمان کو وہ ان امیدواروں کے پاس لاتی ہے جو ایک عرصے سے اس کے گھر ڈیرہ ڈال کر بیٹھے ہیں اور اسے شادی پر مجبور کر رہے ہیں۔ پینی لوپی ان کے درمیان کھڑی ہو جاتی ہے اوڈی سی لیس فقیر کے

بھیس میں ہجوم میں کھڑا ہے یہ سین جذباتی کیفیتوں کا ترجمان سین ہے۔ ہومر نے Suspense between the character کے حوالے سے اسے بے حد خوبصورت انداز میں Knit کیا ہے۔ ٹیلی ماکس (Telemache) کو پتا ہے کہ باپ گھر آ گیا ہے۔ بیوی کو قطعی علم نہیں کہ اس کا شوہر گھر میں موجود ہے۔ وہ اس کی یادوں میں سجائے ایک مشکل صورتحال سے دوچار ہے۔ اس سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے چنانچہ وہ کمان کو میز پر رکھ کر کہتی ہے:

> **"Listen to me suitors who persist in abusing the hospitality of this house because its owner has been long absent and without other pretext than that want to marry me. I will bring out the mighty bow of Odysseus and whosever of you shall string it most easily and send his arrow through each one of twelve axes him will I follow and quit this house of my lawfull husband but even so I doubt not that I will remember it in my dreams.**
>
> **(Page 263, Book 21)**

تیر کمان کی شرط اس نے اس اعتماد کے ساتھ رکھی تھی کہ اسے علم تھا کہ سوائے Odysseus کے اسے کوئی اور نہیں چلا سکتا۔ چنانچہ سب کوشش کرتے ہیں لیکن کوئی اس کمان کو خم نہیں کر سکتا۔ پھر فقیر کے بھیس میں اوڈی سی لیس آگے بڑھ کر کہتا ہے:

> **"Cease shooting for the present and leave the matter to the Gods. For the moment however give me the bow that I may prove the power. If my hands among you all and see whether I still have as much powers as I used to have or whether travel and neglect have made an end of it."**

تمام امیدوار یہ بات سن کر سیخ پا ہو جاتے ہیں کہ ایک فقیر اتنا بڑا چیلنج کر رہا ہے وہ اسے برا بھلا کہتے ہیں پینی لوپی یہ بات سن کر عقلمندی سے کہتی ہے:

> **It is not right that you should ill-treat any guest of Telemache who comes to this house. If the**

stranger should prove strong enough to string the mighty bow of Odysseus can you suppose that he would take me home with him and make me his wife.

(Page 268, Book 21)

امیدواران جب بات کو طول دینا چاہتے ہیں تو Telemache اپنی ماں کو اندر بھیج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیر کمان مردوں کا مقابلہ ہے میں دیکھتا ہوں تم اندر جاؤ۔ یہاں ہومر کی عظمت بحیثیت ایک داستان گو مستند ہو جاتی ہے اس لئے کہ اوڈی سی یس پینی لوپی کے جانے کے بعد تیر کمان اٹھاتا ہے اور کمان کو خم کر کے مسلسل تیر چلاتا ہے۔ یہاں ہومر کو داد دینا پڑتی ہے کیونکہ اگر پینی لوپی اس جگہ موجود رہتی تو اوڈی سی یس کا راز فاش ہونے کا ڈر تھا چنانچہ ہومر نے ایسی صورتحال اختیار کی کہ اوڈی سی یس اس وقت کمان خم کرنے کی شرط پوری کرے جب پینی لوپی ہال میں موجود نہ ہو۔

کہانی کے آخر میں جب نوکرانی پینی لوپی کو اوڈی سی یس کے آنے کی خبر سناتی ہے اس وقت پینی لوپی بڑے تحمل اور فراست کا اظہار کرتی ہے۔ ہال میں Teiemache اور اوڈی سی یس تمام دشمنوں کو ختم کر چکے ہیں۔ نوکروں پر راز فاش ہو چکا ہے کہ فقیر دراصل گھر کا مالک اوڈی سی یس ہے۔ صرف پینی لوپی دوسرے کمرے میں ہے اوڈی سی یس کی وفادار نوکرانی Euryclea اپنی مالکہ کے کمرے میں جاتی ہے اور Penelope کو خوش خبری سناتی ہے جسے سن کر وہ یقین نہیں کرتی اور کہتی ہے:

"My good nurse" she said "you must be mad. The Gods sometimes send some very sensible people out of their minds and make foolish people become sensible."

(Page 283, Book 23)

نرس کے بار بار یقین دلانے پر بھی پینی لوپی یقین نہیں کرتی آخر نرس اس کے پیر پر اس پرانے زخم کی نشاندہی کرتی ہے جو بچپن میں اوڈی سی یس کا تھا۔

When I was washing him I perceived the scar which the wild bore gave him and I wanted to tell you about it but in his wisdom he would not let me and clapped his hands over my mouth.

(Page 285, Book 23)

اپنی نوکرانی کی بات سن کر وہ وہاں آ گئی جہاں اوڈی سی لیس آگ جلائے ہال میں بیٹھا تھا۔ وہ آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی اور حیرانی سے اسے تکتی رہی اور سوچتی رہی کہ وہ اس سے گلے ملے یا نہ ملے۔ اوڈی سی لیس سے اس کا سلوک ابھی تک وہ نہیں تھا جو ایک بیوی کا اپنے بچھڑے شوہر سے ہوتا ہے۔ ابھی تک اس کے ذہن میں شک اور لایقینی کا کوئی پودا اگا ہوا تھا جسے وہ نوکرانی کی باتوں کے باوجود اکھاڑ نہیں سکی تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر نظر ڈالی مگر اس کے میلے کپڑے اسے شک میں مبتلا کر رہے تھے۔ Telemache ماں کو یقین دلاتا ہے کہ قیصر ہی اس کا باپ ہے۔

پینی لوپی بیٹے کی بات سن کر اس خوف کے زیر اثر جو اس کے دل میں کنڈلی مار کر بیٹھا تھا، اپنے بیٹے سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن اس کا شوہر اوڈی سی لیس جو اپنی بیوی کی وفاداری سے بے حد خوش ہے کہتا ہے:

Let your mother put me to any proof she likes.

پینی لوپی اپنے بیٹے سے کہتی ہے:

> **If he really is Odysseus come back to his own home again we shall get to understand one another better by and by for their are tokens with which we two are alone acquainted and which are hidden from all others.**
>
> (Book 23, Page 284)

کچھ خفیہ اشارے جو صرف میاں بیوی کے درمیان ہوتے ہیں اور جن کا کسی اور کو پتہ نہیں ہوتا۔ یہ جنسی بھی ہو سکتے ہیں۔ شاید پینی لوپی کے ذہن میں یہی بات تھی جو اس نے اپنے شک کو دور کرنے کیلئے اپنے ذہن میں سنبھال کر رکھی تھی اور چاہتی تھی کہ جب موقع آئے تو وہ اس کا استعمال کرے گی۔ اس بات کو آزمانے کا موقع رات کو آیا جب دونوں میاں بیوی سونے کے لئے اپنے کمرے میں جانے لگے پینی لوپی نے نوکرانی سے کہا کہ وہ چارپائی جو اس نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھی وہ باہر ہے اسے اندر لے آؤ۔ اوڈی سی لیس یہ بات سن کر غصے میں آ گیا اور کہنے لگا:

> **Wife I am much displeased at what you have just been saying. Who has been taking my bed from the placeing which I left it.**

اور پھر اوڈی سی لیس پلنگ بنانے اور کمرے میں سجانے کی پوری تفصیل بیان کرتا ہے جسے سن کر

پنی لوپی کو یقین آ جاتا ہے کہ یہی اوڈی سی ایس ہے اور یہی میرے بیٹے Telemache کا باپ ہے۔ وہ ضبط کی دیوار توڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے اور بانہیں پھیلا کر اوڈی سی ایس کو بغل میں لے لیتی ہے۔

> When she heard the sure proofs Odysseus now gave her she fairly broken down. She flew weeping to his side flung her arms about his neck and kissed him. "Do not angry with me you who are the wisest of mankind. We have suffered both of us. I did not embrace you thus as soon as I saw you. I have been shuddering all the time through fear that someone might come here with a lying story."
>
> (Book 23, Page 288)

اپنی بیوی کی یہ بات سن کر اوڈی سی ایس موم کی طرح پگھل گیا۔ ہجر کے سارے لمحے یاد آ گئے اور وہ بیوی کے شانے پر سر رکھ کر روتا رہا۔ اسے ایسے دکھائی دے رہا تھا جیسے سمندری لہروں کے طوفان میں جلتے مسافر کو اچانک درختوں کی چھاؤں اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ مل جائے۔ بیوی خاوند کی شکل دیکھ کر مسلسل روتی رہی اور خاونداس کے آنسو ہونٹوں میں جذب کرتا رہا۔ دکھ کی کہانیاں سنی سنائی گئیں اور سورج کرنوں کا تحفہ لے کر ان کے دروازے پر آیا تو ان کی آنکھ لگ گئی۔

پنی لوپی ہومر کی کردار نگاری کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے جو اپنے خاوند اپنے دیوتاؤں سے زیادہ پوجتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کردار دیوی اور دیوتاؤں سے زیادہ قابل تکریم ہے۔ ہومر کی دنیا میں اور خاص طور پر اوڈی سی میں جتنے نسوانی کردار سامنے آتے ہیں سب کے سب مکروہ ہیں۔ جزیرے پر بیٹھی سمندری دیویاں فانی انسانوں کو بھی ہوس کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتیں اور ان کے مقابلے میں پنی لوپی ساری سہولتیں ہونے کے باوجود وفا اور حیا کے راستے سے نہیں ہٹتی۔ اس سے شادی کے طلبگار اسے طرح طرح کے لالچ دیتے ہیں اور اس کے پاس اوڈی سی ایس کی بیس سالہ غیر حاضری کا بھی جواز تھا لیکن وہ اوڈی سی ایس کی محبت کی ڈوری میں ایسی بندھی کہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس کے کردار کی عظمت کو نہ صرف Ithace کے رہنے والے تسلیم کرتے تھے بلکہ عالم ارواح میں رہنے والی روحیں بھی تسلیم کرتی تھیں۔ کتاب کے آخری حصے میں جب پنی لوپی سے شادی کرنے والوں کی روحیں Haded میں اکٹھی ہوتی ہیں تو آگام

نان کو اپنا بھتیجا یعنی میلینس کا بیٹا بھی نظر آتا ہے اور بتلاتا ہے کہ کس طرح اوڈی سی لیس کے ہاتھوں قتل ہو کر عالم ارواح میں آیا ہے اور کس طرح پنی لوپی اپنی وفا پر قائم رہی ہے وہ اس کے کردار کی مضبوطی کی پوری داستان سناتا ہے جسے سن کر آگامم نان اوڈی سی لیس سے غائبانہ مخاطب ہو کر کہتا ہے:

Happy Odysseus son of Laertes you are indeed blessed in the possession of a wife endowed with such rare excellence of understanding and so faithful to her wedded lord as Penelope. The fame of her virtues shall never die and immortals shall compose a song that shall be wellcome to all mankind in honour of the constancy of Penelope.
(Book 24, Page 298)

آگامم نان اپنی بیوی **Clytemnestra** (جس نے اپنے عاشق سے مل کر اسے قتل کیا تھا) کے بارے میں کہتا ہے:

How far otherwise the wickedness of Clytemnestra who killed her lawful husband her song shall be hateful among men for she has brought disgrace on all womankind even on the good ones.

میرے خیال میں پنی لوپی کو جو خراج تحسین ہومر نے آگامم نان سے دلوایا ہے وہ حرف آخر ہے اس کے بعد اس کے کردار کے بارے میں کچھ کہنا بے کار ہے۔

اوڈی سی لیس کا کردار اس کہانی کا مرکزی کردار ہے جو کہانی کو رواں دواں رکھنے اور واقعات کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ **Telemache** کے سفر کو چھوڑ کر باقی ساری کہانی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس سفر میں قیام کی صورت میں ذکر اوڈی سی لیس کا ہی پتہ چلتا ہے اور وہ قاری کے ذہن سے کسی صورت محو نہیں ہوتا۔ ہومر نے ایلیڈ میں اپنی ساری توجہ اکلیز کے کردار کی طرف مبذول رکھی تھی۔ اس لئے کہ جاتی کا اصل موضوع **Warth of Achilled** تھا لیکن اس کے باوجود اوڈی سی لیس اپنی شناخت نہیں کھوتا بلکہ اپنی پھرتی، چالاکی اور حاضر دماغی سے واقعات کو آگے بڑھاتا ہے۔ ٹرائے میں جاسوس کے لئے جانا اور پھر وہاں سے بچ نکلنا۔ لکڑی کے گھوڑے کی منصوبہ بندی، جنگ میں

اہم کارنامے سرانجام دینا۔ اکلیز کی موت کے بعد اجکس کے مقابلے میں ہتھیاروں کا حق دار اسے قرار دیا جانا، اس کی اہمیت اور فوجی مہارت کی دلیل ہے۔ لیکن اوڈی سی میں ہومر نے اسے مرکزی حیثیت سے نوازا ہے اور اپنی ساری توجہ اس کردار کو فروغ دینے میں صرف کر دی ہے۔ یونانی المیہ نگاروں کے چند ڈراموں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ٹرائے کی جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا اور اس نے اپنے اوپر عارضی پاگل پن طاری کر لیا تھا۔ لیکن اس کی یہ چوری پکڑی گئی اور ایک مخبر نے یہ راز فاش کر دیا کہ یہ پاگل پن عارضی ہے تو وہ اس مہم میں مجبوراً شریک ہو گیا لیکن اس مخبر کو جنگ کے دوران ہلاک کر دیا۔ اوڈی سی لیس Itacha کا بادشاہ تھا۔ Penelope کی گود میں ایک سال کا بیٹا Telemache چھوڑ کر وہ ٹرائے کی جنگ پر چلا گیا۔ دس سال جنگ میں مصروف رہا۔ جب وہاں سے چلا تو سمندری سفر کے دوران دیوتا پوزیڈن (Poseiden) کے بیٹے کو اندھا کرنے کا جرم اس سے سرزد ہوا اور دس سال کی جہاں گردی کی سزا بھگتنی پڑی۔ اوڈی سی لیس اسی جہاں گردی کی کہانی ہے۔ اوڈی سی لیس Ithace کے ساحلی علاقے کا بادشاہ تھا جنگی مہارت میں اسے یدطولیٰ حاصل تھا۔ تیر چلانے میں اس کا سوائے Philoctetes کے کوئی حریف نہ تھا اس کا تیر اور کمان بہت وزنی تھا جسے سوائے اس کے کوئی نہ چلا سکتا تھا۔ کھیلوں کے میدان میں وہ ہر کھیل جیتنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ Phaeacins کے درمیان میں وہ اپنا تعارف کچھ اس طرح کراتا ہے۔

> "I am a good hand of every kind of athletic sports'man among mankind. I am an excellent archer. In battle I am always the first to bring a mandown with my arrow. I can throw a dart farther than anyelse can shoot! an Arrow."
>
> (Book Viii, Page 94)

اوڈی سی لیس جن باتوں کا گفتار میں اظہار کرتا ہے اس کا کردار دلیل بن کر وضاحت کرتا ہے۔ ٹرائے کی لڑائی میں جب اس کو لڑتا دیکھ کر پریام ہیلن سے پوچھتا ہے کہ وہ شخص جو آگامم نان سے تھوڑا سا چھوٹا ہے کون ہے؟ تو ہیلن صرف دو جملوں میں اس کی بہادری کا پورا نقشہ کھینچ دیتی ہے وہ بتلاتی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو ہر خطرے سے کھیلنا اور اس سے بچ کر نکلنا جانتا ہے۔ یہ وہ بات تھی جو ہومر نے ایلیڈ میں کہی

اور اس کے ثبوت اوڈی سی میں فراہم کئے۔

اوڈی سی لیس اپنی کہانی میں شروع سے لے کر آخر تک مصیبتوں اور دیوتاؤں کے انتظام کی زد میں نظر آتا ہے لیکن اس میں ہمت ہارنے کا جذبہ کہیں نظر نہیں آتا۔

ٹرائے سے چل کر وہ سمندری لہروں کے انتقام سے دوچار ہوتا ہے اور Lotus eaters کے علاقے میں پہنچتا ہے جہاں اس کے فوجی Lotus کھا کر گھر جانے کا خیال دل سے نکال دیتے ہیں۔ وہاں سے اپنے فوجیوں کو جہاز میں لاد کر وہ سائیکلوپس کے جزیرے میں آتا ہے اور غار میں جا کر بھیڑوں، مکھن اور پنیر کا خزانہ حاصل کرتا ہے پھر سائیکوپس اسے اور اس کے آدمیوں کو غار میں قید کر لیتا ہے۔ اوڈی سی لیس اسے شراب پلا کر اندھا کرتا ہے۔ اپنا نام Nobody بتلاتا ہے اور پھر بڑی عقل مندی سے اپنے آدمیوں کو بھیڑوں کے نیچے چھپا کر غار سے باہر آتا ہے اور جہاز لے کر اسے جزیرے سے روانہ ہوتا ہے۔

سائیکوپس کے جزیرے سے فرار اور بچ نکلنا اوڈی سی لیس کی حاضر دماغی کا بہترین ثبوت ہے سائیکوپس جب اس کے تمام آدمیوں کو غار میں قید کر لیتا ہے اور باری باری ایک ایک کر کے کھانا شروع کرتا ہے تو اوڈی سی لیس کوئی ترکیب سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک دن وہ سائیکلوپس سے کہتا ہے۔

> **Look here Cyclops, you have been eating a great deal of men's flesh so take this and drink some wine. I was bringing it to you as a drink offering.**
> **(Book 9, Page 111)**

سائیکلوپس پیالہ لے کر پیتا ہے اور نشے کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ بار بار پیالہ پیتا ہے۔ اوڈی سی لیس ہاتھ نہیں روکتا اور پھر نشے میں چور ہو کر سائیکلوپس پوچھتا ہے تمہارا نام کیا ہے۔ اوڈی سی لیس Norman بتلاتا ہے جس کا مطلب Nobody ہے۔ سائیکلوپس کہتا ہے:

> **Then I will eat all Norman's men before Norman himself and keep Norman for the last. This is the present I will make here.**
> **(Page 112, Book 9)**

جب وہ نشے میں بے ہوش ہو جاتا ہے تو اوڈی سی لیس اس کی آنکھ نکالتا ہے۔ وہ درد سے شور مچاتا ہے۔ اردگرد کے سائیکلوپس آتے ہیں۔ غار پر پتھر لگا ہے وہ پوچھتے ہیں: تمہیں کون چھیڑ رہا ہے۔ وہ کہتا

ہے Nobody۔ وہ سارے اسے پاگل قرار دے کر چلے جاتے ہیں کہ جب تمہیں "کوئی نہیں" تنگ کر رہا تو ہم کیا کریں۔ اب غار سے نکلنے کا مسئلہ درپیش ہے کیونکہ وہ غار کے دہانے پر بیٹھ جاتا تھا اور اپنے ریوڑ کو ایک ایک کر کے نکالتا اور ان پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے۔ اوڈی سی لیس نے چال چلی اور اپنے ایک ایک آدمی کو مضبوط بھیڑ کے نیچے چھپا دیا اور غار سے باہر نکل گیا۔ سائیکلوپس کو جب پتہ چلا تو اس نے جہاز پر بہت پتھر مارے لیکن جب تک اوڈی سی لیس کا جہاز بہت دور نکل چکا تھا۔

یہاں سے چل کر اوڈی سی لیس اور اس کے آدمی Circe کے جزیرے پر پہنچتے ہیں جو جادوگرنی ہے اور جادو کے زور پر آدمیوں کو سور بنا دیتی ہے۔ اوڈی سی لیس کے آدمی آبادی کی تلاش کرتے کرتے اس کے گھر چلے جاتے ہیں۔ وہ انہیں جادو سے سور بنا دیتی ہے۔ ایک آدمی واپس آ کر اوڈی سی لیس کو ساری کہانی سناتا ہے۔ اوڈی سی لیس کو اس کے جادو کا توڑ بتلاتا ہے اور ایک ایسی بوٹی دیتا ہے جس کو کھانے سے سرسی (Circe) کا جادو اس پر کارگر نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ اس جادوگرنی کے گھر جاتا ہے جب کھانا کھا کر بھی وہ سور میں تبدیل نہیں ہوتا اور تلوار نکال کر جادوگرنی پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اس کے پیروں میں گرتی ہے۔

> **Who and where are you people have came from. Surely you can be none other than the hero Odysseus who Hermes said always would come here some day.**

Circe اوڈی سی لیس سے جنسی تعلقات قائم کرنا چاہتی ہے اور اوڈی سی لیس اپنے آدمیوں کو اصل شکل میں لانے کی شرط پیش کرتا ہے۔ وہ قبول کرتی ہے۔ ایک سال تک وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور پھر اس کے مشورے سے Hades کا سفر کرتا ہے جہاں وہ مرے ہوئے لوگوں کی روحوں سے ملتا ہے۔ پھر واپس آ کر گھر کی طرف رخصت ہوتا ہے۔ Circe کے ساتھ اوڈی سی لیس کا جنسی تعلقات پر راضی ہونا، اس کے کردار کی نفی نہیں کرتا۔ ایک تو اس میں ہرمز دیوتا کا مشورہ شامل تھا دوسرے اپنے آدمیوں کی رہائی تھی۔ اس مجبوری نے اسے ایک سال تک جنسی قید کاٹنے پر مجبور کیا۔ اس جزیرے میں پہنچ کر پتا چلتا ہے کہ اوڈی سی لیس کی ذات دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر کتنی بے چین اور مضطرب رہتی ہے جب اس کا

آدمی اسے آکر اطلاع دیتا ہے کہ Circe جادوگرنی نے اس کے آدمیوں کو سوروں میں تبدیل کردیا ہے تو وہ جادوگرنی سے نمٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ آدمی منع کرتا ہے کہیں تم بھی وہاں جا کر مصیبت میں نہ پھنس جاؤ تو اوڈی سی لیس اسے ایک طرف دھکیل کر کہتا ہے:

> Stay where you are then eating and drinking at the ship but I must go for I am most urgently bound to do so.
>
> (Book X, Page 124)

خوبصورت عورت (اگر وہ دیوی بھی ہو اور لافانی حسن کی پیکر بھی) سے ملاپ بعض اوقات انسان کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیتا ہے اور ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور وہ ہے اس پیکر جسمانی کا حصول۔ مگر اوڈی سی لیس ان انسانوں میں سے نہیں جو اپنے فائدے کے لئے دوستوں کو فراموش کردیں۔ جب Circe اسے دعوت وصال دیتی ہے تو وہ کہتا ہے:

> Circe how can you expect me to be friendly with you when you have just been turning all my men into pigs.

Circe اس کی یہ شرط قبول کرتی ہے اور وعدہ کرتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اس کے اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کوئی برا قدم نہیں اٹھائے گی۔

اوڈی سی لیس میں ایک مثالی اور بیوی کے ساتھ محبت کرنے والے شوہر کی تمام صفات موجود تھیں۔ اگرچہ وہ بیس سال گھر سے باہر رہا۔ سمندر، جزیروں اور جادوگرنیوں کے محلات میں سالہا سال گزارے لیکن ان تمام لمحات میں وہ اپنی وفادار بیوی Penelope کو نہیں بھولا۔ دکھ، کرب اور مصیبتوں میں بیوی اور بیٹا ہی اس کے زندہ رہنے کی امید تھے۔ سمندری دیوی کے ساتھ وہ سات سال رہا لیکن دن رات اپنی بیوی بچے کے لئے روتا رہا۔ اوڈی سی میں جب ہومر اسے سمندری دیوی کے جزیرے میں دکھاتا ہے تو وہ اس سوچ میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ Zeus کا پیغام لے کر جب ہرمز Calypso کے پاس جاتا ہے اور اوڈی سی لیس کو رہا کرنے کے لئے کہتا ہے تو اوڈی سی لیس جزیرے کے کسی ویران کونے میں یادوں میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ Calypso ہرمز سے مل کر اسے ڈھونڈنے کے لئے جزیرے میں جاتی ہے تو وہ سر

یاس بن کر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔

She found him sitting upon the beach with his eyes ever filled with tears and dying of sheer homesickness for he had got tired of Calypso and though he was forced to sleep with her in the cave by night.

(Book V, Page 61)

Calypso اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے لافانی بنا دے اور ہرمز سے اس چیز کا گلہ بھی کرتی ہے کہ دیوتا نہ جانے ہمیں فانی انسانوں کی طرف راغب دیکھ کر ناراض کیوں ہو جاتے ہیں لیکن اوڈی سی لیس اس کے ساتھ خوش نہیں کیونکہ گھر، بیوی اور بچہ اس کے لئے سمندری دیوی سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ سمندری دیوی کہتی بھی ہے کہ میں زیادہ خوبصورت ہوں، تمہیں سدا جوان رکھ سکتی ہوں لیکن اوڈی سی لیس اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے۔

اکلیز کے مقابلے میں اوڈی سی لیس کا کردار جذبات سے بھرپور کردار ہے۔ اکلیز ٹرائے کی جنگ میں اپنے ساتھیوں کو جنگ میں لڑتا دیکھتا ہے لیکن شریک اس لئے نہیں ہوتا کہ آگام نان نے اسے دوشیزہ نہیں دی جو اسے پسند تھی۔ اس کے کردار کا یہ پہلو خودغرضی کی نشاندہی کرتا ہے وہ اپنے مفاد پر یونانی اور ساتھیوں کی زندگی جنگ میں جھونک دیتا ہے اور کسی صورت میں جنگ میں شامل نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو صرف اپنے ایک دوست پیٹروکلس کی موت کا انتقام لینے کے لئے۔ اکلیز کے اس رویئے کو نقادوں نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ یونانی ٹرائے کے میدان میں کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور وہ اپنے جہاز پر بیٹھا پرانی Epic کے ٹکڑے گا رہا تھا۔ اوڈی سی لیس کے کردار میں یہ خودغرضی قطعی طور پر نہیں۔ وہ Circe کے ساتھ تعلقات استوار کرنے پر صرف اس شرط پر راضی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھی فوراً اصل صورت میں واپس کئے جائیں۔ وہ اپنی مردانگی کا سودا صرف اسی صورت میں کرتا ہے کہ اس کے ساتھی سکھ چین کی زندگی گزار سکیں۔

اوڈی سی لیس کی شخصیت میں دوستوں، باپ، بیٹے، نوکروں اور اپنے گھر کے پالتو کتے Eurayclea تک کے لئے ہمدردی اور محبت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن ہے۔ ہومر نے اوڈی سی

کے حوالے سے ان رشتوں کے ایسے باریک دھاگے پوری کتاب میں پھیلائے ہیں کہ صدیوں کا طوفانی ریلا بھی انہیں نہ الجھا سکا اور نہ ہی یہ کہیں ٹوٹتے نظر آتے ہیں۔ اوڈی سی یس جو میدان جنگ کا ایک بہادر، چالاک، ماہر، نڈر اور چٹان کی طرح مضبوط سپاہی ہے۔ اوڈی سی میں پہلی بار ایک خاوند، مالک اور دوست کی حیثیت سے نظر آتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ پتھر کی طرح سخت سپاہی جب ان رشتوں کے روبرو آتا ہے تو موم کی طرح پگھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

دیوی Athene کے کہنے پر اوڈی سی یس فقیر کے بھیس میں Ithace کے ساحل پر اترتا ہے (کیونکہ خطرہ تھا کہ کہیں دشمن اسے گھر پہنچنے سے پہلے ختم نہ کر دیں) اور اس جھونپڑی میں جا کر پناہ لیتا ہے جہاں اس کا نوکر رہتا ہے اور اس کی غیر حاضری میں اس کے ریوڑ کی نگہداشت کرتا ہے۔ نوکر اسے پہچانتا نہیں۔ اسی اثناء میں اس کا بیٹا Telemache سپارٹا سے سیدھا نوکر کی جھونپڑی میں آتا ہے تا کہ گھر کی خبریں حاصل کرے۔ باپ بیٹے کا سامنا ہوتا ہے۔ اوڈی سی یس جذبات کو چھپاتا ہے۔ آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو کپڑے میں جذب کرتا ہے اس کا بیٹا جسے وہ ایک سال کا چھوڑ کر گیا تھا اب 20 سال کا ہے اور اس کے سامنے ہے۔ بیٹا اسے اجنبی بوڑھا فقیر سمجھتا ہے۔ یہ جذباتی منظر باپ بیٹے کی ملاقات کا منفرد منظر ہے۔ آخر دیوی Athene اوڈی سی یس کو کہتی ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے آپ کو ظاہر کرو اور وہ اوڈی سی یس کی حالت بدل دیتی ہے۔ میلے کپڑوں کی جگہ ریشمی ملبوس آ جاتا ہے۔ Telemache اچانک اس کی بدلی حالت دیکھ کر اسے آسمانوں سے اترا دیوتا خیال کرتا ہے اور بڑی عزت و تکریم کے ساتھ اسے بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ شاید آپ کوئی دیوتا یا Zeus کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی پیغام بر ہیں۔ اپنے آنے کا سبب بتلایئے۔ اوڈی سی یس جذبات سے مغلوب ہو کر کہتا ہے:

> **I am no God why should you take me for one I am your father on whose account you grieve and suffer so much at the hands of lawless men.**
>
> **(Book 21, Page 201)**

اوڈی سی یس یہ کہہ کر اپنے بازو پھیلاتا ہے اور اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے کیونکہ یہ آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں۔ بیٹا باپ کی باہوں میں آ جاتا ہے اور دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں۔ وہ اتنے

جذباتی ہوتے ہیں کہ ان کے رونے کی آواز سارے کمرے میں پھیل جاتی ہے۔ وہ اتنا روئے اتنا روئے کہ سورج بھی ان کے رونے سے ڈر کر مغرب کی گھاٹیوں میں جا چھپا۔ ان کے رونے کو ہومر نے ایسے عقابوں سے تشبیہہ دی ہے جن کے بچے کسان اٹھا کر لے جائیں اور وہ ان کی یاد میں آہ وزاری کریں۔

They were both so much moved that they cried aloud like eagels or vultures with crooked talons that have been robbes of their half-fledged young by presents.

(Book 21, Page 202)

باپ بیٹا گھر جاتے ہیں اور سب سے پہلے اوڈی سی لیس کی ملاقات اپنی پرانی خادمہ سے ہوتی ہے۔ یونانی رسم کے مطابق گھر آنے والے مہمانوں کو باندیاں غسل کراتی تھیں۔ اوڈی سی لیس جو کہ فقیر کے بھیس میں تھا جب اسے اس مرحلے سے گزرنا پڑا تو نوکرانی نے اس کے پیر پر ایک زخم کا نشان دیکھا جو بچپن میں سور کے حملے سے پڑا تھا۔ نوکرانی اوڈی سی لیس کو پہچان کر منہ سے آواز نکلنا چاہتی ہے لیکن اوڈی سی لیس اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور دونوں اپنی آنکھوں میں آنسو لے کر ایک دوسرے کا استقبال کرتے ہیں۔ بیوی کے ساتھ جو منظر کتاب میں دکھائے گئے ہیں وہ اپنی طرز کے انوکھے اور اثر چھوڑنے والے ہیں۔ اپنی بیوی کو امیدواروں کے درمیان بے بس دیکھ کر اوڈی سی لیس ایک عجیب وغریب امتحان سے گزرتا ہے لیکن جب بہادری اور دانش مندی سے ان سب کا خاتمہ کر دیتا ہے تو اپنی شناخت بیوی پر ظاہر کرتا ہے جو یقین نہیں کرتی اور آخر ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اوڈی سی لیس بچوں کی طرح اتنا بلک بلک کر روتا ہے کہ سارے سمندروں کا پانی (جن پر اس نے سفر کیا تھا) اپنی آنکھوں سے آنسو بنا کر بیوی کے قدموں میں ٹپکا دیتا ہے۔ اوڈی سی لیس کا باپ ابھی زندہ تھا اور اپنے پرانے گھر میں بڑھاپے کے دن کاٹ رہا تھا۔ ہومر نے باپ بیٹے کی ملاقات کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ شاید کسی ادب پارے میں نظر نہ آئے۔ اوڈی سی لیس کا باپ Laetes بہت بوڑھا ہو چکا ہے جب اوڈی سی لیس اس سے ملنے کے لئے اس کے پاس آیا تو اس کا بوڑھا باپ ایک میلی سی قمیض پہنے ایک پودا لگا رہا تھا۔ میلی قمیض کے اوپر چمڑے کی جیکٹ تھی۔ سر پر بکری کی کھال کی ٹوپی تھی اور دیکھنے میں وہ بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔

When Odysseus saw him so worn so old full of

sorrow he stood still under a tall pear tree and began to weep. He doubted whether to embrace him kiss him and tell him all about his having come home.

(book 24, Page 298)

اوڈی سی لیس آنکھیں صاف کر کے آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب آپ کی توجہ نے باغ کے پودوں کو بڑا خوشنما بنا دیا ہے۔ میں نے ایسا باغبان نہیں دیکھا لیکن ایسا لگتا ہے جیسے آپ باغ کی طرف ساری توجہ دیتے ہیں۔ اپنی ذات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ ہومر نے اوڈی سی میں اوڈی سس کے کردار میں ایک نفسیاتی شعور کا عنصر شامل کیا۔ وہ جب بھی کسی اپنے سے ملتا ہے تو اسے فوراً نہیں بتلاتا کہ میں اوڈی سی لیس ہوں۔ شاید وہ اس بات سے باخبر تھا کہ 20 سال سے انتظار کرنے والے مجھے دیکھ کر ہوش و حواس نہ کھو بیٹھیں۔ چنانچہ اس نے ایک انداز اپنا لیا کہ جب بھی وہ کسی سے ملتا ہے اوڈی سی لیس کا قصہ دوسرا شخص بن کر سناتا ہے چنانچہ اپنے باپ کو بھی یہ کہتا ہے کہ میں ایک شخص سے ملا تھا جس کا نام Odysseus تھا اور وہ بہت اچھا تھا اپنے جہاز پر نہ جانے کس طرف چلا گیا۔ باپ اس کے منہ سے بات سن کر اداس ہو جاتا ہے کیونکہ وہ یہ خبر سننے کے لئے بے تاب تھا کہ کوئی آ کر کہے کہ اوڈی سی لیس آ گیا ہے یا آ رہا ہے۔ اوڈی سی لیس کے منہ سے یہ بات سن کر وہ زمین سے مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈال لیتا ہے اور بچوں کی طرح رونے لگتا ہے۔ بالوں میں اور چہرے پر مٹی دیکھ کر اوڈی سی لیس تڑپ اٹھا اور چلا کر کہنے لگا۔

I am the father whom you are asking! I have returned after having been away for twenty years. But cease your sighing and lamentation.

اوڈی سی لیس کا باپ بھی پینی لوپی کی طرح یقین نہیں کرتا اور ثبوت مانگتا ہے۔ اوڈی سی لیس اپنے پیر کے زخم کا نشان دکھاتا ہے اور کہتا ہے:

First observe this scar which I got from a boar's tusk when I was hunting on mount Parnassus. You gave me thirteen pear trees ten apple trees and forty fig trees. There was corn planted between each row.

باپ اوڈی سی لیس سے یہ سچے اور حقیقی ثبوت سن کر بازو پھیلا دیتا ہے۔ اوڈی سی لیس باپ کی

باہوں میں سما جاتا ہے۔ اس طرح 20 سال کے سارے دکھ اس کی باہوں میں پگھل جاتے ہیں۔

اوڈی سی لیس کے کردار کو شروع سے ادب میں ایک شہرت حاصل رہی ہے۔ دورِ قدیم اور دورِ جدید کے مصنفین کے ہاں کسی نہ کسی حوالے سے یہ کردار ادیبوں کا پسندیدہ کردار رہا ہے۔ شاعروں اور ادیبوں نے اپنا زورِ قلم اس پر صرف کیا ہے۔ مختلف داستانوں کی طویل داستانوں اور کہانیوں میں یہ کردار عظیم کارنامے سرانجام دیتا رہا ہے لیکن اس کردار کی تشکیل میں اولیت کا شرف ہومر کو حاصل ہے۔ دنیا کے ادب میں جہاں کوئی ہیرو گھر سے مہمات سر کرنے کے لئے گھوڑے پر کاٹھی ڈالے مشکلات اور خطرات سے کھیلے، مافوق الفطرت عناصر کا مقابلہ کرے، اوڈی سی یس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کہیں اس کی بنیاد پر جیمز جوائس اپنے کردار کی تشکیل کرتا ہے اور کہیں اسے 007 کی شکل دے دی جاتی ہے لیکن ان سب کرداروں میں بنیادی فطرت اوڈی سی لیس ہی کی کارفرما ہوتی ہے۔

ہومر کی اوڈی سی کے علاوہ بعد کے مصنفین نے Trojan Cycle کے سلسلے میں اور بھی کئی کہانیاں لکھیں۔ ضرورت شاید اس لئے پیش آئی کہ اوڈی سی لیس کے انجام کے سلسلے میں ہومر بالکل خاموش نظر آتا ہے۔ ہومر کا اوڈی سی لیس Ithaca میں جا کر آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ہومر یہاں کہانی ختم کر دیتا ہے۔ اوڈی سی لیس کیا اس کے بعد کسی اور مہم پر روانہ ہوا۔ اس کا انجام کیا ہوا؟ Hades کے سفر میں پیشین گوئی کی گئی تھی کہ اس کی موت سمندر پر آئے گی۔ کیا اس کی موت واقعی سمندر میں ہوئی؟ کیا وہ اپنے وطن Ithace میں اپنے انجام کو پہنچا؟ ان تمام باتوں کا جواب ہومر کے پاس نہیں۔ Trojan Cycle کے سلسلے کی ایک کہانی Telegonia کا نشان ملتا ہے جس کا ہیرو Telegonious ہے۔ کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جادوگرنی Circe اور اوڈی سی لیس کا بیٹا ہے جس کے بارے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر سے سفر پر روانہ ہوا اور Ithace میں آ کر قیام کیا۔ غلط فہمی کی بناء پر اس کی اوڈی سی لیس سے لڑائی ہوئی اور اس لڑائی میں مچھلی کی ہڈی کے بنے نیزے سے اوڈی سی لیس کو ہلاک کر دیا۔ اس طرح اوڈی سی لیس اپنے انجام کو پہنچا اور Telegonious اس کی پوری جائیداد پر قابض ہو گیا۔ لیکن Hades میں کی گئی پیشین گوئی کے مطابق اس نے ایک بار پھر سمندری سفر کیا اور سفر کے پانیوں پر بہتا اتنی دور نکل گیا کہ جہاں کے لوگ کشتی، جہاز اور چپوؤں کی شکل اور نام سے ناواقف تھے وہاں اوڈی سی لیس

نے Poseidon کے نام کی قربانی دی۔ گھر واپس آیا اور آرام کی زندگی گزاری۔ پھر ایک دن موت سمندر کے پانیوں پر چلتی ہوئی اس کے گھر آ گئی۔

شاعروں، ادیبوں کے نزدیک اوڈی سی لیس کا کردار سیمابی کیفیت کا کردار ہے جسے ایک پل کہیں قرار نہیں۔ یہ اسے انسان کے اندر ایک Spirit unresting کی علامت قرار دیتے ہیں۔ جو ہمیشہ نئے علوم، نئے مقامات، نئے تجربوں اور نئے خطرات کی تلاش میں رہتی ہے۔ سفر اس کی فطرت ہے اور قیام اس کے لئے ممنوع۔ اس کا مقام ہر مقام سے آگے ہے اور زندگی کا مطلب اس کے نزدیک صرف سفر ہے۔

Strong in will to strive to seek to find and not to yeild.

مغرب کے شاعروں کے نزدیک اوڈی سی لیس ایک سفر پر قناعت نہیں کرتا۔ ایک سفر کے خاتمے پر وہ دوسرے سفر کا منصوبہ بناتا ہے وہ ان سمندروں پر جانا چاہتا ہے جن پر ابھی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ وہ ہر پل نئی زمین، نئے پہاڑ، نئے جزیروں اور ایک نئی بیوی کی تلاش میں رہتا ہے۔

اوڈی سی لیس کی موت کیسے ہوئی؟ ہومر اور اس کے عہد کے لوگوں کی تحریروں میں اس کا جواب نہیں ملتا لیکن چودھویں صدی کے آغاز میں اس کا جواب دانتے (Dante) نے دیا ہے۔ اپنی طویل نظم میں اس کی ملاقات دوزخ میں اوڈی سی لیس سے ہوتی ہے (دانتے کے نزدیک وہ Pagan تھا اور اس کا مقام دوزخ کی آگ ہی تھا) یہاں آپس کی گفتگو میں دانتے اوڈی سی لیس سے اس کی موت کے بارے میں سوال کرتا ہے جس کا جواب اوڈی سی لیس نے دیا ہے۔ اس جواب کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اوڈی سی لیس کی موت سمندر کے پانیوں میں ہوئی اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت سمندر کی لہروں میں ڈوب کر مرا تھا۔ اوڈی سی لیس کے مطابق وہ اپنے ساتھیوں سمیت ایک سمندری سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اوڈی سی لیس کی عمر کافی ہو چکی تھی مگر سفر کی چاٹ نے اسے گھر نہ بیٹھنے دیا۔ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں پہنچا جہاں سے کبھی ہرکولیس (Hercules) کا گزر ہوا تھا لیکن تیز لہروں کا اوڈی سی لیس اور اس کے ساتھی مقابلہ نہ کر سکے۔ اگرچہ انہوں نے چپوؤں کی رفتار بڑی تیز کی مگر سمندری لہریں ان سے کہیں زیادہ تیز اور خونخوار

تھیں۔ پھر ان کا جہاز ایسی چٹان سے ٹکرایا جو اتنی اونچی تھی کہ اوڈی سی یس کی نظر سے پہلے نہیں گزری تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں سمیت سمندر کی لہروں میں کہیں کھو گیا۔ دانتے نے اس سارے واقعے میں درج کیا ہے جس کے آخری بند درج ذیل ہیں:

> **When there appeared to us a mountain dim in the distance to me it looked the highest. I had on any shore beheld. We hailed the sight with joy but soon our joy was turned to grief. From that strange land came a beast that struck the forefront of our ship. Three times it whirled her around in all the waves. The forth it lifted her stern high aloft and sank her prow down. So deep the sea closed over us.**
>
> **(Divine Comedy) Book 26, Page 233**

دانتے کا ماخذ ایک ہی ہے۔ دانتے نے اوڈی سی یس کے بارے میں اس پر اکتفا کیا ہے جو اسے Virgil کی تحریروں سے دستیاب ہو سکا ہے اور اس نے اپنی طرف سے ایک سفر اوڈی سی یس کے نام لکھ دیا ہے۔ دانتے کے مترجم اور محقق Dorthy L. Sayers کے مطابق:

> **The voyage of Ulysses perhaps the most beautiful thing in the whole "inferno" derives from no classical source and appears to be Dante's own invention. It may have been suggested to him by the Celtic voyage of Maeldium and St. Brenden..**
>
> **The Divine Comedy (Hell) page 239**

ہومر کے نزدیک اوڈی سی یس کا انجام اتنا اہم نہیں تھا جتنے اہم اس کے کارنامے تھے جو اس نے جہاں گردی کے دوران سرانجام دیئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کردار نے اپنے عمل سے آنے والے ادب میں کوئی نشان چھوڑا یا نہیں۔ اس کے کردار کے اثرات موجود ہیں، نہ تو اسے ٹینی سن جیسا شاعر فراموش کر سکا اور نہ ورجل اور دانتے جیسے عظیم شاعروں کی نظروں سے اوجھل ہوا۔ یہی ہومر کی عظمت ہے اور یہی اس کے لافانی کردار اوڈی سی یس کے بقا کی علامت ہے۔

Telemache کا کردار ایک نوجوان کا کردار ہے جس کا تجزیہ نوعمری اور نوجوانی کی وجہ سے

بہت کم ہے اور وہ باپ کی طرح صورتحال سے نپٹنے کا فن نہیں جانتا۔ اس کے گھر اس کی ماں سے شادی کرنے والوں کی کثیر تعداد رنگ رلیاں منا رہی ہے اور وہ پریشان گھوم پھر رہا ہے۔ اس کے پاس ان سے چھٹکارا پانے کا کوئی حل نہیں۔ دیوی Athene کے کہنے پر وہ سپارٹا کا سفر کرتا ہے لیکن اوڈی سی یس کے بارے میں وہاں سے بھی کچھ خاص پتہ نہیں چلتا اور وہ واپس چلا آتا ہے لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو باپ سے فقیر کے روپ میں ملاقات ہوتی ہے۔ نوکر سے وہ اپنے گھر کی خبریں حاصل کرتا ہے لیکن امیدواروں سے جان چھڑانے کی کوئی ترکیب بھی اس کے پاس نہیں اور وہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے۔ اوڈی سی یس اسے حوصلہ دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے ہمت اور بہادری سے کام لینا چاہئے۔ اوڈی سی یس کو اپنے بیٹے کی یہ کم ہمتی پسند نہیں آتی اور وہ کہتا ہے:

> I wish I were as young as you are and in my present mind. If I were son to Odysseus or indeed Odysseus himself I would go to the house and be the bane of every one of three men. If they were too many for me I being single handed I would rather do fighting in my own house than see such disgraceful sight day after day.
>
> (Book 16, Page 199)

باپ کی بات سے اسے حوصلہ ہوتا ہے اور جب وہ اپنا تعارف کرواتا ہے کہ میں ہی اوڈی سی یس ہوں تو Telemache حوصلہ اور جوانمردی دکھاتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر گھر جا کر دشمنوں کا صفایا کرتا ہے۔ Telemache ایک مودب اور تہذیب یافتہ نوجوان ہے۔ مہمانوں سے ادب اور عزت و احترام سے پیش آتا ہے ماں کی قدر کرتا ہے اپنے باپ کے ساتھیوں کی عزت کرتا ہے سپارٹا میں ہیلن اور میلیلیس سے اس کا سلوک، Nestor سے اس کی ملاقات اس چیز کا ثبوت ہے کہ وہ اچھے خاندان کی تربیت میں پروان چڑھا ہے۔ اس نے اپنے باپ کی شفقت کے بغیر بیس سال گزارے لیکن اس کے دل میں باپ کی محبت کا درخت ہر پل بڑھتا رہا۔ اسے اوڈی سی یس کا بیٹا ہونے پر فخر ہے اور ماں کی تکالیف کا احساس ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کی ماں کسی دکھ میں مبتلا ہو۔ اس لئے وہ گھر بیٹھے امیدواروں پر بار بار برستا ہے کہ وہ اس کی ماں کو تنگ نہ کریں۔ ماں کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو اس کے دل پر چھری بن کر

چلتے ہیں وہ اپنی ماں کو ہنستا دیکھنا چاہتا ہے لیکن یہ بات اس کے بس کی نہیں کیونکہ اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے اوڈی سی لیس کی واپسی۔ وہ اس بارے میں پتہ لگانے کے لئے سپارٹا کا سفر ماں سے چوری کرتا ہے۔ اسے یہ خوف ہے کہ اگر اس نے ماں سے جانے کی بات کی تو وہ آنسو بہانے بیٹھ جائے گی چنانچہ وہ جاتا ہوا اپنی نوکرانی Euryeleas سے کہتا ہے:

> **Fear not nurse my scheme is not without heaven's sanction but swear that you will say nothing about all this to my mother till I have been away some ten or twelve days unless she hears of my having gone and ask you for I do not want her to spoil beauty by crying.**
>
> (Book 11, Page 23)

انسانوں کے علاوہ ایلیڈ کی طرح اوڈی سی میں دیوتاؤں اور دیویوں کے کردار پر سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے کہ ان میں انسانوں کی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ غصہ، نفرت، دوستی، جنسی بھول سے آشنا ہیں اور وہ ان کے لئے ہر کام کرنے کو تیار رہتے ہیں جس طرح رحم دل اور نیک انسان پائے جاتے ہیں۔ اس طرح دیوتاؤں کے ہاں بھی یہ گروہ یا قسم موجود ہے۔ برے اور عیاش انسانوں کی طرح یہ طبقہ بھی ان میں موجود ہے۔ سوائے Athene دیوی کے کوئی نسوانی کردار نیکی اور خیر کی صفت نہیں رکھتا۔ اوڈی سی لیس کو مسلسل اس دیوی کا تعاون حاصل ہے۔ ایلیڈ میں بھی وہ اس کو مصیبتوں سے بچاتی رہی ہے۔ اوڈی سی میں اس کی ہمدردی کمال درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ داستان کے شروع میں وہ دیوتاؤں کو سفارش کرتی ہے کہ اب اوڈی سی لیس کو گھر واپس جانا چاہئے۔ چنانچہ اس کی سفارش پر اس کا باپ Zeus ہرمز کو Calypso کے پاس اوڈی سی لیس کی رہائی کا حکم دے کر بھیجتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اوڈی سی لیس کو مشکلات سے نکالنے میں اس دیوی کا بہت ہاتھ ہے۔ سمندری دیوتا Posidon نے جس طرح اوڈی سی لیس کو طوفانی لہروں نے گھیرا تھا اگر Athene مدد نہ کرتی تو وہ کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکا ہوتا۔ اوڈی سی لیس کا گھر آنا، اس کی حفاظت کرنا، اس کے بیٹے Telemache کو سفر پر روانہ کرنا اور پھر آخر میں Ithaca کے لوگوں کو اوڈی سی لیس کی مخالفت سے باز رکھنا اسی دیوی کا کام

ہے۔اس کے مقابلے میں Circe اور سمندری دیوی Calypso دونوں جنس زدہ ہیں۔ اوڈی سی لیس کو اپنی ہوس کونشانہ بنانے کے لئے وہ ہر جائز اور ناجائز کام کرگزرتی ہیں۔لیکن جب دیوتا مخالفت کرتے ہیں تو وہ اسے چھوڑ دیتی ہیں۔ان دونوں میں زمینی عورتوں کی صفات موجود ہیں۔ Circe کو جب پتہ چلتا ہے کہ جوآدمی اس کے جادو کی زد میں نہیں آیا وہ اوڈی سی لیس ہےتو وہ ہرمز دیوتا کی پیشن گوئی کو ذہن میں لاکراس کے قدموں میں گر جاتی ہےاور پھراس کی رخصتی تک اس کی خدمت کرتی ہےاور سارا ساز وسامان دے کر رخصت کرتی ہے۔ یہی حال Calypso کا ہے وہ بہت کوشش کرتی ہے کہ اوڈی سی لیس وہاں رہ جائے اسے لافانی بنانے کالالچ بھی دیتی ہے۔ہومر کی دنیا کے یہ دیوی دیوتا دراصل انسانوں جیسے ہی ہیں۔ بس ذرااپنی ملکوتی طاقتوں کی وجہ سے بالاتر ہیں۔ ورنہ ہر وہ اچھائی اور برائی جوانسانوں میں موجود ہے ان میں پائی جاتی ہےاور کبھی کبھی پڑھنے والا چونکتا بھی ہے کہ یہ بات جو ہوئی ہے یا یہ ایک دیوی دیوتا سے سرزد ہوسکتی ہے لیکن ہومران سے کرالیتا ہے۔ کیونکہ اس عہد کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا اوران کے عقیدے کے خلاف ہومر نے کچھ نہیں لکھا۔اس زمانے کے لوگ اسی موضوع اور اسی عقیدے کی کہانیاں سننا چاہتے تھے (کچھ عرصہ بعد اسکائی لیس، سوفیکلز نے یہی سب کچھ عوام کو دیا)۔ یوری پیڈیز نے ان دونوں کے موضوعات میں ذرا تبدیلی کی اور بنے بنائے عقائد میں ردو بدل کیا تو لوگ اس کے خلاف ہو گئے کہ ہمیں نئے موضوعات اور نئی باتوں کی ضرورت نہیں۔ہمیں پرانی باتیں ہی اچھی لگتی ہیں۔ چنانچہ اس کو اپنے موضوعات پر جرمانے کی سزا قبول کرنی پڑی اور شہر چھوڑ کر دوسری ریاست میں جانا پڑا۔

یونانی Ecip کا آغاز کب ہوا؟ اس سوال کا جواب تاریخ دانوں کے پاس لاعلمی کے سوا کچھ نہیں۔لیکن انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کا آغاز زمین اور آسمان کے تعلقات کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ زمین اور آسمان کے باسیوں میں جنگ و جدل کا آغاز ہوا تو اس نظم کی بنیاد پڑی۔ نقادوں نے اسے Epicycle کا نام دیا ہے۔زمین اور آسمان کے جھگڑے میں Olympian دیوتا Zeus کو حاکمیت نصیب ہوئی اور پھراس نے زمین سے انسان کی نسل کوختم کرنا چاہا اور دو عذاب نازل کئے۔ دونوں لڑائیوں کی صورت میں تھے۔پہلی Theban اور دوسری Trojan کی لڑائی تھی۔دونوں لڑائیوں نے شاعروں کو لکھنے کے موضوعات بخشے۔جس میں انہوں نے اپنے ہیروز کی بہادری کے گن گائے اوران کی موت پر

نوحے لکھے۔ یونان کا سارے کا سارا ادب اسی موضوع یعنی Trojan لڑائی کے گرد گھومتا ہے۔ پہلی لڑائی نے Seven against Thebe (جس میں ایڈی پس اور اس کی نسل کی کہانی ہے) اور دوسری لڑائی نے illiad اور Odyssey جیسے عظیم شاہکار ادب کی جھولی میں ڈالے۔ پہلی Ecip بھی کم پائے کی نہیں۔ Plutarch نے اسے ایلیڈ اور اوڈی سی کے بعد عظیم ترین نظم قرار دیا ہے۔ یہ سلسلہ ہومر پر ختم نہیں ہوا چھٹی صدی قبل مسیح کے خاتمے تک کئی نظمیں اس موضوع کو آگے لے کر چلتی ہیں مثلاً:

Little illiad

Sack of illum (ٹرائے کی تباہی کی داستان)

Home Comings (اوڈی سی لیس کی گھر واپسی اور دوسرے ہیروز کا انجام)

Telegonia (اوڈی سی لیس اور Circe کے بیٹے کی داستان اور اوڈی سی لیس کی موت)

یہ تمام کی تمام نظمیں پریوں، عفریتوں، درندگی، انسانی قربانیوں اور توہمات اور توہم پرستی کا دفتر ہیں۔ ان میں فنی ادبی حسن مفقود ہے صرف کہانیوں کا سلسلہ موجود ہے۔ ارسطو نے ان میں ڈرامائی عناصر اور وحدت کے فقدان کا رونا رویا ہے لیکن بعد میں آنے والی یونانی المیہ نگاروں نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور ادب میں لافانی شاہکار تخلیق کیے ہیں۔ اسکائی لس، سوفیکلز اور یوری پیڈیز جیسے عظیم المیہ نگاروں کے شاہکاروں کی بنیاد یہی طویل نظمیں اور ان کے واقعات ہیں۔

ابتدائی یونانی Ecip کی تاریخ میں ہومر کی ایلیڈ اور اوڈی سی کو قدیم ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ Ecip ہومر سے پہلے نہیں لکھی جاتی تھی۔ وہ نظمیں دستیاب نہیں صرف ٹکڑوں کی شکل میں ملتی ہیں جن کا ہومر کی تصنیفات میں بھی ذکر ملتا ہے۔ میں صرف دو مثالیں دینے پر اکتفا کروں گا۔ ایلیڈ کی بک نمبر 9 میں جب اوڈی سی لیس آگامم نان کی طرف سے پیغام لے کر اکلیز کے پاس جاتا ہے کہ وہ غصہ تھوک کر جنگ میں شامل ہو جائے تو ہومر نے دکھایا ہے کہ وہ اپنے خیمے میں بیٹھ کر Ecip کے ٹکڑے گنگنا رہا ہے۔

He was singing of famous men and accompanying

himself on a tuneful line a beautiful ornamented instrument with a silver crossbar which he had chosen from the spoils when he destroyed Eelion city.

(Book 9, Page 166)

دوسری مثال اوڈی سی کی کتاب نمبر 8 ہے۔ اوڈی سی لیس سمندری سفر کی طوفانی مصیبت سے جان بچا کر Alcinous بادشاہ کے پاس پہنچ چکا ہے۔ شاہی ہال میں دعوت کا منظر ہے اور شاہی گویا Demodocus گیت گا رہا ہے اور یہ گیت ایک Ecip کا حصہ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور مثال کتاب کے آخر میں Penelope کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ پینی لوپی سے شادی کے امیدوار شراب پی رہے ہیں وہ Ithaca کے مشہور گویے Phemius کو کوئی کہانی گا کر سنانے کے لئے کہتے ہیں۔ وہ ٹرائے کے بہادروں کی کہانیاں سنانا شروع کرتا ہے جس میں اکلیز، اجکس اور آگامم نان کا ذکر آتا ہے۔ پینی لوپی جب یہ کہانی سنتی ہے تو اسے اپنا خاوند اوڈی سی لیس یاد آ جاتا ہے۔ وہ آنسو ضبط نہیں کر سکتی اور چلا کر اس سے کہتی ہے کہ Phemius یہ کہانی روک لو۔ آخر پیار اور محبت کی داستانیں بھی تو ہیں۔ وہ سناؤ۔ یہ کہانی سن کر میرا دل ڈوبتا ہے۔ چنانچہ ان تین مثالوں سے وضاحت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ ہومر سے پہلے Ecip لکھی جاتی رہی ہے۔ لیکن ہومر کی ایلیڈ اور اوڈی سی لیس نے ان تمام قدیم کہانیوں اور Ecips کی یادوں سے فراموش کر دی اور لوگوں کے دل ودماغ پر دو نام ہی اجاگر رہے۔ ایلیڈ اور اوڈی سی......!

Greek Epic کے بارے میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ابتدائی نظموں میں خداؤں اور انسانوں کی جنگ کا ذکر ملتا ہے لیکن بعد میں دیوتا پس منظر میں چلے گئے اور انسانوں کا ذکر نمایاں ہو گیا۔ علاوہ ازیں ان کا آغاز عبادت خانوں سے ہوا اور ان کے موضوعات انہی کے گرد گھومتے تھے لیکن ہومر کی نظموں میں یہ بات نہیں۔ اس نے شاید ان نظموں کی بحر سی اور زبان سے لی ہو لیکن جہاں تک تہذیب اور کلچر کا مسئلہ وہ خالصتاً یونانی فطرت کی خوشبو آتی ہے۔

ان دو نظموں کو پڑھ کر قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس عہد کا یونانی جغرافیائی صورتحال کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ وحدت اور مرکزیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن ان چھوٹی

چھوٹی ریاستوں میں ایک جیسا کلچر، تہذیب، ثقافت اور زبان بولی جاتی تھی۔ اگرچہ لسانی فرق اور تھوڑی بہت تبدیلی موجود تھی لیکن اس کے باوجود یونانی زبان سب ریاستوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ہر ریاست میں مشترک دیوتا اور دیوی پوجا کرتے تھے اور لڑنے سے پہلے ان کے نام کی قربانی دیتے تھے۔ Zeus ہیرا (Heera)، افروڈائٹی (Aphrodite)، کیوپڈ (Cupid)، پوزیڈن (Posiden) یونانیوں اور ٹرائے کے لوگوں کے مشترکہ دیوتا ہیں۔ اس کے علاوہ اوڈی سی لیس جس جزیرے میں جاتا ہے چاہے وہ Calpso ہو یا Circe کا یا بادشاہ Alcinous کا ایک مذہبی عقیدہ آتا ہے۔ کہانی کے تانے بانے اور واقعات سے ایک ایسا سیاسی نظام سامنے آتا ہے جس میں ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ وہ سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ رؤسا، جاگیرداروں اور مضبوط بہادر لوگوں کا ہجوم اس کے اردگرد ہے۔ بادشاہ کو بہادر، منصف اور نڈر ہونا چاہئے جو ہر قسم کے خطرے سے نبرد آزما ہونا جانتا ہو۔ بادشاہ سوشل ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے اور نبھاتا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ عام آدمی کی طرح کام کرتے ہیں اور عام نوکروں کی طرح مصروف نظر آتے تھے۔ غلام رکھنا اور غلاموں کی خرید و فروخت ایک عام سی بات تھی لیکن انہیں فیملی ممبر بنا کر رکھا جاتا تھا اور ان کی حفاظت مالک کی ذمہ داری تھی۔ تانبا اور پیتل عام دھات تھی۔ سونے چاندی کو لوگ پسند کرتے تھے اور لوہے کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ یہ تمام باتیں اور اطلاعات ہومر کی کتابیں پڑھ کر عام قاری کو حاصل ہوتی ہیں اور یونانیوں کی زندگی، رہن سہن، رسم و رواج اور مزاج کا ایک مکمل خبرنامہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل جاتا ہے۔ یہ صرف اور صرف ہومر کی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایلیڈ اور اوڈی سی یورپ کی قدیم ترین کتابیں جن سے قدیم یونانیوں کی تہذیب کا ایک مکمل ریکارڈ جدید دنیا کے سامنے آتا ہے (اور اس کے لئے ہمیں جرمنی کے مشہور ارکیالوجسٹ Heinrich Schliemann کا احسان مند ہونا چاہئے جس نے انیسویں صدی میں قدیم ٹرائے Mycenae اور Tiryns کی کھدائی کی اور دنیا کے سامنے اس تہذیب کے ثبوت پیش کئے جو ہومر کی کتابوں میں تحریری طور پر موجود ہیں)۔

ان دو کتابوں کے مطالعے سے جو بات سب سے پہلے ہمارے سامنے آتی ہے وہ ہومر کا قیامت خیز مشاہدہ ہے۔ وہ چیزوں کو اتنا قریب سے دیکھتا ہے اور پھر انہیں اپنے بیانیہ انداز میں اتنی مہارت سے پیش کرتا ہے کہ پڑھنے سننے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بعض نقادوں کو اس بات پر شک بھی ہوا

ہے کہ ہومر نابینا نہیں تھا اور اگر وہ نابینا تھا تو ایلیڈ اور اوڈی سی لیس اس کی تخلیق نہیں کیونکہ ایک پیدائشی اندھا دنیا، کائنات اور کائنات کے حسن کو اتنی مہارت سے بیان نہیں کر سکتا۔ لڑائی کے میدان کا نقشہ جس مہارت سے کھینچا گیا ہے اور ہجوم میں لڑائی کے انداز جس طرح ہومر نے پیش کئے ہیں وہ کسی ماہر جرنیل کی فہم بھی مرتب نہیں کر سکتی (شاید یہی وجہ ہے کہ سکندر اعظم جب بھی کسی جنگ میں جاتا تھا، ہومر کی ایلیڈ اپنے بکس میں لے کر جاتا تھا اور جدید عہد کا سپہ سالار نپولین بونا پارٹ ہومر کی ایلیڈ کو فوجی نقطہ نظر سے سب سے اچھی اور مفید کتاب سمجھتا تھا اور یہ بات Helna جزیرے میں مرتے دم تک اس کے پاس رہی)۔ سالہا سال یہ بحث نقادوں میں ایک پسندیدہ موضوع رہی ہے کہ ہومر تھا یا نہیں، اندھا تھا یا صاحب چشم۔ ایلیڈ اوڈی سی اس نے لکھی ہیں یا کئی لوگوں نے؟ مختلف شہروں میں سے اس کی جنم بھومی اصل شہر کون سا شہر ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری بحث سعی لاحاصل ہے۔ اصل چیز ہومر جیسے عظیم ذہن کی عظیم تخلیقات ہیں جن کے سحر اور طلسم میں لوگ اب تک جکڑے ہے ہیں۔ جن کا اثر تمام دنیا کے ادب پر نمایاں نظر آتا ہے۔ جن کا ترجمہ کر کے الیگزینڈر پوپ اور سموئیل بٹلر جیسے شاعروں نے ذہنی قوت اور توانائی حاصل کی۔ ان کتابوں کو پڑھ کر قاری وقتی طور پر اپنی دنیا سے کٹ جاتا ہے اور ہومر کی دنیا کے دریاؤں، پہاڑوں، خوفناک جزیروں اور جنگ کے میدانوں میں جان بچاتا پھرتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اگرچہ وقتی طور پر یہ اصل دنیا سے کٹتا ہے لیکن یہ جادو ساری زندگی سر چڑھ کر بولتا ہے۔ شاید یہی جادو ہے جسے مشہور نقاد میتھیو آرنلڈ نے The Grand Manner کا نام دیا ہے۔

ہومر نے اپنے عہد کی زندگی کو ایک ماہر مصور اور چتر کار کی آنکھ سے دیکھا ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کو دکھایا ہے۔ شک یہ ہوتا ہے کہ ہومر اندھا نہیں تھا۔ اس عہد کے لوگ اندھے تھے۔ آنکھ صرف ہومر کے پاس تھی۔ اس نے جو دنیا دیکھی تھی۔ جن لوگوں سے ملا تھا۔ مشاہدے اور تجربے کے جس ڈھیر پر کھڑے ہو کر اس نے اپنی عظمت کا اعلان کیا تھا، وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو دکھانا چاہتا تھا۔ صدیاں گزر چکی ہیں مگر اس دنیا میں ابھی تک رونق ہے اور ہر عہد کا قاری اس کی دنیا میں جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ جملہ ایک ادبی سچائی کی صورت اختیار کر گیا ہے کہ جس نے ہومر کو نہیں پڑھا، نہ وہ ادب کا سچا طالب علم ہے اور نہ ہی اچھے ادب کا خالق۔

ہومر کی ان دونوں نظموں میں مشاہدے کا ایک بحر بیکراں دکھائی دیتا ہے۔ سمندر کے سفر پر نکلتا ہے تو ایک لہر بھنور کی رگ رگ سے اسے واقفیت ہے۔ راستوں اور پہاڑوں کے پر پیچ سلسلے اس سے آشنا ہیں۔ جزیروں کا محل وقوع اسے یاد ہے۔ موسموں اور رتوں کے کیلنڈر اس کے سامنے ہیں۔ مختلف علاقوں کے پھل اور فصلیں اسے یاد ہیں۔ دو درختوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے اور اس فاصلے میں کون سی فصل بیجی جاتی ہے، ہومر کو ان تمام چیزوں سے مکمل آگاہی ہے اور ان چیزوں کو قاری تک منتقل کرنے میں وہ بڑی مہارت رکھتا ہے۔ کتاب کے آخر میں جب اوڈی سی یس اپنے باپ Laertes کو ملنے جاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو باپ اس سے ثبوت مانگتا ہے۔ اوڈی سی یس اس کا ثبوت دیتا ہے اور بچپن کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن ہومر کا کمال دیکھئے کہ وہ اس منظر میں درخت گنوا کر اپنی مہارت کا کس طرح اظہار کرتا ہے۔ باپ کے ثبوت مانگنے پر اوڈی سی یس جواب دیتا ہے۔

> I will point out to you the trees in the vineyard which you gave me and I asked you all about them as I followed you round the garden. You told me their names. You gave me thirteen pear trees ten apple trees and forty fig trees. You also said you would give me fifty rows of vines. There was corn planted between each row and they yield grapes of every kind when the heat of heaven has been laid heavy upon them.
>
> (Book 24, Page 301)

پہاڑوں، سمندروں، جزیروں اور علاقے کے موسموں اور فصلوں کے بارے میں ہومر کے بھرپور علم کو دیکھ کر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ شاید اس کے عہد میں کوئی ایسا جغرافیہ دان موجود ہو جس سے اس نے یہ سارا کچھ حاصل کیا ہو۔ ہومر کے ایک نقاد Louise. R. Loomi کی یہ رائے ہے کہ ہومر کے عہد کے قریب ایک یونانی جغرافیہ دان گزرا ہے جس کا نام Starbo تھا۔ چنانچہ اس پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ مغرب کے بارے میں یہ تمام معلومات اس نے اس سے حاصل کی ہوں۔ دوسرے نقاد اس بات پر شک نہیں کرتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہومر کی اپنی ایک دنیا ہو جو اس کے Imagination نے خود بنائی ہو اور اس نے یہ سارے راستے، پہاڑ، دریا خود سے تشکیل کیے ہوں اور وہ

اپنے قاری کو اس دنیا کی سیر کرار ہا ہو جو ابھی تک اس نے نہیں دیکھی۔

ہومر کے اسلوب میں بے شمار خصوصیات ہیں جو اس کے فن کو ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے اسلوب کی سب سے بڑی خصوصیت انسانی جذبات کی عکاسی ہے۔ انسانی فکر کی گہرائی، خیر و شر کی تمام طاقتوں کے تصادم سے ابھرنے والا ردعمل، امید اور خوف کا الجھاؤ، انسان کے اندر ابھرنے والے مختلف جذبوں اور تبدیلیوں کا ذکر جس ہنرمندی سے ہومر نے اپنی تحریروں میں کیا ہے، شاید دنیا کے کسی اور مصنف کے ہاں اس کی مثال نہ ملے۔ ایلیڈ اور اوڈی سی میں سینکڑوں مقامات ایسے آتے ہیں جہاں ہومر اپنے جوہرِ فن دکھاتا نظر آتا ہے۔ ہیکٹر کا اپنی بیوی سے رخصت ہونے کا منظر ہو یا بیٹے کو پیار کرنے کا، اکلیز کا اپنے دوست پیٹروکلس کی لاش پر بین کرنے کا منظر ہو یا پریام کو لاش دینے کا منظر۔ اپنی ماں Thetis سے ملاقات کا سین ہو یا اپنے دوست کے Ghost سے ہمکلامی کا منظر۔ اوڈی سی یس کا Calpyso اور Circe اور Nausicaa سے رخصتی کا منظر ہو یا اپنی بیوی Penelope کا ملاپ کا، ہومر ان لمحوں کی مناسبت سے اپنے اظہار کو فنی طور پر بے مثال بنانے میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ یہ تو انسانوں کی کیفیتوں کا بیان ہے۔ وہ بے زبان جانوروں کے اندر لکھی جذبوں کی تحریریں پڑھنے میں بھی تیز آنکھ رکھتا ہے۔ اوڈی سی یس جب فقیر کے بھیس میں اپنے گھر لوٹتا ہے تو اس کا وفادار کتا Argus جو بیس سال سے اس کا منتظر ہے قریب المرگ ہے۔ اوڈی سی یس کی آواز سن کر وہ آنکھیں کھولتا ہے لیکن اس میں ہلنے کی سکت نہیں۔ ہومر نے کتے کے اس آخری لمحے کو جس طرح لفظوں میں پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور یہ ٹکڑا ادب کے عظیم شاہپاروں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اوڈی سی یس اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہوتا ہے تو اس کتے Argus کو دیکھتا ہے جسے اس نے خود پالا تھا۔ جو کبھی خرگوشوں اور جنگلی شکار پر بجلی کی طرح لپکتا تھا مگر آج وہ بے بس تھا۔ بیس سال کے انتظار نے اس کے جسم سے زندگی کی ساری توانائی نچوڑ لی تھی۔

> **There he was in front of the gate on the dung heap full of vermin yet the moment Odysseus approached he knew him and thumped his tail and dropped his ears and tried to get near his master but not walk so far and Odysseus looked aside and brushed away a tear so that Eumaes**

should not notice but the darkness of death came over Args the dog the moment he saw his master Odysseus again twenty years.

ہومر کی کہانیوں میں ابھرنے والے ہر کردار کی اپنی ایک شناخت ہے۔ کردار برا ہو یا اچھا، ہومر اس کی ذات کے گہرے کنویں میں اتر کر اچھائیوں اور برائیوں کی تلاش میں مصروف نظر آتا ہے۔ ایلیڈ اور اوڈی سی کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہومر کے کردار اگر وحشی اور درندہ صفت بھی ہیں، ہومر ان میں کسی نہ کسی خوبی اور اچھائی کا متلاشی نظر آتا ہے۔ ہومر اس Soft Zone میں (جہاں کردار کا گزر ہو) داخل ہوتا ہے اور اس لمحہ کی عکاسی کرتا ہے جو شاید عام لوگوں کو نظروں سے قطعی طور پر اوجھل ہو۔ سائیکلوپس Polyhemus کو اندھا کر کے جب اوڈی سی یس اپنے ساتھیوں سمیت بھیڑوں کے نیچے چھپ کر غار سے باہر نکلنے کا منصوبہ بناتا ہے اور باری باری سب ساتھی غار کے دہانے سے باہر چلے جاتے ہیں جہاں اندھا سائیکلوپس بیٹھا ہے اور بھیڑوں کی پشت پر ہاتھ پھیر کر دیکھ رہا ہے کہ کوئی آدمی باہر نہ نکل جائے (جبکہ اوڈی سی یس کے سارے ساتھی ان کے نیچے چھپے ہوئے ہیں)۔ اس ریوڑ کا صحت مند دنبہ جو ریوڑ کا سردار ہے اور ہمیشہ سب سے پہلے غار کے دہانے سے باہر نکلتا ہے لیکن آج وہ سب سے بعد میں باہر نکلا ہے۔ اس کا مالک سائیکلوپس اس تبدیلی پر حیران ہے۔ اس دنبے سے اندھے وحشی اور آدم خور کی گفتگو اس Soft Zone سے اگے ہوئے لمحے کی خوشبو ہے۔ جسے ہومر نے لفظوں میں قید کر کے ہم تک پہنچائی ہے۔

Sweet ran Cyclope "said what does this mean why are you the last of the flock to pass out of the cave. You who always step so proudly out and are the finest of them to crop the lush green grass, yet today you are the last of all. Are you grieved for your master's eye blinded by a wicked man and his accused friends when he had robbed me of my wits with wine."

(Book 11, Page 154)

ہومر کا نظریہ ہے کہ انسانی کردار اچھے ہوں یا برے ان میں تبدیلی کا آنا فطری بات ہے۔ قتل و غارت کا رسیا، وحشی اور جنونی بھی کبھی کبھی موم کی طرح پگھل جاتا ہے اور برائی کی دلدل میں دھنسا ہوا کبھی

نہ کبھی نیکی اور اچھے انسانی رویوں سے دو چار ضرور ہوتا ہے۔ اکلیز کا کردار ایلیڈ کا مرکزی کردار ہے۔ وہ اگامم نان سے جھگڑا کر کے لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اپنے جہاز میں بیٹھ کر پرانی Epic گاتا رہتا ہے۔ لیکن جب اس کا دوست پیٹروکلس ہیکٹر کے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو دوست کے انتقام کی آگ اسے میدان جنگ میں لے آتی ہے اور وہ ہیکٹر کو موت کے گھاٹ اتار کر لاش کی اسی طرح تذلیل کرتا ہے جس طرح ہیکٹر نے اس کے دوست پیٹروکلس کی لاش کی کی تھی۔ اکلیز کی وحشت اور درندگی دیکھ کر زمین و آسمان کانپ جاتے ہیں۔ ٹرائے کے لوگ دیوتاؤں کی پناہ مانگتے ہیں لیکن اس وحشی اور خونخوار شخص میں بھی ایک ہمدرد اور اچھا انسان کہیں کھویا ہوا ہے اور یہ جاگتا اس وقت ہے جب ہیکٹر کا بوڑھا باپ پریام ہیکٹر کی لاش اکلیز سے مانگنے آتا ہے۔ پریام اس شخص کی منت کر رہا ہے جس نے اس کے لڑکے کو قتل کیا ہے اور وہ اس کے سامنے رو رہا ہے۔

میدان جنگ میں لاشوں سے دریا کا دامن بھرنے والا اکلیز آسمانی ہتھیار سے فانی انسانوں کے سروں سے مینار بنانے والا سمندری دیوی Thetis کا بیٹا اکلیز، بوڑھے پریام کی یہ بات سن کر ریت کی دیوار کی طرح زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ پریام کو دیکھ کر اسے اپنا باپ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس Soft Zone میں بے بس کھڑا نظر آتا ہے جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔

> **Thus spoke Priam and the heart of Achilles yearned as he thought him of his father. He took the old man's hand and moved him gently away. The two wept bitterly. Priam and Achilles now for his father and now for Patroclus.**

ایلیڈ اور اوڈی سی میں کئی مقام ایسے آتے ہیں جہاں برے کردار کے دل میں اچھائی یا نیکی کا کوئی نہ کوئی ذرہ ستارہ بن کر چمکتا نظر آتا ہے۔ Circe جادوگرنی ہے۔ انسانوں کو Pigs بنانا اس کا مشغلہ ہے لیکن جب وہ نیکی کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ ایک بدلی ہوئی شخصیت کا روپ دھار لیتی ہے اور انسانوں سے انتقام لینے والی انسانوں کی ہمدرد بن جاتی ہے۔ سمندری دیوی Calypso سات سال تک اوڈی سی لیس کو اس کی مرضی کے خلاف اپنا قیدی بنا کر رکھتی ہے لیکن جب اسے ایسا کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو وہ اوڈی سی لیس کو ایک ہمدرد دوست کی حیثیت سے تمام مال و اسباب دے کر رخصت کرتی ہے۔ ہومر نے ان

تمام لمحات کو اپنے اسلوب اور فطری انداز سے زندہ و جاوید بنا دیا ہے۔ ان نسوانی کرداروں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہے اور وہ اپنے کیئے پر پشیمانی کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ ہیلن خاوند کو چھوڑ کر گھر سے پیرس کے ساتھ بھاگی (قطع نظر اس کے کہ اس میں غیبی طاقتوں کا ہاتھ تھا)، یونان اور ٹرائے کے درمیان تاریخ کی طویل ترین جنگ کا باعث بنی۔ ہزاروں بہنوں کے بھائی اور بیویوں کے شوہر اس نے آگ میں جھونک دیئے۔ یہ سب کچھ اس کی محبت اور جنسی بھوک کی وجہ سے عمل میں آیا۔ اگر چہ اسے اس چیز کا احساس ہے کہ اس نے یہ اچھا نہیں کیا اور وہ قیامت تک ایک بری عورت کے نام سے پکاری جائے گی جس نے یونانیوں کی عزت خاک میں ملا دی لیکن اس کا پچھتاوا اور اس کے دامن پر لگے داغ کو دھونے سے قاصر ہے۔ نسوانی کرداروں میں Penelope، Hucaba اور Andromache کے کردار نیک اور باعمل کردار ہیں ان کے دامن پر بے وفائی کا کوئی دھبہ نہیں۔ پنی لوپی 20 سال تک خاوند کی یادوں کی سیج سجا کر اس کا انتظار کرتی ہے۔ انڈ ومائیکی دوسری شادی کے بعد بھی اپنے پہلے خاوند ہیکٹر کی یاد نہیں بھلا سکتی۔ ملکہ Hucaba اوڈی سی لیس کی غلام بن کر بھی پریام کی تصویر دھندلی نہیں ہونے دیتی لیکن ان کے علاوہ ایک نسوانی کردار اور بھی ہے۔ دنیائے ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ بادشاہ Alcinous کی بیٹی Nausicaa کا کردار ہے۔ جو اسے ساحل سمندر سے اپنے باپ کے محل میں لے کر جاتی ہے۔ پنجابی داستان ''ہیر رانجھا'' کی سی صورت حال ہے۔ اوڈی سی لیس رانجھے کی طرح اسے ساحل سمندر پر ملتا ہے اور وہ اسے دیکھ کر دل دے بیٹھتی ہے اور اپنے گھر لے جاتی ہے۔ Nausicaa نہایت خوبصورت نوجوان دوشیزہ ہے جس نے پہلے کبھی کسی مرد کو دل نہیں دیا۔ اوڈی سی لیس جو ایک جہاندیدہ انسان ہے۔ اس کی آنکھ اس کے چہرے پر نہیں جمتی اور اس کے حسن میں اسے دیویوں کے حسن کی پاکیزگی نظر آتی ہے۔ اسے پہلی بار دیکھ کر کہتا ہے۔

> **O Queen he said implore your aid but tell me are you a goddess or are you a mortal woman. If you are a goddess and well in heaven I can only say that you are Zeus daughter Artemis for your face and figure resemble none but her if on the other hand you are mortal and live on earth how happy**

are you mother and father.

(Book vi, page 74)

اوڈی سی لیس اس کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ میں نے آج تک تمہارے جیسا چہرہ نہیں دیکھا اور اسے سرو کے اس جوان اور سدا بہار درخت سے تشبیہہ دیتا ہے جو اس نے اپالو کی قربان گاہ پر دیکھا ہے جو آسمان کے نیچے کبھی زمین پر نہیں اگا۔ اوڈی سی لیس یہ سب کچھ Nausicaa کے حسن اور معصومیت کے زیر اثر کہتا ہے۔ اس میں کسی محبت کا عنصر شامل نہیں لیکن Nausicaa جو کچھ اوڈی سی لیس کو سوتا دیکھ کر اپنی سہیلیوں سے کہتی ہے وہ ایک معصوم خوبصورت دوشیزہ کی پہلی محبت کا اظہار ہے۔

Hush my dears for I want to say something I believe the Gods who live in the heaven have sent this man to Phacacians. When I first saw him I thought him plain but now his appearance is like that of Gods who dwell in heaven. I should like my future husband to be just such another as he is if he would only stay here and not want to go away.

(Book vi, Page 76)

لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اوڈی سی لیس کو گھر جانا ہے۔ پینی لوپی کی وفا ان تمام عورتوں اور جادوگرنیوں سے زیادہ پرکشش ہے۔ چنانچہ اس یک طرفہ محبت کا انجام بھی وہی ہوتا ہے جو پہلے کی عورتوں کا ہوا اور Nausicaa اسے آنسو بھری آنکھوں میں لے کر چند الفاظ کہہ کر رخصت کر دیتی ہے اور اپنے کردار کو ادب کے قارئین کے دلوں میں تا ابد زندہ کر دیتی ہے۔ جب اوڈی سی لیس کی رخصتی کا لمحہ آتا ہے تو سب سے مل کر جانا چاہتا ہے تو وہ ایک طرف کھڑی ہے۔

Lovely Nausicaa stood by one of the bearing post supporting the roof of the Cloister and admitted him as she saw him pass "farewell strange do not forget me when you are safe at home again for it is to me the first that you owe a ransom for having saved your life."

(Book viii, Page 99)

ہومر کی شاعری اس کے عہد کا ایک مکمل ریکارڈ ہے جس میں ثقافتی، تہذیبی اور سماجی سرگرمیوں

کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کی داستانوں میں چلتے پھرتے کردار اس عہد کے رویوں کے زیر اثر اپنی سرگرمیوں میں مصروف نظر آتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں اور سرداروں کا ہجوم بادشاہ کے لئے مل کر بادشاہ کے دربار اور فوج کو تشکیل دیتا تھا۔ بادشاہ مذہبی، سیاسی اور سماجی سربراہ خیال کیا جاتا تھا۔ رعایا کی سہولت اور حفاظت اس کی ذمہ داری تھی اور اس کے لبوں پر آنے والا ہر لفظ حرف آخر اور حکم شاہی کا درجہ رکھتا تھا۔ طاقت ور کا بول بالا تھا۔ رعایا ذہین اور مہذب تھی (اگرچہ ہومر کے بعد آنے والے المیہ نگاروں میں اس چیز کے بے شمار ثبوت ملتے ہیں لیکن ہومر کے عہد میں ثبوت صرف ہومر کی نثر ہے) مہمان نواز تھی اور قدیم رسم ورواج کے مطابق زندگی بسر کرتی تھی۔ ہومر کی ان دونوں کتابوں میں اگرچہ عوام کا ذکر کم ملتا ہے اور داستان میں تشکیل دیئے ہوئے کردار صرف بادشاہوں اور بہادر جرنیلوں کے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس عہد کے ذہین اور فکری عوام کی پوری نشاندہی ہوتی ہے۔

ہومر اگرچہ عام شہریوں کا تذکرہ نہیں کرتا اور بادشاہوں کے محلات اور جزیروں میں مقیم لوگوں کے حال بیان کرتا ہے لیکن یہ سب کردار یونانیوں کے نمائندہ کردار ہیں جن کی سرگرمیوں اور عمل سے تہذیب، ثقافت اور تمدن کا ایک نقشہ سامنے آتا ہے۔ ہومر کے عہد میں ہر آدمی کچھ نہ کچھ کام کرتا تھا۔ بادشاہ ان کی شہزادیاں اور رانیاں بھی اس سے مبرا نہ تھیں۔ ایلیڈ اور اوڈی سی میں کوئی عورت بیکار نظر نہیں آتی۔ ہیلن ٹرائے میں پہنچی لیکن اون کاتنے کا چرخہ اس کے ساتھ رہا اور جب وہ واپس یونان پہنچی وہاں بھی دربار میں اپنے خاوند میلینس کے ساتھ دربار میں جلوہ افروز ہوتی ہے اور اوڈی سی لیس کا بیٹا Telemache اس سے ملنے آتا ہے تو دربار میں بھی ہیلن ہمیں چرخہ کاتتی نظر آتی ہے۔ پنی لوپی اپنے امیدواروں کو اسی حربے سے چکر دیتی ہے کہ میں اپنے سسر کے لئے ایک شال بن لوں پھر اپنے خاوند کا انتخاب کروں گی۔ Nausicaa کا کردار جب اس کتاب میں ظاہر ہوتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ شہزادیاں محلوں میں بے کار نہیں بیٹھتی تھیں بلکہ کپڑوں کا ڈھیر لاد کر دریا کنارے دھوبیوں کی طرح دھونے جاتی تھیں۔ Nausicaa اپنے بادشاہ باپ کے تن پر میلے کپڑے دیکھ کر کہتی ہے۔

Papa dear could you manage to let me have a

good big wagon I want to take all our dirty clothes to the river and wash them. You are the chief man here so it is only right that you should have a clean shirt when you attend meetings of the council.

(Book vo, page 72)

Nausicaa نوجوان دوشیزہ تھی۔ شاید وہ اپنی تنہائی مٹانے کے لئے کپڑے دھونے کا شغل اپناتی ہو۔ ہیلن آف ٹرائے جیسی نازک اندام خاتون جس کے بارے میں ٹرائے کے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ حسن کا یہ شعلہ پوری دنیا کو جلا کر راکھ کر گیا ہے۔ گھریلو کاموں میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ کپڑا بنتی اور پھر اپنے کپڑے خود سیتی بھی تھی اور پھر وہ فیشن بن جاتا تھا۔ ہومر نے اس کا ذکر کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ صرف حسین ہی نہیں تھی ذہین بھی تھی۔ اوڈی سی لیس کا بیٹا جب اسے ملنے سپارٹا آتا ہے تو رخصتی کے وقت اسے وہ تحفہ دینا چاہتی ہے۔

Meanwhile Helen went to her chest where she kept the lovely dresses which she had made with her own hands and took out one that was largest and most beautiful.

اور پھر یہ لباس Telemache کو دے کر کہتی ہے۔

I too my son have something for you as a keepsake from the hand of Helen it is for bride upon her wedding day.

(Book xv, page 186)

مہمانوں اور اجنبیوں کے لئے لوگوں کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ اسے پورا تحفظ دیا جاتا تھا۔ جب مہمان گھر آتا تو باندیاں اسے نہلاتیں اور اس کے پیر ہاتھوں سے دھوتی تھیں۔ پھر اسے باعزت جگہ بٹھا کر ایک Foot stool اس کے پیروں کے نیچے رکھ دیا جاتا اور اس کے ہاتھوں، بازوؤں پر زیتون کا تیل ملا جاتا تھا۔ اوڈی سی میں جب اوڈی سی لیس فقیر کے روپ میں مہمان بن کر اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے گھر آتا ہے تو گھر کی پرانی خادمہ Eurcylea اوڈی سی لیس کے پاؤں دھوتی ہے۔ پیروں پر لگے ایک پرانے زخم کو دیکھ کر اسے شناخت کرتی ہے۔ Telemache کے ساتھ بھی پارٹا میں یہی سلوک کیا جاتا

ہے۔اوڈی سی لیس کے ساتھ Nausicaa اور اس کے باپ کے سلوک سے یونانیوں کی مہمان نوازی کی پوری رسم کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

ہومر نے اپنے کرداروں کے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، فرصت کے اوقات میں ان کے مشغلے، محبت، پیار، نفرت اور دوستی میں ان کا رویہ، ان تمام چیزوں پر کڑی نظر رکھی ہے اور انہیں الفاظ کی قید میں لایا ہے۔ایک معمولی سے منظر سے (جو زیادہ سے زیادہ 30 سیکنڈ کا ہے) پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی سو کر اٹھتا تھا اور اپنے گھر یا خیمے سے باہر آتا تھا تو کن کن باتوں کا خیال رکھتا تھا...... منظر ایلیڈ کا ہے اور اس میں کردار اگامم نان کا ہے)۔

اگامم نان کو خواب میں Zeus نظر آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اکلیز کے ناراض ہونے سے جنگ ختم نہیں ہوسکتی۔تم جاؤ جا کر اپنی فوجوں کو جنگ کرنے کا حکم دو۔اگامم نان اس ہنگامی صورتحال میں اٹھتا ہے۔ذرا دیکھئے کہ وہ اس 30 سیکنڈ کے منظر میں کس طرح یونانی تہذیب کے رکھ رکھاؤ کی مکمل تصویر نظر آتا ہے۔

> **Then presently he woke with the divine message still ringing in his ears so he sat upright and put on his soft shirt so fair and new and his heavy cloak. He bound his sandals in his comely feet and slung his silver studded sword about his shoulders then he took the imperishable staff of his father and salied forth to the ship of the Aohaeans.**
>
> **(Book ii, page 23)**

ہومر نے اپنے جس کردار کو جہاں بھی پہنچایا ہے اسے آنکھ کھول کر اپنے چاروں طرف دیکھنے کی تلقین کرتا ہے اور پھر اس کی آنکھوں سے اس مقام، اس جگہ کا منظر ہم تک پہنچایا ہے۔اس منظر میں نئی جگہوں کے بارے میں اطلاعات بھی ہیں۔ہومر جب کمرے کا نقشہ کھینچتا ہے تو اس کمرے میں لگے دروازے اور دروازے میں لگنے تالے کے سوراخ کو بھی قارئین کی نظر میں نمایاں کرتا ہے۔اوڈی سی (Odyssey) میں آخری حصے میں پینی لوپی (Penelope) عبادت میں مصروف ہے۔دیوی

Athene آتی ہے اور اسے تسلی دیتی ہے کہ اوڈی سی لیس آنے والا ہے۔ جب وہ رخصت ہوتی ہے تو ہومر نے اسے دروازے میں بنے سوراخ میں سے باہر نکالا ہے، اور پھر اس دروازے کے نقش و نگار کی وضاحت کی ہے جس سے لکڑی کے بنے کام کی پوری صناعی آنکھوں میں گھوم جاتی ہے۔

اپنے عہد کی روزمرہ کی چیزوں کے بارے میں ہومر کا علم بہت زیادہ ہے۔ وہ جس چیز کا بیان کرتا ہے اس کی بناوٹ، ساخت اور اصل کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے۔ ڈھال پیتل کی ہے یا لوہے کی، تلوار کا دستہ کیسا ہے، ڈھال پر نقش و نگار کس طرح کے ہیں۔ گویا جو ساز بجا رہا ہے اس کی کتنی تاریں ہیں۔ گھوڑا کس نسل کا ہے۔ اس نسل کی خصوصیات کیا ہیں۔ جو لکڑی آتش دان میں سلگ رہی ہے وہ کون سی لکڑی ہے اس کی خوشبو ماحول میں کیا تاثر پیدا کر رہی ہے۔ ہیلن کے پاس جو چرخہ ہے وہ کس لکڑی کا ہے اس چرخے کے پاس اون کون سی ہے۔ سادہ یا ریشمی، رنگ کیا ہے، کھانے سے پہلے ہیلن نے کون سا صندوقچہ کھولا اور کون سی دوائی ایک چھوٹی شیشی سے نکال کر شراب میں ڈالی اور پھر اس شراب کو پینے والوں پر کیا اثر ہوا۔ اکلیز جو ساز بجا رہا ہے وہ اس نے کہاں سے لیا تھا اور اس ساز پر کس چیز کا کام بنا ہوا ہے۔ ہیلن کے زیورات کون کون سے ہیں اور سوٹ کتنے چھوٹے اور بڑے ہیں۔ جو بڑا سوٹ ہے اس پر کس قسم کا کام کیا ہوا ہے۔ میلینس نے جذو پلیٹ Telemache کو تحفے کے طور پر دی تھی وہ کس دھات کی بنی ہوئی ہے اور اسے کس نے بنایا تھا۔ غرض اس عہد کے یونان میں جو تھا ہومر نے ان دونوں کتابوں میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے اور تو اور ہومر نے ان جڑی بوٹیوں کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے جو یونانی کسی نہ کسی موقعے پر علاج اور تفریح کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ایلیڈ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں لیکن میں صرف اوڈی سی سے دو مثالیں پیش کروں گا۔ Telemache جب ہیلن اور میلینس کے پاس سپارٹا پہنچا۔ دونوں نے اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اس کے باپ کا ذکر ہوا۔ بیٹا باپ کا ذکر سن کر اداس ہو گیا۔ ہیلن نے اوڈی سی لیس کی ذہانت ثابت کرنے کے لئے وہ کہانی سنائی جب اوڈی سی لیس جاسوسی کرنے کے لئے ٹرائے کے شہر میں گیا تھا اور پکڑا گیا تھا لیکن اپنی ذہانت سے بچ گیا تھا۔ یہ ذکر سن کر سب رونے لگے اور Telemache کچھ زیادہ اداس ہو گیا۔ کھانے کا وقت ہو گیا۔ کھانے سے پہلے جب شراب پیش کی جانے والی تھی تو ہیلن نے اپنے صندوقچہ (جس میں وہ ادویات اور جڑی بوٹیاں رکھتی تھی) کھولا اور ایک

جڑی بوٹی شراب میں ڈال کر Telemache کو دی۔ یہ ایک ایسی دوائی تھی کہ اگر کوئی اداس آدمی پی لے تو اس کی اداسی دور ہو جائے بلکہ اگر کسی کا کوئی مر بھی جائے تو اس کی آنکھ سے آنسو تک نہ نکلے۔ ہیلن نے بتایا کہ یہ جیون بوٹی اسے مصر میں ایک عورت نے دی تھی اور وہاں کا ہر آدمی ایک مکمل ڈاکٹر تھا۔

> **This drug of such soveregn power and virtues had been given to Helen by Polydamna wife of Thon a woman of Egypt.**

دوسری مثال Circe کے جزیرے میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ Circe اپنے جادو کے زور پر اور ایک دوائی سے آدمیوں کو سور بنا دیتی تھی۔ اوڈی سی لیس جب اس سے ملنے کے لئے اس کے گھر جا رہا تھا تو راستے میں دیوتا Hermes اس سے ملتا ہے اور اسے ایک بوٹی دے کر کہتا ہے کہ تم یہ بوٹی کھا لینا۔ Circe کی بوٹی کا اثر نہیں ہوگا۔ ہومر نے اس بوٹی کا نام بھی لکھا ہے۔ اس عہد کے لوگ جادو ٹونے سے بچنے کے لئے یہ بوٹی استعمال کرتے تھے۔ جس کا نام ہومر نے **Moly** لکھا ہے۔ میدان جنگ سے ایک مثال کہ ٹرائے اور یونانیوں کی جنگ زوروں پر ہے۔ یونانی جرنیل **Nestor** اپنے ایک ساتھی کو زخمی حالت میں میدان جنگ سے لے کر خیمے میں آتا ہے۔ تیر اس کی ران میں پیوست ہے۔ ہومر نے دوائی یا بوٹی استعمال کرنے کے اس لمحے کو بھی فراموش نہیں کیا۔ اگر کوئی دوسرا مصنف ہوتا تو شاید یہ بات لکھ کر آگے بڑھ جاتا کہ "پھر اس کا تیر ران سے نکال کر دوائی لگا دی گئی" لیکن ہومر نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے مخصوص انداز کو بروئے کار لا کر کہتا ہے۔

> **He laid him full length and cut out the soft arrow from his thigh he washed the black blood from the wound with warm water he then crushed a bitter herb rubbing it between his hands and spread it upon the wound. This was a virtuous herb which cooled all pain so the wound presently dried and the blood left off flowing.**
>
> **(Book page 178)**

ان مثالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہومر اپنے عہد میں استعمال ہونے والی چیزوں سے پوری طرح آگاہ اور علم رکھتا تھا۔ اپنے عہد کو پوری طرح پڑھ کر اس نے اسے اپنی تحریروں میں جگہ دی جس

سے اس کی شاعری اس کے عہد کا خبرنامہ بن گئی ہے۔

ہومر کی قوت بیانیہ اور طاقت در Imagination کی ہر نقاد نے بے حد تعریف کی ہے۔ عہد قدیم اور جدید عہد کے نقاد ہومر کے اس وصف کی اس کی اعلیٰ ترین صفت قرار دیتے ہیں۔ ہومر کے اسلوب کی یہ صفت دونوں کتابوں میں ہر صفحے پر بکھری نظر آتی ہے اور سینکڑوں مثالوں سے بات کی وضاحت کی جا سکتی ہے لیکن میں صرف دو مثالیں دے کر بتلانا چاہتا ہوں کہ ہومر اس وصف میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور وہ اس بات کو فراموش نہیں کرتا کہ وہ یونان کا عہد لوگوں کے سامنے لانا چاہتا ہے۔ پہلی مثال ایلیڈ کی کتاب نمبر 11 سے ہے۔ ایک یونانی جرنیل Nestor جنگ کے میدان سے واپس اپنے خیمے میں آتا ہے۔ دیکھئے اس کی محبوبہ اس کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کو کیسے آراستہ کرتی ہے (ایسا کرتے ہوئے ہومر نے یہ خیال رکھا ہے کہ وہ قارئین کو یونانیوں کے کھانے کے معمول سے روشناس کرائے)۔

> **First she set for the a fair and well made table that had feet of cyanus on it. There was a veseel of bronze and an onion to give relish to the drink with honey and cakes of barley meal. There was also a cup of rare workshop which the olk man had brought with him from home studded with bosses of gold it had four handle on each of which there were two golden doves feeding and it had two feet to stand on.**
>
> **(Book xo, Page 173)**

ان سطروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہومر کو چیزوں کو ترتیب سے سجانے اور ان کا مکمل تعارف کرانے میں کتنی مہارت ہے۔ میز کی ساخت، اس کے پیروں کی لکڑی کا نام، میز پر رکھے کپ کی دھات کا نام، کپ پر بنی فاختاؤں کی تصویر کی تفصیل اور تصویر میں بنے فاختہ کے دو پیروں کا ذکر، ہومر کے مشاہدے اور بیان کی بہترین مثال ہے۔ دوسری مثال میں نے اوڈی سی (Odyssey) سے لی ہے۔ یہ اس جزیرے کا منظر ہے جس میں اوڈی سی لیس سات سال سے Calypso قید ہے اور دیوتا ہرمز دیوتا زیوس کا پیغام لے کر سمندری دیوی کے پاس جاتا ہے۔ ہومر اس لمحے کا ذکر کرتا ہے جب ہرمز جزیرے میں آتا ہے اور چاروں طرف دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ ایسا خوبصورت منظر بھی دنیا میں موجود ہے۔ ہومر نے اس سمندری

دیوی کے غار کے باہر کی تفصیل دی ہے۔ جس کے اندر بیٹھی وہ اپنے چرخے پر اون کات رہی ہے۔

Round her cave there was a thick wood of older poplar and sweet smelling cypress trees wherein all kinds of birds had built their nests owls hawlks and chattering sea crows that occupy their business in the water. A vine loaded with grapes was trained and grew luscuriantly about the mou of the cave.

ایلیڈ اور اوڈی سی دونوں ٹرائے کی جنگ کے پس منظر میں لکھی گئی نظمیں ہیں۔ جس سے ہومر کے عہد کے لوگ پوری طرح واقف تھے۔ یہ ٹکڑوں کی صورت میں سالانہ تقریبوں اور جلسوں میں پڑھی جاتی تھیں۔ ہومر نے انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا اور اپنے اسلوب کی مہر لگا دی۔ لوگ سارے پہلے شاعروں کو بھول گئے اور ہومر امر ہو گیا۔ ان دو نظموں کے علاوہ ہومر کے کھاتے میں 33 نظموں کا ایک مجموعہ بھی ڈالا جاتا ہے جس کا نام **Homeric Hymns** ہے اور جو ہومر کا بالکل نہیں ہے۔ اسکندریہ کے زمانے کے کچھ شاعروں نے ان نظموں کو اکٹھا کیا تھا۔ یہ چھٹی اور ساتویں صدی قبل مسیح کا زمانہ تھا اور ان میں جن کی نظمیں اکٹھی کی گئیں وہ سب کے سب گمنام تھے۔ ان نظموں میں صرف ایک نظم ہومر کی تھی جو دیوتا اپالو (**Apollo**) سے خطاب تھا جس کا نام **Apollo Hymnto** تھا جس کے نیچے لکھا ہوا تھا:

A blind man living in rocky Chois.

اور یقیناً اندھا آدمی ہومر کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ یہ ساری کی ساری نظمیں ہومر کے انداز میں تھیں شاید اس لئے ان پر ہومر کی تخلیقات کا شک کیا گیا تھا لیکن ہومر کے صحیح دعویدار **Homerides** تھے جن کو ہومر کے بیٹے (**Sons of Homer**) کہا جاتا تھا۔ یہ ایک گروپ تھا جو ہومر سے اپنا رشتہ جوڑتا تھا۔ بعد میں یہ ایک ادارے کی صورت اختیار کر گیا جس کے ممبران ہومر کی نظموں پر اپنا حق سمجھتے تھے اور انہیں محفلوں میں گاتے پھرتے تھے۔ ان کا مرکز چھٹی صدی قبل مسیح تک ہومر کی جنم بھومی **Chois** ہی رہا۔ انہوں نے ہومر کی شاعری کو نہ صرف یونان بلکہ ساتھ کے پڑوسی ملکوں میں بھی زبان زد عام بنا دیا تھا۔

ہومر کی شاعری کا سادہ پن سننے والوں پر فوراً اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کی نفسیات سے پوری

طرح آگاہ تھا چنانچہ اس نے زبان کے انتخاب میں لوگوں کی زبان کو مدنظر رکھا۔ بہت بڑی بات کو آسان لفظوں میں کہنے کا فن ہومر کو آتا تھا۔ وہ لوگوں کے علم کے اندر رہ کر اپنی بات کہہ جاتا تھا۔ ہومر نے کبھی حقیقت میں بناوٹ کا رنگ نہیں آنے دیا۔ زندگی میں کبھی اس نے جھوٹ کو شامل نہیں کیا۔ وہ جب کوئی بات کرتا ہے تو اپنی ماحول میں بکھری ہوئی چیزوں کو تشبیہہ اور استعارہ بنا کر بات کرتا ہے۔ روشن اور شفاف صبح کو سفید دودھ سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ ہومر اپنے میدانوں، دریاؤں، پہاڑوں کو اپنی تحریر میں اسی طرح دکھاتا ہے جیسے وہ ہیں۔ اپنے ملک میں اڑنے والے پرندے اس کے لئے مسرت اور خوشی کا باعث ہیں۔ جب انہیں دکھ پہنچتا ہے تو وہ ان کے کرب کو پہچانتا ہے۔

ہومر کا انداز اتنا فطری ہے کہ اس کے اور قاری کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی اور وہ جو کہنا چاہتا ہے قاری دونوں ہاتھوں سے وصول کرتا ہے۔ اوڈی سی میں اَتجکس کو وہ ٹرائے کے فوجیوں سے مار کھا کر واپس آتے دکھانا چاہتا ہے اور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ تھکا ہارا زخمی لڑکھڑا کر چلتا آ رہا ہے۔ اس کے لئے وہ ایسی روزمرہ کی تشبیہیں استعمال کرتا ہے جس سے بچہ، بوڑھا اور جوان سب واقف ہیں۔

ہومر کا اسلوب زندگی کے بہت قریب ہے۔ اس کے اسلوب میں عام فہم زبان اور سادگی کو بے حد دخل ہے جس تک نہ صرف بڑوں بلکہ بچوں کی رسائی بھی تھی (اور ہے)۔ اپنے عہد میں ہومر کا اسلوب اور زبان اپنے عہد کے لوگوں پر اتنا ہی اثر انداز ہوئے۔ جتنی Bible بعد میں آنے والی نسلوں پر ہوئی۔ ڈاکٹر D.M.Lang اور D.R. Dudley اپنی کتاب Literature میں ہومر کے اسلوب پر رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

> **Children learnt his poetry by heart and men's minds were as much as saturated by the language of Homer in artiquity as by the language of the Bible in later age.**

ایلیڈ اور اوڈی سی دونوں 28000 اور 25000 اشعار پر مشتمل نظمیں ہیں۔ ہومر کا تعلق یونان کے مشرقی علاقے Lonia سے تھا جو Aegean Sea کے اطراف میں تھا۔ ہومر نے Lonia کی زبان اپنے شعروں میں استعمال کی ہے۔ دونوں نظموں کی مضبوط اور حیران کن Visiual Imageny

نے انہیں یادگار نظمیں بنا دیا ہے۔ ان نظموں کا ترجمہ ہم تک ہومر کے اسلوب کو اصل حالت میں نہیں پہنچا سکتا۔ یونانی زبان سے لاعلمی راستے کی رکاوٹ ہے۔ یونانی سے لاطینی پھر انگریزی اور پھر اردو۔ دراصل بات تین گھروں سے ہو کر آتی ہے اور نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی دامن دل کھینچتی ہے۔ آج کے کچھ نقادوں کا ہومر پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہومر کی عظمت میں کوئی شک نہیں۔ ادب کا اچھا طالب علم چاہے سکول میں پڑھے، ہومر کو ایک بار ضرور پڑھتا ہے لیکن عام زندگی میں ہومر کی زبان اور ہومر کا محاورہ کام نہیں آتا۔ اس کے مقابلے میں شیکسپیئر کے سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود ہومر صدیوں پر محیط ہے۔ وہ عہد قدیم میں اب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس کی نظمیں مذہبی، ادبی اور فوجی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ نہ صرف یونان بلکہ آنے والی نسلوں اور ادیبوں پر اس کا اثر بہت شدید اور گہرا نظر آتا ہے۔ نہ صرف یونان بلکہ تمام دنیا کے ادیبوں نے ہومر سے رہنمائی حاصل کی ہے اور اس کی شاعری کو ایک اعلیٰ درجے کی شاعری اور معیار تصور کیا ہے۔ ورجل (Virgil) جسے روم کا اعلیٰ ترین مصنف تصور کیا جاتا ہے، اس کا شاہکار Aened اوڈی سی اور ایلیڈ کی طرز پر لکھا گیا۔ اس پر ہومر کے اثرات نمایاں ہیں اور پھر ورجل کے حوالے سے اطالوی شاعر دانتے (Dante) نے ان اثرات کو قیدی کیا ہے۔

ہومر یونانی ادب میں Ecip شاعری کی بنیاد رکھنے والا شاعر ہے۔ اس سے پہلے کی نظموں کا ریکارڈ نہیں ملتا مگر یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شاعری کو ایک جاندار روایت کے ساتھ آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا کام ہومر سے شروع ہوا ہے۔ وہ نہ صرف Epic شاعری کا ایک عظیم شاعر تھا بلکہ حقیقت نگاری کا سلسلہ بھی اس کی ذات سے شروع ہوا۔ اپنے چونکا دینے والے کرداروں اور حیران کن قوت بیانیہ کے اعتبار سے وہ ایک عظیم شاعر تھے۔ Imageny کے بے مثال نمونے اس کی شاعری کا حسن ہیں۔ بعد میں آنے والوں نے اس کی تقلید کی۔ غنائیہ نظمیں اور ڈرامائی شاعری لکھنے والے شعراء نے اس سے فیض حاصل کیا۔ اسکائی لس، سوفیکلیز اور یوری پیڈیز نے اس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عظمت کے پرشکوہ محل کھڑے کیے ہیں۔ افلاطون نے ہومر کو پہلا المیہ نگار قرار دیا ہے۔ ''ایلیڈ'' میں انسانی المیہ کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ اس کتاب میں کئی پیراگراف ایسے ملتے ہیں جن میں انسان قطعی طور پر بے بس دکھائی دیتا ہے۔ قوت کے سامنے اس کی بے سروسامانی اور تہی دامنی قابل رحم ہے۔ وہ سب کچھ رکھتے

ہوئے بھی مجبور ہے اور دکھ سہنے پر قناعت کرتا ہے۔ کتاب نمبر 24 میں پریام اور اکلیز کا سین جس میں پریام اپنے بیٹے ہیکٹر کی لاش لینے کے لئے اکلیز کے پاس جاتا ہے۔ یا کتاب نمبر 6 میں انڈو مائیکی جب اپنے شوہر ہیکٹر کو جنگ میں نہ جانے کا مشورہ دیتی ہے تو بہت سے ڈرامائی مناظر اس مکالمے میں سمٹ آتے ہیں۔ مواد، اسلوب، ڈرامائی حالت، زبان سب چیزوں میں المیہ نگاروں نے ہومر کی خوشہ چینی کی ہے اور ان پر ہومر کے اثرات نمایاں ہیں۔ سوائے یوری پیڈیز کے جس نے ہومر کے مذہبی نظریات سے شدید اختلاف کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے موضوعات کو بھی Trojan Cycle سے ہٹ کر منتخب کیا ہے۔ اگرچہ لوگوں کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے جدید موضوعات کو اسی حوالے سے پیش کیا ہے مثلاً اس کا ڈرامہ Trojan Woman اگرچہ ٹرائے کے پس منظر میں لکھا گیا۔ اس میں Hucaba اور انڈو مائیکی کا کردار بھی شامل ہے اور وہ تمام مظالم جو یونانیوں نے ٹرائے کے لوگوں پر کئے بیان کئے ہیں لیکن اصل قصہ یہ ہے کہ یوری پیڈیز کے زمانے میں یونانیوں نے ایک جزیرے پر قبضہ کیا تھا اور اس جزیرے کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا تھا اور ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یوری پیڈیز نے اپنے ڈرامے کا موضوع اس واقعہ کو بنایا جس پر بہت لے دے ہوئی اور اسے جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ یہاں یوری پیڈیز کے جدید موضوعات اور المیہ میں اس کے باغی رجحانات پر بحث کا موقعہ نہیں، بہرحال اس نے ہومر کی کئی باتوں سے اختلاف کیا جس میں دیوتاؤں پر کڑی تنقید بھی شامل تھی۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود یوری پیڈیز نے اپنے اختلافات کی بنیاد بھی اس عظیم الشان Ecip Poetry کی روایت پر رکھی جو ہومر نے قائم کی تھی۔

ایلیڈ اور اوڈی سی کو افلاطون، ارسطو لان جائی نس نے تنقید وتحسین کا نشانہ بنایا ہے۔ افلاطون اپنی خیالی ریاست Republic میں شاعروں اور ادیبوں کے داخلے پر قطعی طور پر انکاری تھا۔ اس نے کھل کر شاعروں کو برا بھلا کہا ہے لیکن ہومر کے بارے میں اس نے عزت واحترام سے کام لیا ہے۔ اصولی طور پر اس سے اختلاف کیا ہے لیکن وہ اسے ایک Teacher اور Leader کا درجہ دیتا ہے۔ جہاں تک ارسطو کا تعلق ہے اپنی کتاب Poetics میں وہ ہومر کے حوالے سے گفتگو کرتا نظر آتا ہے۔ اس کی شاعری کی اچھائیوں اور برائیوں پر نظر ڈالتا ہے۔ ارسطو ہومر کو غیبی طاقتوں کا شاعر قرار دیتا ہے۔ المیہ پر گفتگو

کرتے ہوئے اسے پہلا المیہ نگار بھی قرار دیتا ہے۔ ارسطو کا نظریہ یہ ہے کہ ہومر Ecip Poetry کا سب سے بڑا اور اہم شاعر ہے۔ بعد میں آنے والے المیہ نگاروں اور شاعروں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے اور اسے نقل کیا ہے۔ Unity of Plot کی بحث میں اس نے ہومر کی طرف اشارہ دے کر اسے داد دی ہے اور کہا ہے کہ اس نے اوڈی سی لیس کی ہر بات کو تحریر نہیں کیا۔ چھوٹی چھوٹی تفصیل دے کر اس کی زندگی کے تمام واقعات کی کتاب میں بھرمار نہیں کی کیونکہ یہ سب کچھ ضروری نہیں تھا۔ اس نے اوڈی سی کو ایک آدمی کے عمل کی کہانی بنایا ہے۔ اس Single action کی وجہ سے اس کا پلاٹ مضبوط ہے۔ یہی حال ایلیڈ کا بھی ہے۔ جس میں کتاب شروع سے لے کر آخر تک اکلیز کے گرد گھومتی ہے۔ اوڈی سی کو ارسطو نے کامیڈی کی فہرست میں شامل کیا ہے کیونکہ اوڈی سی لیس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک ضمنی کہانی Penelope اور Telemache کی بھی چلتی ہے۔ اس کہانی کا انجام اچھے کرداروں کی فتح اور برے کرداروں کے خاتمے پر ہوتا ہے جو ارسطو کے نزدیک ٹریجڈی کا نہیں کامیڈی کا انجام ہے۔ ارسطو کتاب میں بار بار ہومر کا ذکر کرتا ہے اور Poetry Ecip کے باب میں خیال، اسلوب اور سنجیدہ واقعات کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ بات لکھتا ہے کہ ہومر ہی سب سے پہلا شاعر تھا جس نے ان تمام چیزوں کو شاعری میں پہلی بار سلیقے سے نبھایا۔ ان خصوصیات کی بنا پر وہ تمام شاعروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ہومر نے ہی دوسرے شاعروں کو بتلایا کہ جو باتیں سچی نہیں انہیں سلیقے سے سچ بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ناممکن کو ممکن بنانے کا فن ہومر پر ختم ہے۔

روم کا مشہور نقاد ہوریس (Horace) بھی ہومر کی عظمت اور فن کا قائل نظر آتا ہے۔ 65 قبل مسیح میں پیدا ہونے والا یہ نقاد ایتھنز میں فلسفہ پڑھنے گیا اور ہومر کی نظموں نے اسے مسحور کر دیا۔ ہوریس نے اپنی کتاب ARS Poetica میں بنیادی نظریات کی تشکیل یونانی ادب اور رومن ادب کو سامنے رکھ کر کی ہے۔ ہومر اور Cicero کی تخلیقات کو وہ تعریفی نظر سے دیکھتا ہے چنانچہ وہ ایک اچھے شاعر کے بنیادی فرائض کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

I would lay down that the experienced poet should look to human life and characters as his models and from them derive a language that is

true to life.

(ARS Poetica, Page 317, 318)

اس کے نزدیک ایک عظیم شاعر وہی ہے جو انسانوں میں سے اپنے ماڈل کردار چنے اور زندگی کی سچی زبان سے سجا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ اس کے خیال میں ہومر نے ایسا کیا اور ہومر کی عظمت اسی میں ہے کہ اس نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور نمائندہ کردار چن کر زندگی کی سچی زبان میں اپنے قارئین سے بات کی۔

"You must give your days and nights to the study of Greek Models."

(Classical literary criticism, Page 23)

پہلی صدی عیسوی کے ایک نقاد لان جائی نس نے ایلیڈ اور اوڈی سی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، تعریف کی ہے اور کچھ خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ لان جائی نس نے ایلیڈ اور اوڈی سی دونوں کو ہومر کی عمر کے پس منظر میں رکھ کر تجزیہ کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جب ہومر نے ایلیڈ لکھی تو وہ جوان تھا اس لئے کتاب میں جنگی کارناموں (Action) اور کشمکش تصادم کو بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے لیکن اوڈی سی اس کی بڑھاپے کی تخلیق ہے اس لئے اس میں اس نے بیانیہ انداز میں کام لیا ہے لیکن یہ ہومر کی عظمت ہے کہ Fables کے ذریعے کتاب کا حسن برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اوڈی سی میں بیان کی گئی کہانیاں (مثلاً سائیکلوپس اور پوزیڈن دیوتا کا سمندری طوفان) دلچسپی کم نہیں ہونے دیتی۔ اس کے نزدیک شاعر یا نثر نگار کی عمر میں زوال جذبات میں زوال کا باعث بنتا ہے جو دراصل اس کے فن کا زوال ہے۔

There is another reason why these comments sould be made on Odyssey and that is that you should understand how the decline of emotional powers in poets and prose writers leads to the study of character.

(On the sublime, page 113)

THE REPUBLIC

"The Socratic dialogues of Plato are the greatest literary monument that any disciple ever erected to his master. And the greatest importance of Socrates in the history of European Thought is that he set Plato thinking."

A.H.ARMSTRONG

"THE GREEK PHILOSOPHY"

REPUBLIC

جمہوریہ

جمہوریہ (Republic) سے پہلے:

470-490 قبل مسیح کی ایرانی سلطنت یونان اور سپارٹا کے لئے سخت خطرہ تھی چنانچہ دونوں نے مل کر اعلان جنگ کیا۔ یونان اس جنگ میں اپنی بحری فوج اور سپارٹا پیدل فوج لے کر جنگ میں شریک ہوا۔ ایران کی طاقت کو کمزور کرنے کے بعد اعلان امن ہوا تو سپارٹا نے فوجی اخراجات کم کرنے کے لئے اپنی ساری فوج ختم کردی لیکن ایتھنز کی انتظامیہ نے بحری فوج کو تجارتی مقاصد کے حصول میں لگا دیا۔ دور دراز کے ممالک میں تجارتی وفود بھیجے گئے۔ مال واسباب کی آمد اور درآمد کا سلسلہ شروع ہوا، تاجر آئے اور باہر گئے۔ لوگوں کی آمدورفت نے علم کے دروازے کھولے۔ یونانی فکر میں باہر کی دنیا سے رابطے کے بعد نئی نئی کونپلیں پھوٹیں۔ دولت کی بہتات نے یونانیوں کو فرصت اور فراغت کے لمحے بخشے اور انہوں نے ستاروں سے رہنمائی اور کائنات کے بارے میں سوچ بچار شروع کردیا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ پہلا یونانی غالباً ایک نجومی اور ستارہ شناس تھا۔ آہستہ آہستہ فکر وفہم کا دائرہ وسیع ہوا اور یونانی کائنات اور کائنات کے پس پردہ طاقتوں کے مشاہدے میں مصروف ہو گئے۔ ایرانی جنگ کے اس خاتمے کے بعد یونانی فکری صلاحیتوں کے بارے میں ارسطو اپنی کتاب سیاست Polotics میں کہتا ہے۔

> **Proud of their achievement men rushed farther a filed the persian wons. They took all knowledge for their province and sought ever wider studies.**

چنانچہ یونانیوں نے کائنات کے مظاہر کو بہ نظر غور دیکھنا شروع کیا۔ جادو، ٹونا، درخت، فطرت، پہاڑ، زمین اور آسمان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بلاخوف وخطر کرنا شروع کردیا۔ ان ہی ابتدائی باتوں سے یونانی فلسفے اور سائنسی فکر کا آغاز ہوا۔ یونانی فلسفہ اپنی ارتقائی شکل میں مابعد طبعیات کی بجائے

فزیکل دکھائی دیتا ہے۔ غالباً 460 ق م کے دانشور ڈیماکریٹس کا یہ جملہ کہ:

In reality there is nothing LWT atoms and space.

اس زمانے کے ان فلاسفرز کی نمائندگی کرتا ہے جو مشاہدے کی آنکھ سے مادی اشیاء کا تجزیہ اور مطالعہ کرنے میں محو تھے۔

یہ سلسلہ گیارہ دانشوروں کے گشتی ٹولے تک جاری رہا۔ ان روشن خیال Soflists نے جن میں پروڈ کس، پروٹا گوراز وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے فکر کی ایک نئی سمت تلاش کی اور فلاسفی کو باقاعدہ ایک شکل دی۔ مسائل اٹھائے، سوال کیے، مذہبی اور سیاسی فرسودہ روایات کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور ایسے ایسے مسائل پر بحث کا سلسلہ شروع کیا جو ہمارے آج کے فلسفے میں موجود ہیں اس گروہ میں دو فکری سکول تھے۔ پہلا فطرت کو نیک اور تہذیب کو بُرا قرار دیتا تھا۔ اس گروہ کی نظر میں انسان فطری طور پر مساوی حقوق رکھتا ہے مگر Class-made institution نے ان میں تفریق ڈال دی ہے۔ قانون طاقتور لوگوں کا ایک ہتھیار بن گیا ہے جس سے وہ کمزور لوگوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ روسو نے بعد میں ان ہی نظریات کو بنیاد بنا کر اپنا فلسفہ تشکیل دیا۔

دوسرا گروہ فطرت کو اچھائی یا برائی سے بالاتر قرار دیتا ہے فطری طور پر انسان چھوٹا بڑا ہے مساوی نہیں۔ اخلاقیات کمزور لوگوں کا ایک فضول ہتھیار ہے جو طاقتور لوگوں کو مزید طاقتور بناتا ہے۔ طاقت سب سے بڑی نیکی ہے اور انسان کی سب سے بڑی خواہش۔ نیز تمام اقسام حکومت میں سب سے اعلیٰ فطری طرز حکومت، بادشاہت ہے۔ عہد جدید میں نطشے ان نظریات کا پرچارک بنا۔ شاید اس طرز حکومت کے خواہاں لوگ زیادہ تھے کیونکہ ایتھنز کی 400000 آبادی میں 250000 افراد غلام تھے اور 150000 انسانوں میں سے 10000 جنرل اسمبلی (جسے وہ Dilasteria کہتے تھے) ممبر تھے۔ ان کا انتخاب ووٹوں کے ذریعے ہوتا تھا۔ ایتھنز کی اسی ہزار آبادی میں ایک چوڑی ناک، گنجے سر اور گول چہرے والا بدصورت شخص سقراط بھی تھا جو ایتھنز کے خوبصورت نوجوانوں کی جان تھا۔ ان نوجوانوں میں ایک خوبصورت امیر نوجوان تھا جو ایتھنز میں اپنے چوڑے شانوں کی وجہ سے بے حد مقبول تھا اس کے چچا نے سقراط کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا تھا اس نوجوان کا نام افلاطون Plato تھا۔ اس یونانی لفظ کا مطلب

چوڑے شانوں والا ہے۔

السی بائی ڈیز Alcibiades افلاطون اور Atisthenes کے گھیرے میں بیٹھ کر ایتھنز کے اس بوڑھے دانشور نے انسانی زندگی کے ہر مسئلے کو کرید کرید کر تاریک نامعلوم گھپاؤں سے آشنائی کی سرحد پر لا کھڑا کیا اور نوجوانوں کی اجنبی نہ ختم ہونے والی بحث سے لطف اندوز ہوتا رہا اور یہ نوجوان سقراط کی گود میں اس فلسفے کو آنکھ کھولتے دیکھتے رہے جس نے یورپ کی فضا میں جا کر جوانی کی انگڑائی لی بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ہر سماجی اور نظریاتی سکول کی ابتدا ہمیں اس بوڑھے کی گفتگو سے ہوتی نظر آتی ہے۔ بقول ول ڈیورانٹ:

Every School of social thought had its representative and perhaps the origin.

سقراط علم کے تشنہ ان نوجوانوں کے لئے ایک کنواں ثابت ہوا۔ تھیلیز (Thales) ہیراکلیٹس (Heraclitus) اور زینو Zeno جیسے نامور انسانوں کی فکر کو نوجوانوں کے ذہن سے مٹا کر اس نے اپنی گفتگو کے چراغ روشن کئے۔ اس نے دنیا کو سوچنے کا ایک نیا ڈھنگ دیا۔ درختوں، پتھروں اور ستاروں سے ہٹا کر انسانی سوچ کے رویئے متعین کئے۔ انسانی روح کے اندر اترا اور Ti-To یعنی ?What is it کا ہتھیار لے کر چیزوں سے آشنائی پیدا کرتا رہا۔

افلاطون نے سقراط کی ایک ایک بات کو سنا، دیکھا پرکھا اور یادداشت کی تختی پر لکھ لیا۔ عقل و دانش کے چلتے پھرتے پیکر کی ایک ایک حرکت میں معنی تلاش کئے۔ سایہ بن کر اس کے ساتھ رہا۔ جب تک سقراط اپنی لڑاکا بیوی کے کمرے میں چلا نہیں جاتا تھا۔ افلاطون اپنے گھر واپس نہ آتا۔ افلاطون کے پاس سقراط کی زندگی کا ایک ایک لفظ موجود ہے سوائے ان لڑائیوں، گالیوں کے جو عظیم دانشور کو بند کمرے میں بیوی سے سننا پڑتی تھیں۔

مرزا غالب کی طرح سقراط کو بھی شاید یقین نہ تھا کہ اس کا شاگرد جو سنے گا کاغذ پر لکھ کر امر بنا دے گا۔ غالب کے شاگردوں نے غالب سے اجازت لے کر اس کے خطوط چھاپے تھے لیکن افلاطون نے یہ کام بغیر استاد کی اجازت سے کیا۔ ایک بار Antisthenes کے گھر ایک تقریب میں افلاطون نے اپنی

تحریر Lysis کے کچھ حصے سنائے تو سقراط بڑا ہنسا اور کہنے لگا:

By HERALES, what a great number of lies this youngman is telling about me.
(Study Guide to Plato;s Republic.)
(W. Gordon. Page 12)

سقراط کسر نفسی سے سچائیوں کو جھوٹ کہہ گیا اگر اس کے کہے اور افلاطون کے لکھے الفاظ جھوٹ ہوتے تو صدیوں کے تاریک ماتھے پر صداقتوں کے چراغ بن کر کیسے جلتے اور پھر چراغ بھی ایسے جن سے روشنی لے کر پوری دنیا کے دانشوروں نے اپنی فکر کے تاریک گھر روشن کئے۔ یہ چراغ افلاطون کے مکالمے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا چراغ جمہوریہ (Republic) ہے۔

افلاطون کا یہ Utopian شاہکار اپنے مواد اور موضوعات کے اعتبار سے فلسفے کی تاریخ کا اہم ترین ستون ہے۔ ہر عہد کے انسان نے اس سے فکری پیاس بجھائی ہے اور اپنے فکری ارتقائی عمل کو آگے بڑھایا ہے۔ فلسفے کی تاریخ میں افلاطون اور ارسطو اہم ترین نام ہیں۔ ان سے پہلے تاریکی اور ان کے بعد روشنی اور یہ روشنی ان کی فکر کی ممنون ہے۔ بقول انگریزی شاعر کولرج:

"Every one is born into this world either a Platonist or an Aristotelian."

1. **The world's most important books.**
2. **The Great book of all time.**
3. **The first venture on a grand scale into the fields of political and social theory.**
4. **Best key to the understanding.**
5. **A magnificent intellectual drama.**

آیئے ہم بھی جہان افلاطون میں چند ساعتیں گزار کر دیکھیں آخر یہ ہے کیا؟ اس ڈرامے کا آغاز کیا ہے؟ کرداروں سے اس نے کیا کہلوایا ہے اور خیالی ریاست کے اندر سانس لینے والے لوگ کس زبان میں بات کرتے ہیں؟ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور افلاطون ایک ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس کا سیریو کیسے ترتیب دیتا ہے؟

افلاطون کی جمہوریہ (Republic) کو بلا مبالغہ فلاسفی کی شاہکار کتاب ہونے کا مرتبہ حاصل

ہے۔ 2500 سال قبل لکھی گئی یہ کتاب ہر عہد کی اہم ترین کتاب رہی ہے۔ افلاطون نے ''خیالی ریاست'' انسان کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے پہلی بار ایک بھرپور نظام پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں زیر بحث آنے والے مسائل آج بھی ہمارے اخباروں کی سرخیاں بنتے ہیں۔ کتاب کا ادبی اسلوب ہر عہد میں سراہا گیا ہے۔ جمہوریہ کے معتبر اور مستند نقادوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ افلاطون نے شاعری پر اعتراضات کے لئے بھی شاعرانہ زبان کا سہارا لیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف النوع موضوعات پر افلاطون نے سقراط کے حوالے سے بحث کی ہے۔ عدل، حسن، تعلیم، نیکی، عورت، قانون، شاعری، ڈرامہ تنقید، فنون لطیفہ غرض ہماری سیاسی سماجی، معاشرتی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر اس نے بحث کا آغاز نہ کیا ہو۔ افلاطون نے اس کتاب میں آنے والے فلاسفروں کے لئے ایک بنیاد فراہم کی ہے جس پر انہوں نے اپنی فکر کے عظیم الشان محل تعمیر کئے ہیں۔ کسی نہ کسی ضمن میں انہیں افلاطون اور ارسطو سے متاثر ہونا ہی پڑا ہے۔ یہاں کولرج کی یہ بات درست دکھائی دیتی ہے کہ ہر سوچنے والا ارسطو یا افلاطون کے جہان کا باشندہ نظر آتا ہے۔

جمہوریہ (Republic) کا اسلوب اور اس کی Knitting ساری کی ساری ڈرامائی اور شاعرانہ ہے اگرچہ یہ کتاب ''علم کی محبت'' کی مظہر ہے اور فلسفے کے ضمن میں نہیں آتی ہے۔ (یاد رہے کہ Love کا یونانی لفظ Phil اور Wisdom کا یونانی لفظ Soph ہے۔ دونوں کو ملا کر پڑھا جائے تو Philsoph یعنی علم کی محبت بنتا ہے) لیکن اظہار کے لئے افلاطون نے ڈرامائی اور شاعرانہ حسن کو منتخب کیا ہے۔ وہ شعوری طور پر شاعری اور ڈرامہ کے خلاف تھا لیکن لاشعوری طور پر اس کا قلم ڈرامے اور شاعری کے راستے پر چلتا رہا۔ اس کتاب میں بحث کے دوران آنے والی شاعری کی مثالوں پر اگر غور کیا جائے تو افلاطون کے شعری ذوق کی داد دینا پڑتی ہے۔ ہومر Homer ہیسڈ Hesidd اسکائی لیس اور سوفیکلیز کے شاہکاروں سے جب کوئی مثال ڈھونڈتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ افلاطون کا ڈرامے اور شاعری کا کتنا گہرا مطالعہ ہے اور یہی مطالعہ اس کے اسلوب میں در آیا۔ اس کی دوسری وجہ ڈرامے اور شاعری کی وہ یونانی روایت ہے جس پر ہر یونانی سختی سے گامزن تھا۔ یونانی کلچر کی روایات کو المیہ اور طربیہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ٹریجڈی اور کامیڈی دونوں کا پیرایہ شاعری تھا۔ جمہوریہ میں سقراط اگرچہ شاعروں کے بارے میں کئی

جگہ سخت الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن استاد اور شاگرد دونوں باوجود انتہائی نفرت کے ڈرامے اور شاعری سے پوری طرح دامن نہیں چھڑا سکے اور یونانی شعری روایت پوری جمہوریہ میں ان کے ساتھ چمٹی رہی۔

جمہوریہ (Republic) کا مرکزی کردار افلاطون کا استاد سقراط ہے۔ یہ سارے کا سارا مکالمہ First-Person میں ہے۔ سقراط سوال کرتا ہے اور پھر بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ لوگوں کی گفتگو سن کر آخر میں خود فیصلہ دیتا ہے یا وہ دوسروں کو قائل کرتا ہے یا قائل ہو جاتا ہے لیکن اس کی مرکزی حیثیت میں فرق نہیں آتا۔ افلاطون نے سقراط کو فہم و خرد کی سب سے اونچی فصیل پر بٹھایا ہے جب گفتگو کرتا ہے تو اس کی بات غیر ضروری، دلائل خشک اور گفتگو نامعقول نظر آتی ہے لیکن جب وہ سننے والوں کو پردہ ہٹا کر حقیقت کا دیدار کراتا ہے تو ہر چیز معقول نظر آتی ہے۔ سقراط کا شاگرد السی بائی ڈیز (Alcibiades) اپنے استاد کی شان میں لکھی تحریر Banquet میں کہتا ہے:

> **When you agree to listen to the talk of Socrates it might seem at first to be nothing but absrudity but when they are opened out, and you get inside them. You will find his words, first, full of sense most divine and containing the finest images, virutes.**

سقراط نے ساری زندگی ایک حرف تحریر نہیں کیا لیکن افلاطون نے زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں اکیڈمی میں بیٹھ کر جو سنا، اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے اپنے استاد کو امر بنا دیا۔

افلاطون ایتھنز کے ایک معزز خاندان میں 427 قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ Ruies of Philosophens کے مصنف Diogenes Laertius کے مطابق افلاطون کے ابتدائی حالات زندگی حقیقت کم اور افسانوی زیادہ نظر آتے ہیں۔ یونان میں یہ روایت بڑی مشہور تھی کہ وہ دیوتا اپالو (Apollo) کا بیٹا ہے جس کی پیدائش کی بشارت دیوتا Apollo نے افلاطون کے باپ ارسٹون (Ariston) کو خواب میں دے دی تھی۔ اپالو کی بشارت کے مطابق افلاطون اپالو کے جنم دن پر پیدا ہوا اور اپالو نے اس کا نام ارسٹوکلیز (Aristocles) رکھا لیکن اس کا Nick name (Plato) رکھا گیا جس کا یونانی میں مطلب Broad یعنی چوڑا ہے۔ افلاطون نے ابتداء میں مصوری بھی کی۔ شاعری میں طبع

آزمائی کی۔ ڈرامے لکھے لیکن یہ سب کچھ اس نے سقراط کی شاگردی میں آنے سے پہلے پہلے کیا۔ سقراط ملا تو تینوں چیزوں سے توجہ ہٹالی اور فلسفے کی ڈگر پر چل نکلا۔ سقراط اور افلاطون کی ملاقات سے پہلے سقراط بھی ایک خواب دیکھ چکا تھا۔ اس نے خواب میں ایک ہنس راج کو دیکھا جو اس کے سر سے ایک مدھر گیت گاتا کئی بار گزرا۔ یہ گیت سقراط کے دل میں اتر گیا اور خواب کے بعد بھی یہ مدھر گیت اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔ جب افلاطون سے ملاقات ہوئی تو سقراط کو یقین آ گیا کہ راج ہنس کی آواز میں وہی سر اور غنائیت تھی جو افلاطون کی آواز میں ہے اور پھر اس آواز نے دونوں کو نہ ختم ہونے والے رشتے میں باندھ دیا۔

سقراط کی موت کے بعد ایتھنز حکومت کی انتظامیہ سے افلاطون کی نفرت میں اضافہ ہو گیا اور وہ ایتھنز چھوڑ کر اٹلی، سسلی اور پھر ہندوستان کی طرف نکل گیا۔ گنگا جمنا کے کنارے پنڈتوں اور گیانیوں سے علم وفن پر استاد کی طرح بحث کرتا رہا۔ 12 سال بعد ایتھنز لوٹا تو اس کی یادداشت کی تھیلی میں مختلف انواع تہذیبوں، نظاموں اور علوم کے لاتعداد انمول موتی تھے جن کی چمک سے اس نے 40 سال تک ایتھنز کے لوگوں کی آنکھیں چکا چوند کیں اور آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے انہیں Republic کی دس جلدوں میں پرو دیا۔ اپنی اس تخلیق کے مینارے پر بیٹھا وہ کل بھی عظمت کا نشان تھا اور آج بھی ہے۔ The Hundred کا مصنف H. Hart Michael اس کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔

> **Plato has been ranked higher than such thinkers as John Locke, Thomas Jefferson because their political writings have so for affected the world for only two or three centuries, while the influence of Plato has endured for over twenty three centuries.**
>
> **(Page 232)**

جمہوریہ (Republic) کی پہلی کتاب میں افلاطون نے عدل وانصاف جیسے آفاقی مسئلے پر بحث کی ہے اور مختلف حوالوں سے عدل اور انصاف کی تعریف کو انفرادیت سے آفاقیت کی طرف پھیلایا ہے اس کتاب کے موضوعات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1. Good business justice تجارتی انصاف

2. Cow boy justice جنگل کا انصاف

3. Power political justice سیاسی طاقت کا انصاف

مکالمہ سقراط کی ایک مذہبی میلے سے واپسی پر شروع ہوتا ہے۔ وہ افلاطون کے بڑے بھائی گلوکن کے ساتھ مذہبی یاترا سے واپس آ رہا تھا کہ پولی مرقس نے اسے اپنے گھر دعوت پر روک لیا اور لالچ سقراط کو یہ دیا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں چلو تمہیں بولنے اور بحث کرنے کا موقعہ ملے گا اور سقراط جو ازل سے گفتگو اور بحث کا بھوکا تھا اس کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا جہاں پولی مرقس کے بوڑھے باپ کفلس کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ گفتگو کا آغاز پولی مرقس کا باپ کفلس بڑھاپے کی افادیت سے کرتا ہے جہاں پہنچ کر آدمی ہر لالچ اور بری خواہشات سے مبرا ہوتا ہے۔ اپنی بات کو مستند ثابت کرنے کے لئے وہ المیہ نگار سوفیکلیز کی کہانی سناتا ہے جس میں کسی نے بوڑھے سوفیکلیز سے پوچھا تھا کہ کیا اب بھی اس میں عورت سے پیار کرنے کی طاقت موجود ہے اور جس کا جواب اس نے یہ دیا تھا:

> **Hush up, I have escaped from all that thank goodness, I feel I had escaped from a maenad, crud slave driver.**
>
> **(Republic, 127)**

کفلس سقراط کو بڑھاپے کے فوائد بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بڑھاپے سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں جنہوں نے جوانی میں غلط کاریوں سے واسطہ رکھا ہو۔ اگلے جہان میں جانے کا خوف صرف اس شخص کو ہوتا ہے جو اس خیال میں گم رہتا ہے کہ اس نے جوانی میں کس کس سے ناانصافی کی ہے۔ بڑھاپے میں ایسا انسان نیند میں ہڑبڑا کر اٹھتا ہے جیسے بچہ خوفناک خواب دیکھ کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ یہاں سقراط اس سے کہتا ہے کہ یہ انصاف کیا ہے؟ کفلس کہتا ہے یہی کہ انسان سچائی اور صداقت کو برقرار رکھے۔ کسی کا حق نہ مارے اور کسی سے لی ہوئی چیز اسے واپس لوٹا دے۔ جائز فعل اور عدل یہ ہے کہ ہر آدمی کو اس کا حصہ دیا جائے۔ اس کو **Good business justice** کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہاں بیٹھے لوگوں میں بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور سقراط اس

سلسلے کو اپنے سوالوں سے طویل تر کرتا رہا ہے اور انصاف کی تعریف کا ایک رخ یہ بھی بنتا ہے کہ Might is Right۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جو طاقتور ہے، جس میں اس کا مفاد ہے انصاف وہ ہوگا۔ مضبوط اور طاقتور کے سامنے اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہاں سے بحث ریاست اور حکمرانوں تک جا نکلتی ہے اور مختلف تعریفیں سامنے آتی ہیں۔ انصاف اور درست فعل اور عدل کی یہ تعریف ہے کہ جس میں برسر اقتدار طبقے کا فائدہ ہو۔ اقتدار والے جس چیز کو پسند کریں وہی انصاف اور درست ہے۔ اگر جمہوری حکومت ہوگی تو جمہوری حکومت، ظالمانہ قانون بنائے گی۔ ایسے قانون جن میں ان کا فائدہ ہوگا اور عوام سے توقع رکھی جائے گی کہ وہ ان کی پابندی اور اطاعت کرے کیونکہ حکمران طبقے کے نزدیک یہی انصاف اور درست ہے۔ قوانین کی ساخت اور تشکیل میں عوام کی رضامندی ضروری نہیں۔ حکمران طبقے کے نزدیک انصاف کے یہ قانون غلاموں اور رعایا کے لئے ہوتے ہیں جسے حکمران طبقہ Slave Morality کہتا ہے۔ بقول پیریکلیز (Pericles):

"Your empire is based on your own strength rather than the good will of your subjects."

یہاں بحث میں ایک ساتھی یہ نکتہ اٹھاتا ہے کہ جس طرح ہر آدمی ہر کام فائدے کے لئے کرتا ہے اس طرح انصاف کرنے والا بھی فائدے کے لئے انصاف کی روش اختیار کرتا ہے۔ جس طرح خیالات کی فصل بونے والے کے ذہن میں اس فصل سے اگنے والے منصوبوں کا فائدہ ہوتا ہے اسی طرح انصاف کرنے والا بھی عزت اور شہرت کے لئے انصاف کرتا ہے۔ ہمیں انصاف کرنے کی تلقین اس لئے کی جاتی ہے کہ ہم اس کے بعد حاصل کرنے والے احترام اور عزت کا فائدہ اٹھا سکیں۔

ایڈمنیٹس انصاف کے حق میں ہومر Homer کی چند سطریں پیش کرتا ہے کہ کس طرح مصنف بادشاہ کے انصاف سے ملک اور قوم پھلتی پھولتی ہے۔ صحیح بادشاہ وہ ہے جو دل میں خوف خدا رکھ کر حکومت کرے اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اس طرح سیاہ زمین گندم پیدا کرتی ہے، درخت پھل دیتے ہیں، بھیڑیں اپنی تعداد میں اضافہ کرتی ہیں اور سمندر مچھلیوں سے بھر رہتے ہیں۔

For a good upright king who fears the God and uphold justice the black earth brings forth Barley and wheat, the trees are heavy with fruit, the

sheep have many lambs, the seas give fish.
(Odyssey)

منصف پاک اور نیک آدمیوں کی نسل کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بے انصاف لوگ، کیچڑ بھرے جوہڑوں میں پھینکے جائیں گے لیکن سقراط کو انصاف کی تعریف میں تشنگی نظر آتی ہے وہ اس میں اضافہ چاہتا ہے اور کتاب کے آخر میں کہتا ہے کہ:

I simply could not help it. So the upshot of our talk is now that I know nothing at all.

سقراط ابتدا میں لوگوں کی رائے سے متفق نہیں ہوتا۔ وہ انصاف کو افراد کے درمیان ایک تعلق ایک رویہ قرار دیتا ہے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسے انفرادی نکتہ نظر سے دیکھنے کے بجائے اجتماعی اور آفاقی تناظر میں دیکھا اور پرکھا جائے۔ وہ انصاف کو ذاتی اخلاقیات کے دائرے سے نکال کر سماجی اور سیاسی مفہوم دینا چاہتا ہے اس کے ذہن میں خیالی ریاست کا ایک خاکہ ہے جسے وہ پیش کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ اس بات کو کسی اگلی جگہ بحث بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ اس پر مزید بات چیت نہیں کرتا۔

دوسری کتاب سقراط کے اس سوال سے شروع ہوتی ہے کہ معاشرے کی تشکیل کیسے ہوتی ہے اور اس کی تشکیل میں کون کون سے اصول اور عناصر سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ سقراط کا نظریہ ہے کہ اکیلا انسان ایک معاشرے کی تشکیل نہیں کرسکتا۔ وہ خود کفیل نہیں اسے اضافی ضروریات پوری کرنے کیلئے دوسروں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ معاشرہ ایک دوسرے کی مدد اور ہم آہنگی سے پروان چڑھتا ہے۔ سقراط اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے معاشرے کے اقتصادی ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو پانچ طبقے مرتب کرتے ہیں۔

1- تاجر
2- کسان
3- ملاح یا جہاز ران
4- مزدور یا
5- دوکاندار یا خورد فروش

سقراط کے خیال کے مطابق ایک معاشرہ صرف اس لئے تشکیل پاتا ہے کہ انسان خود کفیل نہیں ہوتا۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہم دوسرے لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیتے ہیں اور پھر معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے چنانچہ ریاست انسانوں کی ضرورت کی پیداوار ہے۔

انسان کی سب سے پہلی ضرورت خوراک یعنی روٹی ہے دوسری ضرورت سر چھپانے کے لئے مکان اور تیسری ضرورت کپڑے ہیں چنانچہ روٹی کپڑا اور مکان وہ ضرورتیں ہیں جو انسانوں کو مختلف پیشوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ایک آدمی یہ سارے کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے معمار، جولاہے اور کسان کا پیشہ اختیار کرنے کے لئے آدمی ڈھونڈنے جاتے ہیں۔

سقراط کا خیال ہے کہ کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جنہیں ریاست کے شہری پورا نہیں کر سکتے۔ اس لئے بیرونی ریاست رابطہ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ایک ایسا طبقہ بھی ہونا چاہئے جو بیرون ملک سے چیزیں لا کر شہریوں کی ضرورتیں پوری کر سکے۔ یہ کام کرنے والے تاجر یا سوداگر کہلائیں گے۔ سقراط یہاں سے اپنی خیالی ریاست کا تانا بانا شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ پرسکون زندگی گزاریں گے۔ فصلیں اگائی جائیں گی۔ موسم گرما میں کم اور سردی کے موسم میں لوگ زیادہ لباس پہنیں گے۔ لوگ روٹیاں اور کیک بنا کر پتوں پر رکھ کر کھائیں گے۔ عبادت کریں گے اور صحت مند زندگی گزاریں گے لیکن کیونکہ لوگوں کی آبادی بڑھے گی۔ دولت میں اضافہ ہوگا تو جنگ کا خطرہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایک نئے طبقے کی ضرورت محسوس ہوگی جو سپاہی کہلائیں گے تاکہ وہ ملک کی نگہبانی کر سکیں۔ گلوکن کے سوال کے جواب میں کہ کیا شہری خود نہیں لڑ سکتے۔ سقراط جواب دیتا ہے کہ ریاست میں ایک آدمی صرف ایک کام کرے گا۔ سپاہی کا منصب صرف لڑنا ہے۔ ملکی دفاع ہے جس کے لئے تربیت اور ذہانت ضروری ہے۔ سقراط نے فوجیوں کا موازنہ چوکیدار کتوں سے کیا ہے جو اپنے شکار کو ہر حالت میں دبوچ لیتے ہیں چنانچہ یہ پھرتی، بلند حوصلہ اور کردار فوجی کے لئے ضروری ہے۔ محافظ طبقے کے لئے فلسفیانہ مزاج کا ہونا ازحد ضروری ہے۔

افلاطون کا خیال ہے کہ ''خیالی ریاست'' کی خوشحالی میں لڑائی کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ ایک شہر میں ہمیشہ دو شہر ہوتے ہیں۔ ایک امیروں کا شہر، دوسرا غریبوں کا شہر۔ انسان کیونکہ بنیادی طور پر لالچی ہے وہ اس پر جو اس کے پاس ہے مطمئن نہیں ہوتا۔ چنانچہ مزید حاصل کرنے کی ہوس لڑائی کا سبب بن سکتی

ہے چنانچہ تقسیم کی یہ تبدیلی بہت سی سیاسی تبدیلیوں کا سبب بن سکتی ہے اس لئے محافظوں یا Protect of the people کا ہونا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ ان کا بہتر، ذہین، حوصلہ مند اور فلسفی ہونا لازمی ہے۔ افلاطون نے محافظین کی تربیت کے دو حصے کئے ہیں۔

1- Gymnastic for the body
2- Music for the soul

افلاطون نے موسیقی سے مراد آرٹ، لٹریچر، فلاسفی اور گیت لیا ہے۔ افلاطون نے سب سے پہلے ادب اور شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بتلایا ہے کہ کس قسم کا ادب اور کس قسم کی شاعری ''خیالی ریاست'' کے لئے ضروری ہیں۔

افلاطون نے تمام فنون لطیفہ کو نقالی Imatation قرار دیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تمام کائنات ہر ذی روح حقیقت عظمیٰ Greater truth کی نقالی ہیں۔ اگر چارپائی بنانے والا کاریگر چارپائی بناتا ہے تو یہ چارپائی اس کی تخلیق نہیں بلکہ نقل کی نقل ہے۔ اس نے اپنے ذہن سے نقل کر کے اسے بنایا جبکہ چارپائی کا نقشہ جو اس کے ذہن میں ہے وہ بھی اصل نہیں بلکہ خدا نے اس کے ذہن میں مرتب کیا ہے اس لئے اس کی تخلیق اصل سے دو منزلیں دور ہے۔

یہی حال شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کا ہے۔ وہ شاعری میں ان جذبات کی نقل کرتے ہیں جو خدا نے ان کے دل میں پیدا کئے ہیں چنانچہ ان کی شاعری بھی اصل سے دو منزلیں دور ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ شاعری کیونکہ جذبات کو مشتعل کرتی ہے اس لئے وہ شہریوں کے اخلاق پر برا اثر ڈالے گی اس لئے ایسی شاعری اور وہ شاعر جو شہریوں کو گمراہ کرے، خیالی ریاست میں نہیں رہ سکتا۔ افلاطون کا خیال کہ وہ شاعری جس میں بری عورتوں کے کردار لڑتے جھگڑتے دکھائے جائیں، خداؤں اور دیوتاؤں کے کرداروں کو مسخ کر کے پیش کیا جائے، ہیروز اور بہادروں کو بری حالت میں مرتے دکھایا گیا ہو، ایسی کہانیاں شہریوں اور خاص کر سکول کے طالب علموں کے اخلاق پر بہت برا اثر ڈالیں گی اور انہیں اچھا شہری بنانے میں مددگار ثابت نہیں ہوں گی۔ چنانچہ ایسے تمام ادب کو وہ بہ یک قلم منسوخ کرتا ہے اور شاعروں کو اپنی خیالی ریاست سے بے دخل کرتا ہے۔

افلاطون نے جمہوریہ Republic میں شاعری پر جو اعتراضات اٹھائے ہیں ان سے بے شک آپ متفق نہ ہوں لیکن ایک بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ کہ یہ اعتراضات پہلی بار کئے گئے ہیں اور اس سے تنقید کا ایک راستہ نظر آیا ہے۔ افلاطون نے تنقید پر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی۔ جمہوریہ اور دوسرے مکالموں میں شاعری پر اظہار خیال کیا ہے جس نے اسے پہلے باقاعدہ نقاد کی صورت میں ابھارا ہے۔ ان اعتراضات سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے شاگرد رشید ارسطو نے ان اعتراضات کے جواب میں ایک ایسی کتاب بوطیقا لکھ ماری جو آج تک تنقید کی ایک مستند اور تاریخی دستاویز مانی جاتی ہے اگر افلاطون جھنجھلا کر شاعری پر اعتراض نہ کرتا تو شاید ارسطو بوطیقا نہ لکھتا۔

شاعری پر بھرپور تنقید کے بعد افلاطون سقراط کے حوالے سے موسیقی پر گفتگو کرتا ہے اور گیت میں الفاظ، موڈ اور وزن کے بنیادی عناصر پر بحث کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ "تھکے ماندے" گیت شہریوں کے لئے مفید نہیں۔ صرف وہی موسیقی مفید ہے جس میں اخلاقی اور جمالیاتی تربیت شامل ہو۔ موسیقی سقراط کے نزدیک روح کی تطہیر اور تربیت کرتی ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب موسیقی سنانے والا روحانی، شریف اور با کردار ہو۔ حسن اور مسرت محبت کی جان ہے۔ موسیقار کو حسن اور مسرت سے محبت ہونی چاہئے۔ ریاست کے محافظوں کو زمانہ جنگ میں گیت سننے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ امن کے زمانے میں صرف وہ گیت سنیں گے جو حمدیہ ہوں گے۔ غیر متوازن اور شوریدہ موسیقی روح اور خیالات میں انتشار پیدا کرتی ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ سقراط نے محافظین کے لئے باقاعدہ خوراک کا ایک چارٹ بنایا ہے اور سپاہیوں کے لئے ایک ایسی خوراک تجویز کی ہے جو ان کی جسمانی ساخت میں برے اثرات مرتب نہ کرے۔ اس طرح ایسی موسیقی سے پرہیز کرنے کی تنبیہہ کی ہے جو روح میں انتشار پیدا کرے۔ سقراط کہتا ہے کہ روح اور جسم کی تعلیم متوازن ہونی چاہئے بعض اوقات ناتجربہ کار روح خیالات میں انتشار کی وجہ سے جھگڑے فساد میں مبتلا ہو کر عدالتوں میں چلی جاتی ہے اور غیر صحت مند جسم بیمار ہو کر ہسپتالوں میں چلا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو پھر ریاست کو ڈاکٹروں اور ججوں کی زیادہ ضرورت پڑے گی لیکن اگر روح اور جسم کی تعلیم طریقے سے ہو گی تو ہم چند ڈاکٹروں اور چند ججوں سے کام چلا لیں گے۔ دونوں تربیتیں متواتر اور ساتھ ساتھ ہونی چاہئیں۔ کیونکہ میوزک کے بغیر ریاست میں صرف وحشیوں

اور درندوں کا ہجوم ہوگا۔ جسمانی تعلیم کے بغیر ریاست صرف بیماروں اور غیر صحت مند لوگوں کی بستی ہوگی۔ سقراط کا نظریہ یہ ہے کہ اچھی ریاست اچھے شہریوں سے وجود میں آتی ہے۔

انسان کی جسمانی اور نفسیاتی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے افلاطون کہتا ہے کہ انسانی نفسیات تین دائروں میں گردش کرتی ہے۔

1. Desire (APPETITE - IMPULSE - INSTINCT)
2- EMOTION (COURAGE - AMBITION - SPIRIT)
3- KNOWLEDGE (THOUGHT - INTELLECT - REASON)

1- Desire: ہماری جبلت، فطری خواہش، بھوک اور جنس طاقت کا منبع ہے اس کا مرکز کمر ہے۔

2- Emotions: ان کا تعلق روح، خواہش اور حوصلے سے ہے اور ان کا مسکن دل ہے۔ خون کی گردش اسی کے دم سے چلتی ہے۔

3- Knowledge: فکر، دلیل اور ذہانت کو جنم دیتا ہے۔ اس کا مرکز سر ہے لیکن اس کا رابطہ مندرجہ بالا دونوں چیزوں سے ہے۔ عالم روح اور جنس دونوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

سقراط یہ خاکہ کھینچ کر فیصلہ دیتا ہے کہ کچھ انسان کمر کے زور پر چلتے ہیں، کچھ دل کے زور پر اور کچھ علم کی انگلی پکڑ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے انسان جو Desire کے ضمن میں آتے ہیں، مادی دنیا کے کاروبار میں تیز ہوتے ہیں۔ یہ صنعت اور کاروبار میں کھپ جاتے ہیں۔ Emotions رکھنے والے میدان جنگ میں کارفرما نظر آتے ہیں اور فوجی شعبے میں چلے جاتے ہیں۔ تیسری قسم کے انسان کاروبار اور فوج میں نہیں جاتے۔ تیسری قسم کے انسان علم اور خیر کے جویا ہوتے ہیں۔ فکر اور محویت میں مسرت تلاش کرتے ہیں۔ سقراط اب خیالی ریاست کے حکمرانوں کا ذکر کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ تاجر پیشہ لوگ صرف صنعت اور پیداوار کا عمل جاری رکھیں گے۔ حکومت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ فوج اور محافظین کا کام صرف سرحدوں کی حفاظت اور بیرونی حملوں سے بچاؤ ہوگا۔ ان کا کام حکومت کے کاموں میں دخل دینا بالکل نہیں۔ حکومت صرف عالم لوگ کریں گے جن کی رہنمائی فلاسفی اور سائنس کرے گی۔ جس طرح علم خواہشات کی رہنمائی کرتا ہے، اس طرح لوگوں کے لئے ایک فلسفی رہنما ضروری ہے۔ اسے افلاطون فلسفی بادشاہ Philosopher King

کا نام دیتا ہے۔اس کے علاوہ کسی طبقے کی حکمرانی کو افلاطون ریاست کی تباہی کا نام دیتا ہے۔تاجر کا دل دولت کا شیدائی ہے وہ ریاست کے شہریوں کی بھلائی کی بجائے اپنی تجوری بھرے گا اس لئے اس کا حکومت میں آنا سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

Ruin comes when the trader whose heart is lived up by wealth becomes ruler.

افلاطون کی فکر کا مرکزی مقصد فلسفی بادشاہ ہے وہ مثالی ریاست کے لئے فلاسفر کنگ کو لازمی قرار دیتا ہے ریاست اور شہریوں کی خوشحالی کا راز صرف اور صرف فلاسفر کنگ کی حکمرانی ہے۔

افلاطون نے فلسفی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک سچا فلسفی سچائی کا متلاشی ہوتا ہے، سچا حسن ہے اور حسن اشیاء کے اندر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ صرف سن کر اور دیکھ کر مسرت حاصل کرتے ہیں۔ رنگوں اور ظاہری چیزوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کا علم ظاہری ہوتا ہے انہیں ہم فلسفی نہیں کہہ سکتے وہ باطنی حسن تک نہیں پہنچتے۔لیکن مقابلتاً ایک طبقہ جو باطنی حسن پر نظر رکھتا ہے استغراق اور فکر کے ذریعے حسن مجرد تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ وہ فلسفیوں کی تعریف پر پورا نہیں اترتا ہے۔ گردوپیش کی چیزوں کے ظاہری حسن سے تسکین حاصل کرنے والا شخص فلسفی نہیں ایک عام شاعر، فنکار اور مصور ہوتا ہے۔ان لوگوں کا تعلق علم ظاہری سے ہے۔ایک علم نظری اور باطنی ہے جس کا تعلق حقیقت ہے اور حقیقت کی کئی تہیں ہوتی ہیں۔ ان تک صرف اس کی رسائی ہوتی ہے جو علم باطنی اور نظری پر عبور رکھتا ہو۔ افلاطون Philosopher king کے لئے علوم ظاہری اور باطنی کی قید لگاتا ہے۔ جو ایک فلاسفر کو عملی فلاسفر بناتے ہیں۔ سقراط کی اس گفتگو کے دوران ایڈیمیٹس کہتا ہے کہ فلسفے کا طالب علم عام طور پر بے کار، مایوس اور دنیا سے لاتعلق ثابت ہوتا ہے۔ سقراط جواب دیتا ہے کہ اس کا الزام فلسفے پر نہیں ان لوگوں پر دھرا جانا چاہئے جو فطری لگاؤ نہ ہونے کے باوجود فیشن کے طور پر فلسفہ پڑھنے کا انتخاب کرتے ہیں۔ تیزی سے پڑھتے ہیں جلد ہی بحث میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ فلسفے کی توقیر کم کر کے خود گمراہ ہو جاتے ہیں۔ سقراط اس کا علاج ''خیر'' کی تعلیم تجویز کرتا ہے جسے وہ اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ سقراط علم کی دو قسمیں بتلاتا ہے۔ علم ظاہری اور علم باطنی۔

علم ظاہری: آنکھ سے ہے جو ہمیں صرف ظاہری اشیاء کا وجود دکھاتی ہے۔ علم باطنی کا تعلق علم

دانش سے ہے جو ذہانت کے ذریعے ہمیں چیزوں کی اصل تک پہنچاتا ہے۔ علم ظاہری میں صرف سائے اور عکس ہیں۔ مادی اشیاء کے مختلف روپ ہیں جبکہ علم باطنی میں چیزوں کے اصل حسن اور چیزوں کے باطن تک پہنچا دیتا ہے۔ افلاطون جیومیٹری کو بھی علم باطنی کے ضمن میں لاتا ہے اور کہتا ہے کہ جیومیٹری بھی چیزوں کے اصل تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ افلاطون اور عہد جدید کے فلسفی برٹرینڈ رسل دونوں کے نزدیک علم ہندسہ اور جیومیٹری فلاسفی کیلئے از حد ضروری ہیں۔

دونوں علوم کے فرق کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے سقراط غار میں قید قیدیوں کی تمثیل بیان کرتا ہے جسے دنیائے ادب کی مشہور ترین ایلیگری مانا جاتا ہے۔ افلاطون نے بچپن سے غار میں مقید قیدیوں کا نقشہ کھینچا ہے جن کی گردنوں میں طوق اور پیروں میں زنجیریں ہیں (دونوں لاعلمی اور جہالت کے استعارے ہیں ان کا بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں غار کے دہانے کی طرف ان کی پشت ہے۔ باہر گزرنے والے لوگوں اور مویشیوں کے سائے ان کے سامنے دیوار پر لرزتے ہیں۔ ان قیدیوں نے کچھ اور نہیں دیکھا۔ وہ ان سایوں کو ہی حقیقت دنیا سمجھتے ہیں ان کی بصیرت غار کی اندھی دنیا تک محدود ہے جو لاعلمی اور جہالت کی دنیا ہے۔ انہوں نے دیوار پر لرزتی شبیہوں اور سایوں کے اپنے نام رکھے ہوئے ہیں جو حقیقی نہیں۔ ان میں سے ایک قیدی زنجیروں سے رہائی حاصل کر کے باہر چلا جاتا ہے۔ باہر سورج ہے جو حقیقت کا مظہر ہے۔ سورج کی چمکدار روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اس پر حقیقت بے نقاب ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو وہ دیواروں پر سایوں کی صورت میں لرزتا دیکھتا تھا۔ ان کا اصل روپ اس پر کھلتا ہے اور وہ بیرونی دنیا کی حقیقت کے قریب آجاتا ہے اور جہالت سے دور ہو جاتا ہے اس کے دل میں ایک خواہش جنم لیتی ہے کہ وہ غار میں جا کر برسوں سے قید ساتھیوں کو بھی چیزوں کی اصل سے آگاہ کرے اور انہیں جہالت اور لاعلمی کے اندھیروں سے نجات دلائے۔ جب یہ ''آزاد'' شخص غار میں جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اور اسے وہ سائے اور ہیولے بھی دیوار پر نظر نہیں آتے جو اسے پہلے دکھائی دیتے تھے کیونکہ اب اس کی آنکھوں میں روشنی کا بسیرا ہے اور وہ حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھی اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ باہر جا کر اس نے کیا حاصل کیا یہی کہ اپنی بینائی کھو آیا۔ چنانچہ وہ اسے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے اور اسے دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تم نے باہر جانے کی کوشش کی تو تمہیں ہلاک کر دیں گے۔

سقراط اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ غار کی دنیا لاعلمی اور جہالت کی دنیا ہے جس کا علم اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ غار سے باہر کی طرف سفر دراصل عمل کی دنیا اور روح کی طرف سفر ہے۔ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور اندھے پن سے بصارت کی طرف روانگی ہے۔ یہ روشنی اور سورج علم اور خیر کی علامت ہے۔ سقراط اس تمثیل کے بعد ساتھیوں سے کہتا ہے کہ ہمارے فلسفی بھی بے کار اور اندھے ہو چکے ہیں۔ وہ غار میں رہنے والے قیدیوں کی طرح ہیں جو باہر جا کر اپنی بصارت کھو دیتے ہیں۔ غار میں داخل ہوں تب بھی انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ باہر کے اندھے پن پر تو رشک کیا جا سکتا ہے لیکن ان کا اندر جا کر اندھا ہونا قابل رحم اور قابل افسوس ہے۔ افلاطون Philosopher king کو اس قابل رحم حالت سے بچانا چاہتا ہے۔

سقراط کا کہنا ہے کہ انہیں بچپن ہی میں ایسی تربیت اور تعلیم دی جائے کہ غار کے اندھیرے سے نکل کر سورج کی طرف لایعنی سے علم کی طرف سفر کریں۔ بقول سقراط موسیقی اور ورزش کی تعلیم کے بعد انہیں میدان جنگ میں جا کر مشاہدہ کرنا چاہئے اور پھر 30 سال کی عمر کے بعد انہیں علم و دانش کی طرف راغب کیا جائے۔

افلاطون کا نظریہ ہے کہ Philosopher king کا انتخاب ادھیڑ عمر اور نوجوان شہریوں سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں برائیاں گھر کر جاتی ہیں اور باقاعدہ تعلیم و تربیت کا فقدان ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے اس انتخاب کے لئے افلاطون ریاست میں سے دس سال کی عمر تک کے بچوں کو تلاش کرتا ہے تا کہ ان کو والدین کے برے اثر سے بچا کر باقاعدہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کیا جا سکے۔

> Sending out into the country all the inhabitants of the city who are more than ten years old, and by taking possession of the children, who will thus be protects from the habits of their parents. (540)

ان بچوں کی بلا امتیاز تربیت کی جائے گی اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے کیونکہ یہ بالکل نہیں کہا جا سکتا کہ صلاحیت کی روشنی کہاں چھپی ہوئی ہے ان بچوں کے پہلے دس سال کھیلوں اور کھیل

کے میدان میں گزریں گے تاکہ جسمانی طور پر یہ نسل مضبوط ہو اور ڈاکٹروں سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔
اس تربیت کو افلاطون بے حد ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ:

Utopia must begin in the body of man.

جسمانی تربیت کے بعد افلاطون اگلے دس سال موسیقی کے لئے مقرر کرتا ہے کیونکہ توانا جسم میں حوصلہ اور جمالیت صرف موسیقی پیدا کرتی ہے۔ افلاطون ''ریاست'' میں صرف کھلاڑیوں اور باڈی بلڈرز کی فوج نہیں چاہتا۔ ان میں جمالیت اور حوصلے کی بیداری بھی چاہتا ہے اس کا نظریہ ہے کہ موسیقی کے اوزان اور غنائیت روح کے نہاں خانوں میں اتر کر روح کو بیدار اور شگفتہ کرتی ہے اور بقول پروٹا گوراس (Protagoras) موسیقی روح کو پرشکوہ اور توانا بناتی ہے۔ افلاطون مشہور موسیقی دان Damon کے حوالے سے کہتا ہے کہ موسیقی میں ہونے والی تبدیلیاں ریاست کے بنیادی قوانین میں تبدیلیاں ہیں۔

When modes of music change, the fundamental laws of the state change with them.

افلاطون کا خیال ہے کہ موسیقی کردار اور شخصیت پر گہرا اثر مرتب کرتی ہے نہ صرف روح بلکہ جسم کی کئی بیماریوں کا موسیقی سے علاج ممکن ہے۔ Corybaintic کا پادری عورتوں میں ہسٹریا کی بیماری کا علاج بانسری کے میوزک سے کرتا تھا۔ بانسری کی دھن پر وہ ناچتی رہتی تھیں حتیٰ کہ ناچتے ناچتے تھک کر گر جاتیں۔ جب نیند سے بیدار ہوتی تھیں تو ان کی بیماری دور ہو جاتی تھی۔

موسیقی کی تربیت بھی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے جس طرح حد سے بڑھی جسمانی تربیت شہری کو وحشی بناتی ہے۔ موسیقی کا یک طرفہ رجحان شہری کو بے حد Soft nature یا نرم بنا دے گا۔ چنانچہ 16 سال کی عمر کے بعد میوزک کی تعلیم بند کر دینا چاہئے۔ صرف حمدیہ گیت گانے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اب طالب علم کی توجہ علم ہندسہ سائنس اور تاریخ کی طرف دلائی جائے لیکن یہ علوم اس پر زبردستی نہ ٹھونسے جائیں بلکہ طالب علم کا فطری میلان دیکھا جائے۔

Knowledge which is acquired under compulsion has no hold on the mind. Therefore do not use compulsion, but let early education be rather a sort of amusement this will better you to find out

the nature bent of the child.

تعلیم کا یہی نچوڑ ہے جو علم باطنی اور نظری عطا کرتا ہے چیزوں کے پس منظر میں چیزوں کا مطلب اور حقیقت دریافت کرنا خیر، نیکی، سچائی اور مسرت کا کھوج لگنا، یہ کھوج صرف Mind's Eye سے مل سکتا ہے جو صرف علم باطنی عطا کرتا ہے۔

خرد کے پاس خیر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہاں نظر سے مراد چیز کو اس کی حقیقت تک پہنچنا ہے۔ سقراط نے الیگری کی مثال دے کر اسی بات کو ثابت کیا ہے کہ چیزیں جو نظر آتی ہیں ایک ناتجربہ کار فلاسفر انہیں اصل خیال کرتا ہے جب کہ حقیقت کچھ اور ہے لیکن Doctrine of Ideas طالب علموں کو اس کائنات کی اصل اور حقیقت تک پہنچائے گا اور علم کے متلاشی اور عاشق مسرت خیر اور نیک تک پہنچ جائیں گے۔ 5 سال کی اس کٹھن تربیت کے بعد یہ لوگ بالآخر شہری زندگی کی اس سب سے بڑی نشست پر براجمان ہو جائیں گے جو Philosopher king کی منتظر ہوتی ہے۔ افلاطون نے محافظین یا Philosopher king کے رہن سہن ان کی ذاتی ملکیت کا نقشہ تفصیل سے اپنی کتاب میں کھینچا ہے۔ سقراط کہتا ہے کہ ریاست کے ان حکمرانوں کی کوئی ذاتی ملکیت یا مکان نہیں ہوگا۔ یہ سب مل کر سپاہیوں کی طرح بڑے بڑے کمروں میں رہیں گے جن کے دروازوں پر کوئی تالہ نہیں ہوگا۔ لوہے کی بڑی بڑی رکاوٹیں نہیں ہوں گی۔ ان کے دروازے ہر شہری کے لئے کھلے ہوں گے۔ وہ حکومت سے مقررہ سالانہ وظیفہ لیں گے جو ان کے سالانہ اخراجات کے لئے کافی ہوگا۔ وہ مل کر کھانا کھائیں گے اور مل کر رہیں گے لیکن اگر وہ اپنے گھر اور اپنی ملکیت کا لالچ کریں گے تو وہ ریاست کے دوست کی بجائے دشمن کہلائیں گے اور Philosopher king کی بجائے انہیں ریاست کے دشمن کے نام سے پکارا جائے گا۔ ان کی جنسی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے سقراط کہتا ہے کہ انفرادی طور پر ان کی کوئی بیوی نہیں ہوگی بلکہ سامان کی طرح بیویاں بھی مشترک ہوں گی۔ جنس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ کوئی عورت جس کے ساتھ شب بسری کرے اسے اجازت ہوگی جوں ہی بچے پیدا ہوں گے انہیں ماؤں سے لے کر تربیت گاہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ کسی بچے کی کوئی ولدیت نہیں ہوگی۔ سب بچوں کو ایک جگہ تربیت دے کر

پروان چڑھایا جائے گا۔ تمام محافظ مائیں تمام بچوں کی پرورش کریں گی۔ ہر لڑکا دوسرے لڑکے کا بھائی ہر لڑکی دوسری لڑکی کی بہن اور ہر عورت بچے کی ماں ہوگی۔

افلاطون نے عورت کو مردوں کے برابر حقوق دیئے ہیں۔ اپنی اہلیت کے مطابق وہ ریاست کے ہر عہدے تک پہنچ سکتی ہے۔ اسے صرف ذہانت کے وہ امتحان پاس کرنے ہوں گے جو اس عہدے کے لئے ضروری ہوں گے۔

سقراط نے کسی بھی منصب کے لئے جنس کی شرط عائد نہیں کی بلکہ اس کے لئے اہلیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ سقراط دلیل دیتا ہے کہ اگر کتا ریوڑ کی رکھوالی کر سکتا ہے تو کتیا بھی اس کام کو سرانجام دے سکتی ہے۔ گھوڑا چھکڑا کھینچ لیتا ہے تو گھوڑی بھی اس کام میں پیچھے نہیں۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ اگر عورت اہل ہے تو اسے اعلیٰ منصب دیا جانا چاہئے۔ اچھی نسل اور توانا قوم کے سلسلے میں افلاطون نے شادی سے پہلے میاں بیوی کا صحت مند ہونا ضروری قرار دیا ہے اور اس کے لئے وہ ہیلتھ سرٹیفکیٹ کی شرط لازمی قرار دیتا ہے۔ افلاطون کا نظریہ ہے کہ اگر مویشیوں کے باڑے میں ہم اچھے **Breed** کی پیوندکاری کے لئے اچھے مویشی حاصل کر سکتے ہیں، انسانوں کی اچھی نسل کے لئے بھی یہ طریقہ مفید ہو سکتا ہے۔ صحت مند بچے جنم دینے کے لئے عورت کی عمر 20 سے 30 سال بہتر ہے اور مرد 30 سے 45 سال تک مٹی میں بیج بو سکتا ہے۔ وہ بچے جو جسمانی طور پر نامکمل ہیں، انہیں مار دینا چاہئے۔ غیر لائسنس شدہ بچوں سے افلاطون کی مراد ناجائز اولاد ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ رشتہ داروں کی آپس میں شادیوں کو ممنوع قرار دیا جائے بلکہ اچھی نسل کے مرد اور عورتوں کو کثرت سے موقع دیا جائے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کریں۔ اچھی نسل اچھی فوج اور اچھے شہریوں کی پیدائش کے لئے یہ ازحد ضروری ہے ورنہ ایک دن آئے گا جب بیرونی حملہ آور یونانیوں کو تہہ تیغ کر دیں گے۔ سقراط **Philosoper king** کی بحث ختم کرنے کے بعد خیالی ریاست کے سیاسی نظام کی طرف آتا ہے۔

افلاطون کا خیال ہے کہ تعلیم، رہن سہن اور شہری آزادی کے سلسلے میں ہر شہری کو جمہوری فضا دستیاب ہوگی۔ ہر شہری اپنی ذہانت سے جو عہدہ چاہے حاصل کر سکے گا۔ ریاست کی نوکریاں ووٹوں کے ذریعے نہیں بلکہ اہلیت کے معیار پر حاصل کی جا سکیں گی لیکن یہ مرحلہ ٹریننگ کے بعد طے ہوگا۔ نچلی سطح کی

نوکری پر فائز آدمی تربیت اور ٹریننگ کے بعد بڑی نوکری پر جا سکے گا۔ سفارش کے بل بوتے پر وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا صرف ذہانت اور اہلیت اس کی سب سے بڑی سفارش ہوگی۔

افلاطون نے فرد اور ریاست دونوں کو اہم قرار دیا ہے دونوں کو وہ ایک دوسرے کا حصہ سمجھتا ہے کیونکہ وہ پہلے کہہ چکا ہے کہ اچھے شہری ہی اچھی حکومت بناتے ہیں جو عناصر کسی فرد کی تباہی کا باعث بنتے ہیں وہی اسباب ریاستوں کے زوال کی وجہ بنتے ہیں۔ افلاطون نے طریق حکومت کی پانچ اقسام بتلائی ہیں۔

1- اشرافیہ حکومت 1- ARISTOCRACY

2- سرداروں کی حکومت 2- TIMOCRACY

3- دولت مندوں کی حکومت 3- OLIGARCHY TYRANNY

4- شخصی یا ڈکٹیٹر شپ 4- DICTATORSHIP

5- جمہوریت 5- DEMOCRACY

اشرافیہ حکومت وہ طرز حکومت ہے جسے چند معزز لوگ مل کر چلاتے ہیں۔ یہ سب حکومت کے اہل ہوتے ہیں لیکن کہیں نہ کہیں خرابی کی وجہ سے اسے زوال آ جاتا ہے یا تو ان کی نسل اسلاف کی تربیت سے نا آشنا ہو جائے گی۔ یہ نسل موسیقی، جسمانی ساخت اور علم سے دور ہو جائے گی اور آہستہ آہستہ اشرافیہ نظام Timocracy میں بدل جائے گا۔ Timocracy میں حکومت وقار اور یہ اعزاز کے بل بوتے پر کی جائے گی۔ حکمران کسی صاحب عزت شخص کا بیٹا ہوگا۔ عقل کی بجائے وہ جذبات کا غلام ہوگا۔ موسیقی اور تقریروں سے لگاؤ رکھے گا۔ ایسا حکمران عموماً کسی بہادر باپ اور فلسفی ذہن کی اولاد ہوتا ہے لیکن عام طور پر اسے یہ گلہ ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے دولت نہیں کمائی۔ چنانچہ ابتداء میں تو وہ دولت سے نفرت کرتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ دولت کا شیدائی ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے جو اس کے باپ سے مختلف ہوتے ہیں۔ باپ نے حکومت میں عقلی رویئے کو جائز قرار دیا تھا لیکن بیٹا جذباتی رو میں بہہ کر اپنے وقار اور جان و جسم میں اضافے کے لئے حکومت کرتا ہے جس سے عام شہری کو فائدہ نہیں ہوتا۔

دولت مندوں کی حکومت کو سقراط Oligarchy کا نام دیتا ہے۔ یہ وہ طرز حکومت ہے جس

میں دولت مند طبقہ اپنی دولت کے بل بوتے پر حکومت کرتا ہے۔ پرائیویٹ ملکیت کا رجحان بڑھنے لگتا ہے۔ دولت مند طبقہ دن بہ دن امیر ترین ہوتا جاتا ہے۔ دولت میں اضافہ کی دوڑ میں ہر حکمران ایک دوسرے سے آگے بڑھنا شروع کرتا ہے اور شہریوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ یہ طبقہ انصاف وعدل کی تعریف بھول جاتا ہے اور ریاست کا سارا نظام چند امیروں کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ ریاست بدحالی کا شکار ہو جاتی ہے۔

Worst of all, in an oligarchy a man may be forced to sell all his property and live dependent on the state.

ایسی حالت میں ریاست کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور چاروں طرف چور نظر آتے ہیں۔

Thus there are large number of paupers and as a result, there are many theives.

ایسی حکومت میں جرائم بڑھ جاتے ہیں۔ شریف لوگ خوف زدہ رہتے ہیں۔ گداگری بڑھ جاتی ہے۔ فقیروں کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ چور اور جیب کترے پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔

Whenever you see beggars in any city, you may be sure that hidden somewhere not far off, are thieves, cut purses, and craftsmen of all crimes of that sort.

دولت مندوں کی حکومت کا یہ مکروہ انداز آخر ریاست میں غریبوں کو متحد کرنے کا سبب بنتا ہے۔ امیروں کا لالچ اور مزید دولت کمانے کی ہوس غریبوں کو فاقوں اور بدحالی کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور وہ تنگ آ کر ''جمہوری فرد'' کی زیرِ قیادت بغاوت کر دیتے ہیں اور Oligarchy جمہوریت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔

Democracy میں ہر کوئی آزادی کی فضا میں سانس لیتا ہے۔ ہر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے عورت کسی عورت کے خوبصورت فراک کی تعریف کرے۔ سقراط کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا طرزِ حکومت ہے جس میں کوئی کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ ہر کوئی اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے اور سب مل کر حصہ بانٹتے ہیں۔ قانون کا احترام نہیں رہتا۔ اگرچہ جمہوری فرد کا

نعرہ ''آزادی اور مساوات'' ہوتا ہے لیکن اس سے تمام ادارے افراتفری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ افلاطون اسی صورتحال میں ایک ڈکٹیٹر کو ابھرتا دکھاتا ہے۔

افلاطون کہتا ہے کہ ''جمہوری فرد'' اپنے بیٹے کو اجازت دے دیتا ہے کہ وہ جمہوری دور میں اپنی وہ خواہشات پوری کرے جو قانون کے دائرے میں آتی ہوں۔ بیٹا اس پر عمل کرتا ہے اور پھر اس کی قانونی خواہشات غیر قانونی خواہشات میں بدل جاتی ہیں۔ محبت کا مارا، نشے میں دھت اور ذہنی انتشار کا شکار یہ نوجوان گمراہ ہو جاتا ہے۔ روحانیت کو زوال آنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ دعوتوں طوائف کے مجروں اور عیاشی میں پڑ جاتا ہے۔ اس کے لئے اسے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھر والے اسے رقم نہیں دے سکتے۔ وہ اس کے لئے انہیں دھمکی دے گا۔ دھوکہ دے گا اور سزا بھی۔ اپنے جیسے دوستوں کا گروپ بنا کر وہ قتل، غارت اور ڈاکہ زنی سے بھی پرہیز نہیں کرے گا اور پھر ایک دن وہ اپنے گروپ کے ساتھ اپنی ریاست کا ڈکٹیٹر بن جائے گا۔

سقراط اپنے دوستوں سے کہتا ہے میرے نزدیک اشرافیہ سب سے بہتر طرز حکومت ہے اور سب سے بدتر ڈکٹیٹر شپ۔ وہ دونوں طرز حکومت کی اچھائیاں اور برائیاں تاریخی امتیاز سے ثابت کرتا ہے چنانچہ وہ مثالی ریاست کے لئے اشرافیہ طرز حکومت یعنی Aristocracy کو لازمی قرار دیتا ہے۔

کتاب کے آخر میں یعنی نویں جلد میں سقراط روح اور مسرت کی بحث چھیڑتا ہے۔ سقراط کے نزدیک روح اور مسرت کی تین بنیادی خصوصیات ہیں۔

-1 ایسی روح جو علم کی متلاشی ہے۔

-2 ایسی روح جو وقار اور عزت کی خواہش مند ہے۔

-3 ایسی روح جو دولت پسند ہے۔

سقراط پہلی قسم کو اعلیٰ ترین قرار دیتا ہے۔ سقراط کہتا ہے کہ علم کی محبت اور تلاش ہی انسان کو سچی مسرت سے دوچار کرتی ہے۔ علم کی محبت، سچی مسرت کی تلاش ظاہر و باطن میں ہم آہنگی یہی ایک سچے مصنف کی تعریف ہے۔ چنانچہ خیالی ریاست میں اسی پر عمل پیرا ہو کر انصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔

آخری کتاب میں افلاطون نے شاعری کی بحث کو دوبارہ چھیڑا ہے لیکن یہاں اس کی زبان

شاعروں کے لئے تلخی کم لئے ہوئے ہے۔ وہ 50 سال سے زائد عمر کے شاعروں کو ریاست میں آنے کی اجازت دے دیتا ہے لیکن شرط یہ عائد کرتا ہے کہ وہ نیک، بااخلاق اور شریف ہوں۔ ان کے لئے وضع کرے کہ وہ اخلاق کے دائرے میں رہ کر شاعری کریں۔ حمد یہ نظمیں لکھیں۔ اسلاف اور ہیروز کی زندگی کو منظوم کریں اور ایسا کوئی خیال اپنی شاعری میں نہ لائیں جو شہریوں کے اخلاق پر برا اثر ڈالے۔ کتاب کے آخری صفحات میں سقراط نے بحث سے یہ بات ثابت کی ہے کہ روح ابدی ہے۔ ہر چیز کی اچھائی کو کوئی نہ کوئی برائی فنا کرتی ہے۔ جیسے گندم کو کیڑا، لکڑی کو گھن، اس میں شک نہیں کہ روح کے ساتھ بھی کچھ برائیاں ہوتی ہیں لیکن یہ اسے فنا نہیں کر سکتیں کیونکہ روح جسم نہیں۔ اس سے الگ کوئی چیز ہے۔

آخر میں سقراط کہتا ہے انسانی صفات کا اصل جوہر انصاف ہے۔ دیوتا منصف انسان کا احترام کرتے ہیں اور دوسری دنیا میں اس کے سواگت کے لئے نعمت واکرام اس کے منتظر رہتے ہیں۔

ٹریجڈی

Tragedy

۱۔ اسکائی لیس

۲۔ سوفیکلیز

۳۔ یوری پیڈیز

یونانیوں نے ڈرامے کا فن مصریوں سے لیا۔ ڈرامے کی صنف اور پلاٹ کے سلسلے میں انہوں نے مصریوں کی نقل کی۔ مصریوں کے ہاں (Passion Play) نے عبادت خانوں میں جنم لیا اور پلاٹ دیو مالائی کہانیوں سے نکلا جس کے سارے کے سارے کردار ان کے دیوتا تھے۔ مصریوں کے ڈراموں کا ہیرو ان کا دیوتا Osiris تھا جسے وہ زندگی اور موت کا دیوتا کہتے تھے جس کی پیدائش زمین اور آسمان کے ملاپ سے ہوئی تھی۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ Osiris آسمان سے زمین پر اترا۔ لوگوں کے وحشیانہ اطوار بدلے۔ قانون کا عادی بنایا۔ اس کی بہن اس کی بیوی بھی تھی۔ اس کا نام Isis تھا۔ اس نے لوگوں کو کھیتی باڑی کے گر سکھائے۔ ان اچھے اور نیک کاموں کی وجہ سے ان کا بھائی Set یعنی موت ان کے خلاف ہو گیا۔ اس نے Osiris کے ٹکڑے کر کے اسے دریائے نیل میں پھینک دیا۔ اس کی بیوی Isis خاوند کی تلاش میں ماری ماری پھرتی رہی۔ اس صحرا نوردی میں اس نے ایک بچے Horus کو جنم دیا۔ لیکن صرف اپنے بھائی اور خاوند کو تلاش کرنے کے لئے اس کے چودہ ٹکڑے کر کے چاروں طرف پھینک دیئے۔ مسلسل تلاش کے بعد اسے خاوند کے ٹکڑے مل گئے۔ مذہبی اشلوکوں سے وہ زندہ ہو گیا اور عالم ارواح کا حکمران بن کر حکومت کرنے لگا۔

یہ مذہبی یا Passion Play عبادت گاہوں میں کیا جاتا تھا۔ دیوتا کی موت، زندگی کی بازیابی کی ساری تفاصیل اسٹیج پر پیش کی جاتی تھیں چنانچہ یہ ڈرامہ مصریوں کی مذہبی تقریبات کا حصہ بن گیا۔

ٹریجڈی

(TRAGEDY)

ٹریجڈی (Tragedy) یونانی لفظ Tragoidia سے ماخوذ ہے جس کا مطلب "بکری کا گیت گانے والا Goat Singer" ہے۔ نقادوں اور محققوں نے بہت کوشش کی ہے کہ المیے اور بکری کے گیت گانے والے کے تعلق پر روشنی ڈالی جائے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر اس مفروضے پر یقین کر لیا گیا کہ المیہ ڈراموں کے مقابلے میں شاید انعام حاصل کرنے والے ڈرامہ نگاروں کو بکری کا انعام ملتا ہو اور وہ اسے دیوتا کے نام پر قربان کر دیتا ہو۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس پر قریباً سارے نقاد اور محقق متفق نظر آتے ہیں اور اس اتفاق کا ایک طویل اور روایتی پس منظر ہے۔

پروفیسر Hiran نے ڈرامے کو فنون لطیفہ کی سب سے قدیم قسم قرار دیا ہے۔ تحقیق کے مطابق اس کی ابتدا یونانیوں میں Miracle Play سے ہوئی جو یونانی دیوتا Demeter کے سورناچ کی صورت میں پیش کیا جاتا تھا جسے وہ عبادت کا حصہ خیال کرتے تھے۔ قدیم یونان کی مذہبی رسومات اور عقائد میں ٹریجڈی اور ڈرامے کی ابتدائی صورت ابھرتی نظر آتی ہے۔ جدوجہد، عمل اور حرکت نے ڈرامے میں آہستہ آہستہ ڈھلنا شروع کر دیا۔ ابتدائی ڈرامہ نگاروں نے مذہبی عقائد میں جب بدی، نیکی کی کشمکش دیکھی موت اور زندگی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دست بدست دیکھا تو تصادم (Conflict) ڈرامے میں شامل ہو گیا جہاں تک پلاٹ Plot کا تعلق ہے مذہبی رسوم میں یہ پہلے سے شامل تھا۔ دیومالائی مذہبی کہانیاں، ڈرامے کا مواد فراہم کرنے لگیں۔ خدا، دیوتا، کردار بن کر ظاہر ہونے لگے اور اس طرح Passion Play اور Miracle Play کی بنیاد پڑی۔

قدیم یونان میں ڈرامے کی ابتدائی شکل مذہبی رسوم کی ادائیگی اور جادوٹونے میں دکھائی دیتی

ہے۔ موسم بہار کی رسومات یونانی ہزاروں طریقے سے مناتے تھے۔ ڈیلفی Delphi میں لوگ موسم بہار کی دیوی کی یاد میں ایک پتلی Charlia زمین میں دفن کرتے تھے اور اسے اچھی اور زرخیز فصل کے لئے نیک شگون خیال کرتے تھے۔ ڈاکٹر Jane - Ellen - Harrison نے اپنی مشہور کتاب Ancient Art and Ritual میں ایسی کئی رسومات کا ذکر کیا ہے جن میں ابتدائی ڈرامے کی شکل نظر آتی ہے مثلاً ایک رسم یہ بھی تھی کہ لوگ ایک کالی بکری کو جادو کی ایک چھڑی سے مارتے تھے اور کالے علم کا یہ جملہ کہہ کر گھر سے نکال دیتے تھے۔

Out with the ox Hunger, in with wealth and health.

میگنیشیا کے ایک یونانی شہر میں فصل کی بوائی کے وقت ایک بیل کو قربانی کے لئے پالا جاتا تھا۔ موسم خزاں اور موسم سرما میں اس کی پوری خدمت کی جاتی تھی۔ سارا شہر اس کے صحت مند جسم میں اپنی قسمت اور خوش بختی تلاش کرتا تھا اور پھر اپریل میں اسے ذبح کر کے اس کا گوشت کھا لیتے تھے۔ ایتھنز کے لوگ اس رسم کو ذرا بدل کر مناتے تھے۔ وہ بیل کو ذبح کر کے کھاتے اور پھر حنوط کر کے ہل میں جوت لیتے تھے اور خود بھاگ جاتے تھے اور جس کلہاڑے کے ساتھ بیل کو مارتے تھے اسے جلوس کی شکل میں پورے شہر میں لے کر گھومتے، روتے اور اسے برا بھلا کہتے۔

پروفیسر Hirn کے مطابق Demeter کا تہوار موسم بہار کے شروع میں منایا جاتا تھا اور پھر جب انگور پک کے تیار ہو جاتے تھے تب ڈایوانی سس (Dionysus) تہوار منایا جاتا تھا۔ ڈرامہ نویسوں کے نزدیک اس دیوتا کے کئی نام تھے۔ ڈایونی سس کو انسانی روپ دے کر کئی تقریبوں میں شامل کر دیا تھا۔ ڈایونی سس کے انہوں نے کئی نام رکھ لئے تھے مثلاً:

1- The Divine Youngman
2- The Spring Spirit
3- The God of Rebirth
4- The Bull God
5- The Goat God

ڈایونی سس کا تہوار بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا اور غالباً بکری کی قربانی کا سلسلہ اس

تہوار سے شروع ہوا تھا۔ ایک گروہ ڈانس اور حمد وثنا کرتا تھا۔ ناچنے والے Dithyramb کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یہ سارا گروہ بکری کی کھال کے کپڑے پہنتا تھا اور ان کا لیڈر دیوتا ڈایونی سس کی کوئی کہانی رقص کی حرکات سے بیان کرتا تھا۔ ڈایونی سس کے بارے میں یہ کہانی مشہور تھی کہ وہ زیوس اور Persephone یعنی بہار کی دیوی کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کو زمین کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ڈایونی سس نے پیدا ہوتے ہی باپ کے تخت پر قبضہ کرلیا اور بعد میں زیوس نے اس کا تختہ الٹ دیا اور ڈایونی سس کے ٹکڑے کر کے اسے زمین میں دفن کر دیا۔ بعض نقادوں کے نزدیک ڈایونی سس پر گزری ہوئی یہی قیامت ٹریجڈی کی ابتدا ثابت ہوئی۔ پروفیسر G.Murray نے اپنی کتاب اسکائی لس Aeschylus میں خیال ظاہر کیا ہے کہ:

> **Greek Tragedy is based on the sufferings of Dionysys."**

پروفیسر مرے Murray کی اس بات کی تائید یونان پر مستند پروفیسر Edith Himilton نے اپنی مشہور کتاب Greek WAY میں ایک ڈرامے Crete کی مثال دی ہے جس میں ڈایونی سس کی ساری کہانی کو پلاٹ بنا کر Passion Play کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس خاتون مصنف کے مطابق:

> **All that he had done or suffered in his last moment was executed before the eyes of his worshippers, who tore a live bull to pieces with their teeth and roamed the woods with frantic shouts..."**
>
> **(Edith Hamilton)**

ڈایونی سس کے تہواروں کو مذہبی درجہ حاصل تھا۔ موسیقی اور رقص اس کا اہم ترین حصہ تھے اور یونانی ڈرامہ ان سے آخر دم تک پیچھا نہ چھڑا سکا۔ لیکن یونانی المیہ اور طربیہ دونوں ان سے جنم لے کر آگے بڑھے۔ ارسطو اسی نظریئے پر اپنی کتاب بوطیقا میں زور دیتا ہے کہ ٹریجڈی اور کامیڈی کا آغاز انہیں رقص و موسیقی کی تقریبات سے ہوتا ہے۔

> "Tragedy and also comedy, was at first more improvisation. They are originated with the

leader of the dithyramb, the other with those of the phallic songs. Tragedy advanced by show degree, each element was in turn developed."

Dithyramb دراصل وہ گروہ یا طائفہ تھا جو ڈایونی سس کی حمد و ثنا کرتا تھا۔ بعد میں یہ حمد و ثنا دوسرے دیوتاؤں کے لئے بھی کی جانے لگی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب حمد و ثنا کا عنصر الیسے سے کم کر دیا گیا اور موسیقی کا عنصر بڑھ گیا اور یہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مکالموں کے عنصر میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔ نقادوں کے نزدیک Dithyramb کا یہی طائفہ یونانی ٹریجڈی کی ابتداء ثابت ہوا اور اس گروہ کا لیڈر پہلا ایکٹر بن کر ناظرین کے سامنے آیا۔

ابتداء میں Dithyramb صرف ناچنے والے گروہ کا کام سرانجام دیتا تھا۔ موسیقی پر اپنے بدن کے زاویے بنا کر دیوتا کی حمد و ثناء کرتا تھا لیکن ایک شخص Arion نے پہلی بار اس میں کچھ تبدیلیاں کیں۔ وہ پہلا ڈرامہ نگار تھا جس نے گیت لکھ کر موسیقی میں شامل کئے جو بعد میں Strophe اور Antistrophe کی شکل اختیار کر گئے۔ Arion نے اس گروہ کو بکری کی کھالیں پہنائیں اور اسٹیج پر گروہ کو اس طرح ترتیب دیا کہ دیکھنے والوں کو ایسا لگتا تھا جیسے ڈایونی سس خود اپنے پرستاروں کے سامنے آ رہا ہے۔ ناچنے والوں کے چہروں پر رنگ مل کر اس نے پہلی بار Masks کا خاکہ پیش کیا جس نے بعد میں مکمل طور پر ترقی یافتہ شکل اختیار کی۔ Arion کے بعد ایک بڑا نام Thespis کا ہے۔

Thespis بڑا فنکار تھا۔ میوزک، شاعری، اداکاری پر اسے پورا عبور حاصل تھا۔ اس نے چلتا پھرتا تھیٹر بنایا تھا۔ گاؤں گاؤں جاتا اور اپنے ڈرامے سے لوگوں کے دلوں میں ڈرامے، موسیقی کا شعور پیدا کرتا۔ دیہاتوں اور شہروں میں میلے لگتے تھے اور یہ ان میلوں میں اپنی نوٹنکی جما کر دیوتاؤں کی شان میں ڈرامے کرتا تھا۔ یونانیوں کے دلوں میں ڈرامہ دیکھنے اور سمجھنے کا شعور پیدا کیا۔ چنانچہ وہ سالہا سال اپنے گیتوں، کہانیوں کی وجہ سے زندہ رہا بلکہ اس کے بارے میں تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے ٹریجڈی کو مضبوط پلاٹ سے روشناس کرایا اور 535 ق م میں پختہ تھیٹر میں ہونے والے مقابلے میں پہلا انعام اسی کے ڈرامے کو ملا تھا۔ یہ پختہ تھیٹر کس نے بنایا؟ اس کی سرپرستی کس نے کی؟ اس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ یہاں صرف ایک بات سن لیجئے اور وہ یہ کہ کچھ لوگ اس کے ڈراموں اور اس کی کہانیوں سے

ناخوش بھی تھے اس کے عہد کا مشہور قانون دان Solon کو (جو خود ڈرامہ نویس تھا اور ایتھنز کی اخلاقی کونسل کا صدر تھا) Thespis کی کہانیوں کے پلاٹ سے سخت اختلاف تھا۔ ایک بار اس نے ڈرامہ دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا بھی تھا:

"Are you not ashamed to tell so many lies?"

انگریزی شاعر Long Fellow نے گیت اور ڈرامے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"The Country is lyric and the town dramatic."

اس کا نظریہ یہ ہے کہ گیت گانے والے کو سننے والے کی ضرورت نہیں۔ وہ گیت گا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے لیکن ڈرامہ کرنے والے کو ناظرین کے ایک گروہ کی ضرورت ہوتی ہے جو دیہات میں نہیں ملتا۔ شہر میں ملتا ہے۔ چنانچہ Thespis کو بھی اسی مجبوری نے آ لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے سامنے شہر کے لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہو جہاں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرے اور داد وصول کرے۔ Thespis کے زمانے میں ایتھنز کا حاکم Pisistratus تھا جو اپنے شہر کو فنکاروں سے مزین کرنا چاہتا تھا۔ اس نے Thespis کو دعوت دی کہ وہ ایتھنز میں آ کر ڈرامے کرے اور ایک مستقل اسٹیج بنائے تاکہ ہر سال سالانہ مقابلے کا اہتمام ہو سکے۔ سرکار ڈرامے کے انتظامات کی دیکھ بھال کرے گی۔ Thespis نے یہ دعوت نامہ قبول کر لیا اور اس طرح City Dionysia کی بنیاد پڑی جہاں سالانہ میلہ یا فیسٹیول میں ڈرامے ہونے لگے یہاں ڈرامہ نگار دور دور سے آتے اپنے ڈرامے پیش کرتے اور مقابلے میں حصہ لیتے۔

ایتھنز کے اس فیسٹیول میں ڈرامہ دو موقعوں پر پیش کیا جاتا تھا۔ ان دونوں تقریبات کو مذہبی درجہ حاصل تھا۔ پہلی تقریب جو ذرا کم اہمیت کی تھی Lenaen کے نام سے منسوب تھی یا اس کا دوسرا نام Festival of Winepress تھا۔ یہ ہر سال جنوری فروری کے مہینے میں منائی جاتی تھی۔ دوسری اہم تقریب یا فیسٹیول مارچ کے مہینے میں City Dionysia میں ہوتا تھا جو دیوتا ڈایونی سس کے اعزاز میں منایا جاتا تھا۔ پہلے پہل ڈرامہ مفت دکھایا جاتا تھا لیکن بعد میں داخلہ فیس دو Obols کر دی گئی تھی جو مجبوری

کی صورت میں حکومت معاف بھی کر دیتی تھی۔ City Dionysia میں پیش کیے جانے والے ڈرامے تین مقابلوں کی صورت میں پیش کیے جاتے تھے۔

1- ایک ڈرامہ (کامیڈی)

2- ایک ڈرامہ (ٹریجڈی)

3- ایک ڈرامہ (Dithtyramb)

پہلے دن فیسٹیول کا افتتاح Dithyramb کے گیت اور ناچ سے ہوتا تھا جسے پچاس ماہر ناچنے اور گانے والے پیش کرتے تھے اس میں ڈایونی سس کی حمد و ثنا کی جاتی تھی آخری تین دن المیہ نگاروں کے لئے مخصوص تھے جس میں ہر مصنف چار ڈراموں کا ایک Set Tetralogy کی صورت میں پیش کرتا تھا جن میں تین ڈراموں کا ٹریجڈی ہونا ضروری تھا۔ یہ تین ڈرامے دیکھنے میں مکمل ہوتے تھے لیکن ایک دوسرے سے ان کا ربط رہتا تھا۔ ایک کہانی تین مختلف ڈراموں کی صورت میں مکمل ہوتی تھی۔

چوتھا ڈرامہ کامیڈی ہوتا تھا جسے (Satyr Play کہتے تھے۔ Satyrs ایک مخلوق تھی جو ویرانوں میں رہتی تھی۔ شراب کی رسیا اور ڈایونی سس دیوتا کی ملازم۔ ان کے جسم کا اوپر والا حصہ انسانوں کی طرح ہوتا تھا۔ ٹانگیں بالکل بکری کی طرح۔ ڈرامے کو Satyrs Play کا نام اس لئے دیا جاتا تھا کہ اس میں کام کرنے والے یہ روپ دھار کر شراب پی کر ڈایونی سس دیوتا کو خوش کرتے تھے۔ ارسطو نے اپنی کتاب Poetics میں Satyar Play کو ٹریجڈی کی ابتدا قرار دیا ہے۔ میلے میں ہونے والے ڈراموں کا انتظام اگرچہ حکومت کرتی تھی لیکن خرچ کے لئے شہر کا کوئی امیر شہری اپنی خدمات پیش کرتا تھا۔ اداکاروں کی دیکھ بھال، ملبوسات کا خرچہ، اسٹیج کے انتظامات، سازندوں کی مزدوری، سب کچھ اس کے ذمہ تھا۔ اس کے بدلے اسے فیسٹیول کے دوران اعزاز کے ساتھ بٹھایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ڈراموں کی قدر و قیمت جانچنے کے لئے منصفین کا ایک پینل ہوتا تھا جو اول، دوم اور سوم آنے والوں کا فیصلہ کرتا تھا۔

میں نے Arion کا ذکر پہلے کیا تھا جس نے ڈرامے میں گیت لکھنے کا آغاز کیا۔ یہی گیت تھے جو بعد میں Strophe اور Antistrophe کی شکل اختیار کر گئے۔ اس نے ناچنے والوں کو Satyrs کا کردار دیا اور خود لیڈر سے ایکٹر بن گیا۔ ناچنے والوں کی قطار سے نکل کر حمد و ثنا کا طریقہ ایجاد کیا۔ وہ

Mask لگا کر ایک سے زیادہ کردار ادا کرتا تھا۔ گیت دراصل اس خلا کو پر کرتا تھا جو اداکار کے اسٹیج سے غائب ہونے کے بعد پیدا ہوتا تھا۔ Arion کا نام ٹریجڈی کی تاریخ میں اس لئے بہت اہم ہے کہ اس نے موسیقی کو گیت دیا اور ناچنے والوں سے الگ ہو کر دیوتا کی حمد وثنا کرنے کا کام ایک الگ آدمی کے سپرد کیا (یہ آدمی وہ خود تھا) باقی ساتھی یا تو اس کی تائید کرتے تھے یا خاموش رہتے تھے۔ Arion کے بعد Thespis کی خدمات ابتدائی المیہ کے ضمن میں بڑی اہم ہیں اس نے جو اہم ترین کارنامہ سرانجام دیا وہ ''مکالے کا آغاز'' تھا۔ وہ شاعر تھا۔ موسیقی کا ماہر، اسٹیج کے انتظامات سے پوری طرح آگاہ، ملبوسات خود بناتا تھا۔ ابتدائی Mask اس کی ایجاد ہیں۔ وہ گروہ کے ساتھ ناچتے ناچتے دائرے سے نکل کر درمیان میں رکھی ہوئی میز پر چڑھ جاتا تھا اور پھر دیوتا کے بارے میں گفتگو شروع کر دیتا تھا جسے سب لوگ دھیان سے سنتے تھے۔ اس کی یہ حرکت ''مکالے کے آغاز'' کا باعث بنی۔ اسٹیج کے قریب اس نے اداکاروں کے لئے ایک حصہ مخصوص کیا جہاں وہ جا کر لباس تبدیل کرتے تھے تاکہ ناظرین کی آنکھ انہیں نہ دیکھ سکے۔ یہ چند باتیں شاید آج ہمیں معمولی نظر آئیں لیکن اگر یہ باتیں Thespis نہ کرتا تو شاید ٹریجڈی کو انتہائی عروج تک پہنچانے میں اسکائی لس Aeschylus کو بہت عرصہ درکار ہوتا۔

پروفیسر برنڈر میتھیوز Brander, Matteus اپنی کتاب (The Development of Drama) میں ان تین ناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

> **"Arion is no more than a myth, Thespis is at least only a tradition but Aeschyeus is a fact at last."**

اسکائی لس نے Thespis کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل کر ٹریجڈی کو نہ صرف عروج تک پہنچایا بلکہ المیہ نگاری میں قابل ذکر اضافے کئے جو اس کے فن کو چار چاند لگا گئے اور المیہ نگاروں میں ایسے راستے کا تعین کیا جس پر چل کر اس کے بعد آنے والے ڈرامہ نگاروں سوفیکلیز (Sophocles) اور یوری پیڈیز (Uripides) نے ٹریجڈی کو ایک اعلیٰ اور ارفع مقام بخشا۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں Thespis نے ایک ایکٹر کا اضافہ کر کے ڈرامے کو نئی شکل دی۔ ایکٹر (Actor) کا مطلب جواب دینے والا (Answerer) تھا جو کورس The Coryrhaeus کے لیڈر

کی باتوں کا جواب دیتا تھا۔ اسکائی لیس (Aeschylus) نے دوسرے اور سوفیکلیز (Sophocles) نے تیسرے ایکٹر کا اضافہ کیا۔

یونانی ٹریجڈی ایک سکہ بند اور روایتی ترتیب رکھتی ہے۔ یہ ترتیب قاری کے ذہن میں ہو تو وہ اسے بہتر انداز میں لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

-2 Erologos: کورس کی آمد سے پہلے آغاز میں ڈرامے کے موضوع کا تعین ظاہر کیا جاتا ہے۔

-3 Epeisodia: یہ حصہ غنائیہ شاعری، بین، گیت یا پیامبر کے اعلان پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ حصہ ڈرامے کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔

-4 Stslima: یہ حصہ کورس کے ان تمام گیتوں پر مشتمل ہے جو کورس "ایک ہی جگہ" پر کھڑا ہو کر گاتا ہے۔ یہ گیت ڈرامے کے قصے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

-5 Exodos: یہ ڈرامے کا اختتامیہ ہے جو گیت کے بعد ہوتا ہے۔

یونانی المیہ نگاروں نے وقت کے ساتھ ساتھ ٹریجڈی میں موضوع، زبان، کردار نگاری اور فکر کے حوالے سے بے حد اضافے کئے لیکن یہ روایتی ترتیب نہ بدلی۔ کہا جاتا ہے کہ اسکائی لس (Aeschylus) نے ملٹن Milton کی طرح انسان اور خدا کے درمیان رشتے کا تعین کیا۔ اس نے اپنے ڈراموں میں اس چیز کی مخالفت کی کہ خدا انسان کی خوشحالی سے ناخوش ہیں۔ یونانی دیوتا Zeus کو طاقت اور عقل کا سرچشمہ قرار دیا اور انسانوں کو مشورہ دیا کہ دکھوں کے ذریعے سے ہی علم کا حصول ممکن ہے۔ Learn by Suffering کی شرط عائد کی۔ فکر، مسرت، یقین اور ایمان کو Ultimate Blessing of Pain قرار دیا۔ اسکائی لیس نے یونانی المیہ کو طاقتور مذہبی صنف بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ زبان، فکر اور مضبوط ڈکشن کی بنا پر نقاد اس کے ڈراموں کا انگریزی شاعر مارلو (Marlowe) سے موازنہ کرتے ہیں۔

پروفیسر مرے (Murray) نے سوفیکلیز میں اسکائی لس کے اسلوب کی حرارت اور یوری پیڈیز کے مشاہدے میں فقدان کی نشان دہی کی ہے۔ اسکائی لیس کے قلم میں آسمانی آگ ہے اور یوری پیڈیز اپنی تحریروں میں زندگی کی زنجیروں کو توڑتا اور مفلسی کے خلاف لڑتا نظر آتا ہے لیکن یہ دونوں باتیں سوفیکلیز کے

ہاں موجود نہیں لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت کسی صورت کم نہیں ہوتی۔ اس کے ڈراموں میں انسانوں کے نفسیاتی الجھاؤ کا خوبصورت تانا بانا، پلاٹ کی ڈرامائی تشکیل اور زبان کا جائز، خوبصورت اور صحیح استعمال اسے صنف اول کے المیہ نگاروں میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ڈراموں کے مقابلے میں 24 انعامات حاصل کرنے والا سوفیکلیز اپنی ان صفات کی بناء پر آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا کل تھا۔

ارسطو کی رائے میں یوری پیڈیز المیہ نگاروں میں سب سے زیادہ موثر اور مستند ہے۔ سماجی مسائل اور عام کرداروں کے تشخص کی بحالی یوری پیڈیز کا اہم کارنامہ ہے۔ اس کے عہد کے نقادوں کو اس کی یہ بات بالکل نہ بھائی۔ چنانچہ اسے تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اسے اس کے لئے شہر بھی چھوڑنا پڑا لیکن وہ اپنے موقف سے باز نہ آیا۔ اس کے زمانے میں غلام اور متوسط طبقہ کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی لیکن یوری پیڈیز نے غلاموں سے ہمدردی کا اظہار کیا متوسط طبقہ کو انتظامیہ میں شامل کر کے حکومت بنانے کا مشورہ دیا لیکن اس کا عہد اس کی یہ بات سننے سے انکار کرتا رہا لیکن آج کا عہد اسے ان ہی خصوصیات کی بناء پر صف اول کا المیہ نگار قرار دیتا ہے۔ بقول گوئٹے (Goethe) جن لوگوں نے اس وقت یوری پیڈیز کی عظمت کو تسلیم نہ کیا ان لوگوں میں ادبی بصیرت کی کمی تھی جو اس کے ادبی مقام کو نہ پہچان سکے۔

Arthur Zeiger اپنی کتاب **Greek Dramtists** میں رقم طراز ہے:

"We have compared AESCHYLUS to MARLOWE and to the author of the book of job, SOPHOCLES suggests GOETHE or WORDSWORTH; and EURIPIDIES is the ancestor of IBSEN and TOLSTOY."

(Page : 9)

اسکائی لیس

اسکائی لس (Aeschylus) کو یونانی پیغمبرانہ صفات کا المیہ نگار مانتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ اسکائی لس پر ڈرامے کے موضوعات اور پلاٹ وحی کی صورت میں اترتے ہیں۔ وہ اس کو God Intoxicated Man کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ اسکائی لس کے بعد آنے والے المیہ نگار سوفیکلیز (Sophocles) نے اس کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہا تھا:

He did what he ought to be,
but did it without knowing.

اسکائی لس کے بارے میں یہ بات پورے یونان میں مشہور تھی کہ ڈرامے کی طرف اسے ڈایونی سس (Dionysus) کھینچ کر لایا تھا۔ قصہ یوں ہے کہ وہ نوجوانی میں ایک انگور کے باغ میں ملازم تھا۔ ایک رات ڈایونی سس (Dionysus) اس کے خواب میں آیا اور حکم دیا کہ اسکائی لس ڈرامہ لکھے۔ چنانچہ اس نے دوسری صبح اٹھ کر ڈرامہ لکھنا شروع کیا اور پھر اس نے مسلسل ڈرامے لکھنے شروع کر دیئے۔

اسکائی لس (Aeschylus) نے جب ڈرامہ نویسی کا آغاز کیا تو اس کے سامنے دو چیزیں تھیں۔ مذہبی رسومات اور تھیٹر میں گانے والوں کا گروہ اور ڈرامہ۔ اسکائی لس بہترین ڈانس ماسٹر اور کورس ڈائریکٹر تھا۔ چنانچہ اس کے ڈراموں میں طویل ترین کورس پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ڈرامے کی طرف بھی توجہ دی۔ ڈراموں میں عمل اور Action کو بڑھایا اور اس کے لئے اس نے ٹریجڈی میں ایک ایکٹر کا اضافہ کیا۔ Thespis کے زمانے میں ایک ایکٹر ہوتا تھا لیکن اسکائی لس نے تعداد دو کر دی بعد میں سوفیکلیز نے تین کر دی۔

ایتھنز کا یہ المیہ نگار 525 قبل مسیح کے قریب (Eleusis) میں پیدا ہوا۔ 490 میں ایرانیوں سے ہونے والی جنگ (جو مراتھن اور 480 میں ہونے والی جنگ جو Salamis میں لڑی گئی) میں حصہ لیا۔ ڈایونی سس کی ہدایات کے مطابق اس نے 25 سال کی عمر میں ڈرامہ نویسی کا آغاز کیا اور تقریباً 90

کے قریب ڈرامے لکھے جن میں سے صرف 7 ڈرامے باقی بچ سکے ہیں۔ 484 تک اسے ڈراموں کے مقابلے میں کوئی انعام نہ مل سکا۔ 472 میں اسے پہلا انعام ملا۔ اس ڈرامے کا نام Perisans تھا۔ اس ڈرامے کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ ایتھنز کے ساتھ والی ریاستیں اسکائی لس کے فن کو دیکھنے کی خواہش مند بن گئیں۔ چنانچہ Syracuse کے حکمران Hieron نے اسے خاص دعوت دے کر بلایا تا کہ اسکائی لس اس کی ریاست میں ڈرامہ اسٹیج کر سکے۔ جب وہاں سے ایتھنز واپس آیا تو اپنی مشہور Theban Trilogy پیش کی جس کا صرف ایک ڈرامہ یعنی Seven Against Thebes محفوظ شکل میں قارئین تک پہنچا ہے۔ اسکائی لس کی دوسری Trilogy جس کے تینوں ڈرامے مکمل شکل میں محفوظ ہیں اس کا نام Oresteia ہے اس کا پہلا ڈرامہ Agamennon ہے جس میں ٹرائے کا فاتح آگامم نان بڑی شان وشوکت کے ساتھ گھر واپس آتا ہے لیکن بیوی کلائی ٹم نسٹر (Clytemne Stra) اسے اپنے عاشق کے ساتھ مل کر قتل کر دیتی ہے۔ دوسرا ڈرامہ Choephoroe ہے جس میں کلائی ٹم نسٹرا کو اس کا بیٹا اورسٹیز (Orestes) اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے قتل کر دیتا ہے۔ تیسرا ڈرامہ Eumenides ہے جس میں اورسٹیز (Orestes) اپنے گناہ کی تلافی کے لئے (جو اس نے دیوتا اپالو کے کہنے پر کیا تھا) ڈیلفی (Delphi) جاتا ہے اس پر مقدمہ چلتا ہے لیکن دیوتا کی بروقت مدد کے باعث وہ سزا سے بچ جاتا ہے۔

Suppliant Women کو کچھ نقاد اس کا آخری ڈرامہ کہتے ہیں لیکن ایسا نہیں۔ اسکائی لس کا آخری ڈرامہ Prometheus Bound ہے جسے دنیا کے ادب میں ایک عظیم مقام حاصل ہے۔ (اس ڈرامے کا تفصیلی جائزہ آگے آئے گا)۔

اسکائی لس کا ڈرامہ Perisian نقادوں کی نظر میں بڑا اہم ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامے میں سکائی لس نے اپنی حب الوطنی کے جذبات کو پوری طرح اجاگر کیا ہے۔ یونانی قوم کی بہادری اور جرأت کو مثالی بنا کر پیش کیا اگر چہ یہ سارے کا سارا ڈرامہ ایرانی دربار کے ماحول میں دکھایا جاتا ہے لیکن اسکائی لس نے اس ڈرامے میں یونانی کرداروں کو مرکزی کردار بنا کر پیش کیا ہے جو اسٹیج پر نظر نہیں آتے۔ ایرانیوں کی زبانی یونانیوں کا ذکر کر کے یونانی قوم کی بہادری اصول پرستی، قانون سے محبت کے جذبے کو سراہا ہے۔

Persians کا شمار اسکائی لس کے جنگی ڈراموں میں ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں ایران کے بادشاہ Xerxes کے یونان پر حملے سے پیدا ہونے والے واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس ڈرامے میں 2400 سال پہلے کی سمندری جنگ کا نقشہ اس چشم دید گواہ یعنی اسکائی لس کی زبانی کھینچا گیا ہے جو اس جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑا تھا۔ اسکائی لس نے روایتی یونانی ادب میں ہر شے کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ بقول اسکائی لس کے نقاد Gilbert Myrry :

> **In some ways his account of the actual battle of SALAMIS is better even than that of the historian HETODOTUS.**

جنگ سے ایک رات پہلے کی تفصیل۔ طلوع صبح کا منظر۔ دن بھر کا کشت وخون۔ ساحل سمندر پر گہما گہمی۔ یہ سارا کچھ ''ایک نہ بھولنے والے شخص کی یادداشت کا کمال نظر آتا ہے۔'' اس ڈرامے میں یونانیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کی روداد بیان کی گئی ہے۔ اس ڈرامے میں کوئی Action نہیں، کوئی تصادم نہیں۔ صرف کرداروں کی زبانی پورے جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس ڈرامے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی یونانی کو کردار بنا کر پیش نہیں کیا گیا بلکہ یونانیوں کی عظمت ایرانیوں کے مکالموں کے ذریعے بیان کی گئی ہے اور یونانی جرأت بہادری اور قانون کے ساتھ ان کی محبت کو لفظی اور شعری زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

Persians ڈرامہ کئی لحاظ سے یونانی ڈراموں میں اہمیت کا حامل ہے۔ پہلی خصوصیت تو یہی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اس میں یونانی نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کے ذکر سے سارے ڈرامہ میں یونانیوں کی بہادری اور فلسفے کی فضا طاری رہتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ کہ یونانی ڈراموں میں یہ پہلا ڈرامہ ہے جس کے لباس یونانیوں کے لباسوں سے مختلف تھے اور ڈرامے کا ماحول یونانی ماحول سے قطعی طور پر جدا تھا۔ اس ڈرامے کی ایک اور اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ نقادوں کے نزدیک یہ پہلا Ghost Play ہے۔ ایران کا بادشاہ دارا (Darius) مر چکا ہے۔ اس کا بیٹا Xerxes میدان جنگ میں لڑ رہا ہے۔ ایران پر ملکہ Atossa حکمران ہے۔ تمام طاقت اور اختیار اس کے پاس ہیں۔ اسے برے برے خواب آتے ہیں تو اس کا مشیر Elders اسے اپنے خاوند کے حضور نذرانہ پیش کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

اس کا خاوند اسے اکثر خواب میں آ کر مشکلات کا حل بتلاتا ہے اور اس کے سوالوں کا جواب دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ یونانی کون ہیں؟ ان کی فوج کتنی ہے؟ ان کا کردار کیا ہے؟ وہ بڑے بڑے دشمنوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ڈرامے کے دوران جب ایرانیوں کو شکست ہوتی ہے اور قاصد آ کر شکست کی خبر سناتا ہے تو دارا اپنی قبر سے باہر آتا ہے اور بیوی کو اس کے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ قبر سے اس کی روح کا باہر آنا پہلی بار سٹیج پر دکھایا گیا۔ اسکائی لس کی اس ندرت اور نئے پن کو نقاد اسٹیج کی تاریخ اور روایت میں ایک اضافہ خیال کرتے ہیں۔

ڈرامے کا آغاز ایرانی دربار سے ہوتا ہے جہاں ملکہ (Atossa) جنگ کی خبروں کی منتظر ہے۔ اچانک قاصد آتا ہے اس کی حالت بری ہے، زخمی ہے، کپڑے پھٹے ہیں۔ ملکہ اس سے پوچھتی ہے کہ شکست کس کو ہوئی ہے اور کون مرا ہے؟ قاصد جواب دیتا ہے کہ Xerxes کو شکست نہیں ہوئی، وہ زندہ ہے۔ ملکہ اداس ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا Xerxes پھٹے پرانے کپڑوں میں نوحہ کناں داخل ہوتا ہے تو درباری اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ سب کہاں ہیں جو ساتھ گئے تھے؟ اس دھرتی کے لال کہاں ہیں؟ جو تمہارے ساتھ لڑے وہ کہاں ہیں؟ بادشاہ مختصر جواب دیتا ہے:

I left them Dying
Fallen I left them
From a Tyrian Galley
Fallen and lost.

اس کے ساتھ ہی ڈرامے میں ایران کی شکست پر آہ وزاری اور مرنے والوں کے لئے نوحے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسکائی لس کا یہ ڈرامہ یونانی فتح کی خوشی میں منائی جانے والی تقریب کے لئے لکھا گیا تھا۔ یونانی ٹریجڈی عام طور پر Legends کے پلاٹ پر لکھی جاتی تھی اور عصر حاضر کے مسائل پر ڈرامے لکھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ لوگ ایسے ڈرامے دیکھنے کے عادی بھی نہ تھے بلکہ اسکائی لس کے ایک ہم عصر ڈرامہ نویس فرائی نکس (Phrynichus) کو تو ایک ہزار درہم جرمانہ بھی ہوا تھا کیونکہ اس نے ایک ڈرامے میں ایتھنز کی انتظامیہ پر تنقید کی تھی کہ جس نے اپنی غلط حکمت عملی سے ایک نوآبادی کو ہاتھ سے گنوا دیا ہے۔

یہ ڈرامہ کمزور پلاٹ اور چند کرداروں پر مشتمل ہے۔ یہ ڈرامہ اسکائی لس کے ذہن کی تخلیق نہ تھی۔ یہ ڈرامہ قومی تقریب کے موقعہ پر کھیلا گیا تھا۔ اس ڈرامے کے پلاٹ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مرے (Murry) نے اسکائی لس کی روایتی دوستی کا ذکر کیا ہے اور تعریف کی ہے کہ اس نے ایک پرانے پلاٹ کو اپنے اسلوب سے زندہ ڈرامہ بنا دیا ہے۔ مرے (Murry) کا خیال ہے کہ شاعر صرف ان ہی چیزوں کا بیان اپنی شاعری میں کرتا ہے جو نئی تو نہیں ہوتیں مگر لافانی ہوتی ہیں۔ بقول مرے (Murry):

> "The writer of a detective story outh to give us something new but a poet should mostly deal with things that are not new but enternal."

اسکائی لس نے اس ڈرامے میں یونانیوں کی جرأت، بہادری، قانون اور وطن سے ان کی محبت کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نے یونانیوں کے کردار اور نفسیات کو ایرانی کرداروں کے حوالے سے بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ یونانی آزاد ہیں لیکن ہر چیز میں نہیں۔ وہ قانون کو اپنا حاکم تصور کرتے ہیں اس کا حکم مانتے ہیں میدان جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں یا مر جاتے ہیں۔ Xerxes کے پوچھنے پر ایک کردار یونانیوں پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے:

> **Though free they are not free in all things. There is a master over them called Law, They do whatever he commands, and there is one thing on which he always insists, that must not fly from any mutlitude of man in battle but stay at their post and either Win the victory OR die....**

یونانیوں کی وطن دوستی اور قانون کے احترام کی اس سے بہتر مثال پورے ڈرامے میں نہیں ملتی۔ یونانیوں کے کردار کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اسکائی لس ایرانیوں کو بھی ان کی بہادری کی داد دیتا ہے۔ ایرانی بزدل نہیں۔ وہ بہادر اور جنگجو ہیں۔ اسے ان کی شکست پر افسوس ہے۔ ملکہ ایک پروقار عورت ہے اس کے منہ سے نکلا کوئی لفظ اس کے کردار کی نفی نہیں کرتا۔ دارا ایک بوڑھا اور بہادر بادشاہ ہے۔ Xeresxe اپنے باپ کی طرح بہادر ہے۔ لیکن یونانیوں کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی۔

اسکائی لس کا اسلوب زبان کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ پرشکوہ اور پروقار زبان استعمال کرنے کا عادی تھا اور اس نے کسی ڈر اور تنقیدی حملوں سے بے پرواہ ہوکر ایسا کیا۔ اگرچہ اس سے اس کی زبان ایک خاص بوجھل پن کا شکار ہوکر رہ گئی۔ مشہور کامیڈی نگار ارسٹوفینیز نے اپنے ڈرامے Frogs میں یوری پیڈیز اور اسکائی لس کو آمنے سامنے بٹھا کر ایک دوسرے کا مناظرہ کرایا ہے جس میں دونوں ایک دوسرے کی شاعری پر اعتراضات کرتے ہیں۔ یوری پیڈیز زبان کے سلسلے میں سادگی، سلاست اور صفائی کا عادی تھا۔ اس نے اسکائی لس پر اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنے گیتوں اور شعروں میں بھاری بھاری لفظ استعمال کر کے قاری کے لئے مشکل پیدا کرتا ہے۔ جس کا جواب اسکائی لس شاعر کے منصب کی نشان دہی کرتے ہوئے دیتا ہے:

> **"It is his duty to teach, and you know it. As a child learns from all who may come in his way. So the world learns from a poet. A word of good counsel should flow from his voice."**

اس مناظرے میں آگے چل کر یوری پیڈیز کے ایک اور اعتراض کے جواب میں اسکائی لس جواب دیتا ہے کہ جب موضوع بڑا ہو تو شاعر کو اس کے لئے بڑی اور اعلیٰ زبان کا استعمال کرنا چاہئے۔ بڑے موضوع کے لئے عام اور چھوٹے زبان کا استعمال شاعری کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

اسکائی لس اپنی مشکل اور دقیق زبان کے حق میں یہ دلیل دیتا ہے اور یوری پیڈیز کو الزام دیتا ہے کہ اس نے سادہ زبان کو شعروں میں رائج کر کے شعری حسن فنا کر دیا ہے۔ ارسٹیوفینیز کو اعتراض تھا کہ اسکائی لس نے اپنے ڈراموں میں جناتی زبان استعمال کر کے قارئین کیلئے ایک مشکل پیدا کر دی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکائی لس نے اس سے اعلیٰ ترین ادبی شاہکار تخلیق کئے ہیں لیکن کہیں کہیں مشکل زبان استعمال کرنے کے اس جنون نے بے ساختہ پن اور سادگی کا خون کر دیا ہے۔

اسکائی لس کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت پرانی شاعری سے تشبیہ اور استعارے کا استعمال ہے جو قارئین کو قریب سے دور لے جاتے ہیں اور ایک معمہ حل کرنے پر مجبور کرتے ہیں جسے عام طور پر **Ridding Phrases** کہتے ہیں مثلاً جہاں اسکائی لس سمندر کہنا چاہا ہے وہاں **The Sown Bath**

کہہ کر اور جہاں آگ کہنا چاہتا ہے وہاں The Red Cock کہہ کر اور جہاز کو Black Dragons کہہ کر قارئین کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔ کہیں کہیں یہ باتیں اتنی اچھی معلوم ہوتی ہیں کہ اسکائی لس کو بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے مثلاً ذیل میں درج تین جملے اس کے اعلیٰ اسلوب کی بہترین مثالیں ہیں اور ایسی مثالیں اس کے ڈراموں میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

1) Smoke the colourshot sister of fire.
2) Dust, the voiceless of an army.
3) Dust, the thirsty sister of mud.

اسکائی لس کے بعد آنے والے ڈرامہ نگاروں نے اس کے اسلوب کی کسی نہ کسی حوالے سے پیروی کی۔ ارسٹوفینز کے زمانے تک نہ صرف ڈرامہ نگار بلکہ عام لوگ بھی اس کے گیتوں کے رسیا نظر آتے ہیں۔ ارسٹوفینز نے اپنے ڈرامے Wasps میں اسکائی لس کے گیتوں کی مقبولیت کا حوالہ دیا ہے وہ اپنے کچھ کرداروں کی نقل وحرکت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Lamps in their hands, old music on their lips wild honey and the East and Loveliness.

یہاں Old Music سے ارسٹوفینز کی مراد ان گیتوں سے ہے جنہیں اسکائی لس نے اپنے ڈراموں میں استعمال کیا تھا۔

پرومی تھیس باؤنڈ

PROMETHEUS BOUND

اسکائی لس Aeschylus کا یہ ناقابل فراموش المیہ فکر، خوبصورتی اور کرداروں کے لحاظ سے یہ ایک عظیم ترین المیہ ڈرامہ ہے۔ اس موضوع پر اس کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے کسی المیہ نگار نے قلم نہیں اٹھایا۔ اس المیہ کا ہیرو پرومی تھیس (Prometheus) ہے۔ زیوس کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا ہے۔ انسانوں کا ہمدرد ہے اور وہ خود بھی ایک دیوتا ہے۔ اس (Trilogy) کا صرف یہ حصہ محفوظ رہ سکا ہے۔ پہلے حصے میں پرومی تھیس آگ چرا کر انسان کو دیتا ہے جس کا عنوان ہے : اگنی دیوتا۔ Prometheus Bound The Fire Giver زیوس (Zeus) پرومی تھیس کو اس جرم میں سزا دیتا ہے اور کاکیشیا کی چوٹی پر باندھ کر اس پر بھوکا عقاب چھوڑ دیتا ہے۔ تیسرے حصے Prometheus unbound میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح زیوس کے فانی بیٹے ہرکولیس نے وحشی عقاب کو ختم کیا اور زیوس کے مشورے سے پرومی تھیس کو اس عذاب سے رہائی دلائی۔ Prometheus Bound ایک مابعد طبیعیاتی ڈرامہ ہے جس کے تمام کردار یونانی دیوتا ہیں۔ پرومی تھیس زیوس دیوتا کی ملکوتی سلطنت بنانے میں اس کی مدد کی لیکن اسے زیوس کے ظلم وستم سے نفرت تھی۔ وہ انسانوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتا تھا۔ انسانوں کی نسل کو ختم کر کے کرہ ارض پر کوئی اور نسل بسانا چاہتا تھا چنانچہ پرومی تھیس زیوس سے بغاوت کر دیتا ہے آگ چرا کر انسان کو دیتا ہے۔ انہیں علوم وفنون سے آشنا کرتا ہے۔ موت کا غم ان کے دل سے نکال کر امید کی کرن ان کے سینے میں بوتا ہے تاکہ وہ دیوتا کے جبر سے آزاد ہو سکیں۔ زیوس اس کی اس حرکت سے ناراض ہوتا ہے اور پرومی تھیس کو کاکیشیا میں جکڑ دیتا ہے جہاں ایک بھوکا عقاب دن بھر اس کا جگر نوچتا رہتا ہے۔ رات کو جگر پھر اصلی حالت میں آجاتا ہے اور صبح عقاب پھر نوچنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ ڈرامہ کوہ کاکیشیا سے شروع ہوتا ہے جہاں پرومی تھیس کو جکڑا گیا ہے۔ طاقت (Might) اور ہفاس ٹس (Hephaestus) اسے جکڑنے کے لئے آتے ہیں ان کے دلوں میں اس کے لئے رحم بھی ہے لیکن وہ زیوس کے حکم کے آگے بے بس ہیں۔

سفاس ٹس: ایک بازو جکڑ ادیا ہے اب یہ نہیں ہلے گا۔

طاقت: دوسرا بھی جکڑ دو تا کہ یہ چال باز جان لے کر زیوس کے سامنے اس کی چالاکی کتنی جھوٹی ہے۔ اب یہ سلاخ لو اور اس کے سینے میں ٹھونک دو۔

(دونوں اسے جکڑ کر جانے لگتے ہیں اور پرومی تھیس سے کہتے ہیں)

طاقت: لو۔ اپنے غرور کو اس ویران چٹان کے تخت پر بٹھاؤ اور آگ چرا کر انسان کو دینے کا مزہ چکھو، دیکھتے ہیں یہ فانی انسان تمہیں کیسے اس عذاب سے بچاتا ہے۔

(وہ سب چلے جاتے ہیں)۔

پرومی تھیس: (چلا کر کہتا ہے) اے آسمان! اے تیز ہوا، اے دریا، اے سمندر، اے سمندر کی لہرو!

اے میری ماں! اے روشن درخشندہ آفتاب تم سب کی دہائی۔

یہ ظلم دیکھو میں خود دیوتا ہوں کہ کس طرح زیوس دیوتا کے عذاب میں گرفتار ہوں۔

دیکھو دیوتاؤں کے اس نئے شہنشاہ نے میرے لئے زنجیریں بنوائی ہیں۔

نہ جانے مصیبتوں کی یہ رات کب ختم ہو گی اور نجات کی سحر کب آئے گی۔ تقدیر کے لکھے کو خوش ہو کر برداشت کر لینا چاہئے۔

کیونکہ تقدیر کے ساتھ کوئی نہیں لڑ سکتا۔

(یہاں وہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے جس کی پاداش میں اسے یہ سزا دی گئی ہے)

پرومی تھیس: میں نے انسان کو قوت اور طاقت سے روشناس کرایا ہے۔

میں نے آگ سونے کے ڈنٹھل میں چھپا کر انسان کو دی ہے تا کہ فن کے سوتے پھوٹیں۔

اسے زندگی کی آسائشیں حاصل ہوں اور اس جرم میں مجھے یہاں اس پہاڑ پر باندھ دیا گیا ہے۔

(یہاں پرومی تھیس کو کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں اور جل پریوں کا ایک ہجوم نمودار ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم نے ہتھوڑوں اور لوہے کی آوازیں سنی تھیں چنانچہ ہم شرم وحیا سے دامن چھڑا کر یہاں پتہ کرنے آگئی ہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جوزیوس کے اس ظلم پر آنسو بہاتی ہیں اور گلہ کرتی ہیں کہ زیوس نے نئے قانون بنائے ہیں جو ظلم پر مبنی ہیں لیکن پرومی تھیس اس سزا سے خائف نہیں اسے امید ہے کہ ایک دن زیوس کا ظلم ہار مان لے گا اور وہ اسے آزاد کرے گا)۔

جل پریاں: کوئی غیر معمولی طاقت ہی اس کے جبر وظلم کا خاتمہ کرے گی۔

پرومی تھیس: میں قسم کھاتا ہوں ایک دن ضرور آئے گا جب آسمانوں کے بادشاہ کو میری ضرورت پڑے گی کہ میں اس راز سے پردہ اٹھاؤں گا کہ کون اس کی ملکوتی طاقت کو فنا کرے گا۔

دراصل ایک راز پرومی تھیس تنہا جانتا ہے اور وہ راز زیوس کی سلطنت کی تباہی کا ہے۔ ایک دیوتا کے ہاتھوں اس کی سلطنت کی تباہی کا ہے۔ ایک دیوتا کے ہاتھوں اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا وہ دیوتا کون ہے؟ اس کا علم صرف پرومی تھیس کو ہے۔

پرومی تھیس: حالات جلد ہی اسے اپنی گرفت میں لے لیں گے اور وہ بچوں کی طرح بلبلائے گا پھر وہ مجھ سے دوستی کرنا چاہے گا آج میں زنجیروں سے آزاد ہونے کے لئے بے تاب ہوں کل وہ مجھے آزاد کے لئے بے تاب ہوگا۔

(جل پریاں اس سے پوچھتی ہیں کہ وہ کون سا جرم ہے جس کی تمہیں اتنی کڑی سزا دی گئی ہے۔ پرومی تھیس تفصیل سے بتاتا ہے کہ کیسے دیوتاؤں میں بادشاہت کے لئے جنگ ہوئی جیوپیٹر کے مخالف دیوتاؤں نے اس کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنا چاہا۔ مخالفوں کو میں نے کچھ عقل ودانش کے مشورے دیئے لیکن وہ طاقت کے زعم میں نہ جانے چنانچہ میں اپنی ماں دھرتی کو لے کر جیوپیٹر کا مددگار بن گیا۔ یہ میرے مشورے تھے جن کی وجہ سے وہ کرونس کو تخت سے اتار کر بادشاہ بن گیا لیکن پھر جیوپیٹر، پرومی تھیس کا دشمن بن گیا)۔

پرومی تھیس: میری خدمت کا جیوپیٹر نے یہ صلہ دیا ہے کہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔آمریت کی بدنصیبی یہ ہے کہ شک ان کے دلوں کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے۔

وہ دوستوں پر یقین نہیں کرتے اپنے شک اور عذاب کا نشانہ انہیں بناتے ہیں جو انہیں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

پھر پرومی تھیس بتاتا ہے کہ زیوس نے سب کو انعامات اور اعزاز بخشے مگر انسان کو کچھ نہ دیا بلکہ یہ سوچا کہ انسان کو زمین سے ختم کر کے وہاں کوئی دوسری مخلوق بسائی جائے۔ پرومی تھیس نے اختلاف کیا اور زیوس اس کا دشمن بن گیا۔

جل پریاں: بے شک زیوس نرم جسم میں پتھر کا دل رکھتا ہے تمہاری تکلیف سن کر ان کی آنکھ آبدیدہ ہوگی۔ کیا تمہارا مقدر یہ تھا کچھ اور کیا ہے؟

پرومی تھیس: میں نے انسان کو امید باندھنا سکھایا ان کو آگ لا کر دی۔

جل پریاں: کیا انسان فانی آگ کے شعلوں سے بھی واقف ہے۔

پرومی تھیس: ہاں اب وہ آگ کے ذریعے بہت سے فنون حاصل کرے گا۔

(ابھی یہ گفتگو جاری ہے کہ جیوپیٹر کا ایک کارندہ رود بار پرومی تھیس کے پاس آتا ہے اور اسے سمجھاتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ زیوس یا جیوپیٹر کے بارے میں تلخ لب ولہجہ سے کام نہ لے ورنہ اس کا عذاب شدید تر ہوسکتا ہے۔ وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے لیکن پرومی تھیس اس بات پر رضامند نہیں ہوتا کہ وہ اس دیوتا زیوس کے بارے میں اپنی زبان کو لگام دے جس نے اسے مصیبت میں مبتلا کیا ہے بلکہ وہ اسے سمجھاتا ہے کہ تم میرے ساتھ ہمدردی نہ کرو کہیں زیوس تمہیں بھی عذاب میں جتلا نہ کر دے۔ رود بار چلا جاتا ہے گیت گانے والا کورس اس کی حالت زار پر افسوس کرتا ہے۔

کورس: پرومی تھیس تیری حالت دیکھ کر آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔ کول چس کی غزالی آنکھوں والی خوبصورت عورتیں تیرے لئے غمزدہ ہیں۔ عرب کے بہادر تیرے غم میں سوگوار ہیں۔ کاکیشیا

کے پہاڑوں پر مضبوط قلعوں میں بسنے والے جنگی ماہر تیری حالت پر آنسو بہا رہے ہیں۔ جب تو آہیں بھرتا ہے تو سمندر میں تلاطم اٹھتا ہے۔ جہنم کی عمیق گہرائیوں میں حشر برپا ہو جاتا ہے۔ دریا طغیانیوں کی شکل میں تیرے ساتھ آہ وزاری کرتے ہیں۔

پرومی تھیس: مجھے اپنے دکھوں کی تشہیر پسند نہیں۔ میری مدد سے زیوس اس اعلیٰ رتبے کو پہنچا ہے میرا جرم یہی ہے کہ میں نے کمزور انسان کی مدد کی۔ اس کی خاموشی کو قوت گویائی دی۔ اسے عقل اور شعور کا عطیہ دیا۔ وہ آنکھ رکھتا تھا لیکن اس کے پاس بینائی نہ تھی۔ کان رکھتا تھا سماعت سے محروم تھا۔ وہ جہالت کے جہاں میں سایوں کی طرح بے مقصد زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے سردی، پھل اور پھول کے موسم کی آمد کا پتہ نہ تھا۔ میں نے اسے ستاروں کی گردش کا علم دیا اور علم ہندسہ کا علم سکھایا۔ وحشی جانوروں کو طاقت سے زیر کرنے کا علم اسے سکھایا۔ میں نے اسے گھوڑے کو لگام دینے اور اسے گاڑی میں جوتنے کا طریقہ سکھایا۔ میں نے کشتی بنا کر اسے سمندر کے سینے کو روندنے کا طریقہ بتایا۔ ان سب کے صلے میں اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اس عذاب سے رہائی کا کوئی طریقہ یا تدبیر نہیں۔ مریضوں کا علاج کیا ہو لیکن جب خود بیمار پڑے تو کوئی سمجھ نہ آئے۔

نوشتہ تقدیر ہو کر رہتا ہے ان آہنی زنجیروں کے کٹنے سے پہلے مجھے لامحدود مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔
آدمی کتنا ہی ہنرمند کیوں نہ ہو، تقدیر کا ستم اس سے زیادہ ہنرمند ہوتا ہے۔

(جل پریوں کا سردار پوچھتا ہے کہ آخر تمہاری سزا کا انت کیا ہے جیوپیٹر کا یہ ظلم آخر کب ختم ہوگا)

پرومی تھیس: اس کو جاننے کی کوشش نہ کرو۔

سردار: تمہیں معلوم ہے تو چھپا رہے ہو۔

(پرومی تھیس واقعی چھپا ہوا ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ اس کی نجات کیسے ہوگی اس کا اظہار وہ جل پریوں کے سامنے نہیں کرتا۔ آیو کے سامنے کرتا ہے۔ آیو اینے کس **(Inachus)** بادشاہ کی بیٹی ہیرا اسے برداشت نہیں کرتی اور آیو کو بچھیا بنا کر آرگس (جس کی ہزاروں آنکھیں ہیں اور اسے کبھی نیند نہیں آتی) کو اس کا نگہبان بنا دیتی ہے لیکن زیوس نے ہرمیس **(Hermes)** سے اسے مروا دیا۔ ہیرا نے ایک بڑی مکھی اس

کے پیچھے لگا دی جو اسے ملک ملک بھگائے پھرتی ہے اور وہ روتی پیٹتی ہے۔ مکھی سے جان بچاتی وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں پرومی تھیس پہاڑ سے بندھا ہوا ہے)۔

آیو: دور دراز کے علاقوں کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے آرگس جہنم سے نکل کر میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں کہاں جاؤں، کدھر جاؤں، عذاب میری گردن پر سوار ہے۔ بیزاری میری جان کو کھا رہی ہے۔ کاش بجلی مجھے جلا کر راکھ کر دے۔ مجھے زمین میں دفنا دیا جائے۔ سمندر میں تیرتے اژدہے مجھے کھا جائیں۔ معلوم نہیں یہ مصائب کب ختم ہوں گے اس عذاب سے کب چھٹکارا ملے گا۔ اے دیوتا! اپنی اس لونڈی اور باندی کی فریاد سن۔

پرومی تھیس: اے انیکس کی بیٹی! میں تیری فریاد سن رہا ہوں تو نے جیوپیٹر کے دل میں عشق کی آگ جلائی اور اس کی بیوی ہیرا کے دل میں انتقام اور حسد کی آگ جل اٹھی وہ اب تیرا پیچھا کر رہی ہے اور یہ تعاقب کبھی ختم نہ ہوگا۔

آیو: تم میرے باپ انیکس کو کیسے جانتے ہو میری نسل کا تمہیں کیسے علم ہے؟ تم انسان ہو یا دیوتا۔ تم خود مصیبت زدہ ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس زمین پر پریشان حال بھوکی اور پیاسی ہیرا کے انتقام اور حسد سے خوفزدہ مسلسل بھاگ رہی ہوں۔

پرومی تھیس: میں پرومی تھیس ہوں جس نے فانی انسان کو لافانی آگ کا تحفہ دیا ہے۔

آیو: اچھا تو انسانیت کو فیض پہنچانے والے تم پرومی تھیس ہو...... لیکن تم اس بری حالت میں کیوں ہو؟ اس پہاڑی سے تمہیں کس نے باندھا ہے۔

(آیو کو یہ علم نہیں کہ پرومی تھیس کا اصل قصہ کیا ہے وہ اس سے اس کی کہانی سننا چاہتی ہے لیکن جل پریاں پرومی تھیس کو یہ کہہ کر روک دیتی ہیں کہ ہم پہلے اس کی آپ بیتی سننا چاہتی ہیں کہ یہ ملک ملک کیوں ماری ماری پھر رہی ہے۔ آیو اپنی دکھ بھری کہانی یوں کہتی ہے):

آیو: اگرچہ یہ بات میرے لئے تکلیف دہ ہے اور قابل شرم ہے کہ وہ سارے واقعات بیان کروں جو

میرے لئے عذاب کا سبب بنے۔ جنہوں نے میری شکل بگاڑ دی۔ مجھے ہر رات سپنے آتے تھے جو مجھے نرم آواز میں یہ کہتے تھے "اے دوشیزہ کب تک اپنی دوشیزگی کو سنبھالے رکھو گی۔ جیوپیٹر کی ذات بلند و بالا تمہاری خواہش مند ہے۔ وہ تم پر مرتا ہے۔ تم سے ہم آغوش ہونے کا خواہش مند ہے۔ اس سے خوف نہ کھا۔ اٹھ اور لیسرنا کی چراگاہوں میں جہاں ہری بھری گھاس لہلہاتی ہے اور تمہارے باپ کے مویشی پھرتے ہیں چل وہاں چل تا کہ جیوپیٹر تمہارے رخ زیبا سے اپنی پیاس بجھا سکے۔

(آیو نے جب یہ خواب مسلسل دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا۔ باپ نے قاصد بھیجے کہ پتہ کر کے آئیں کہ آخر دیوتا کیا چاہتے ہیں۔ وہاں سے حکم آیا کہ اسے گھر سے نکال دو کہیں اس کی وجہ سے ساری نسل پر آفت نہ آجائے۔ چنانچہ آیو کا باپ اسے گھر سے نکال دیتا ہے)۔

آیو: میرے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ گھر کے دروازے مجھ پر بند کر لئے۔ اس پر نہ میں راضی تھی نہ میرا باپ۔ مگر جیوپیٹر کے حکم کے سامنے ہم دونوں مجبور تھے۔ میں بدحواس ہوگئی۔ میری پیشانی پر سینگ ابھر آیا جو تم دیکھ رہے ہو اور ایک بڑمکھی نے میرے گوشت میں اپنا سر پیوست کر دیا ہے۔ میں دوڑتی ہوئی لیسرنا کی چراگاہ میں پہنچ گئی۔ وہاں آرگس میرے پیچھے لگا رہا اور اپنی ہزاروں آنکھوں کے ساتھ میری نگرانی کرتا رہا۔ آخر کار موت نے غیر متوقع طور پر اسے ختم کر دیا۔

(پرومی تھیس آیو کے اصرار پر اسے اس کے مستقبل کے دنوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ کیسے اسے سیتھیا کے میدانوں اور طوفان خیز سمندروں کے ساتھ ساتھ چل کر وحشی علاقوں سے گزرنا ہوگا۔ گھمنڈ کی جھبیل پتھریلی چٹانوں سے پیشانی رگڑنے والے دریا عبور کرنا ہوں گے۔ تھرمون دریا اور خاکنائے سمیرس پہنچنا ہوگا۔ عفریت منہ کھولے اس کے منتظر ہیں۔ سمندر میں کود کر آبنائے میونس اور فاسفورس کی گزرگاہ تک آنا ہوگا۔ یورپ کی سرحد عبور کر کے ایشیا میں داخل ہونا ہوگا۔ آیو یہ سب کچھ سن کر آہ و زاری کرتی ہے)۔

آیو: میں مر کیوں نہ جاؤں میں کیوں زندہ رہوں اس چٹان سے کود جاؤں۔ نیچے گروں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تا کہ زندگی اور اس کی مصیبتوں سے نجات حاصل ہو۔

پرومی تھیس :تم خوش قسمت ہو۔زندگی تمہیں عذاب سے نجات دلا سکتی ہے۔ مجھے دیکھو دائمی حیات ملی ہے میرے دکھوں کے خاتمے کی کوئی حد نہیں۔ان کا خاتمہ اس وقت ہوگا جب جیوپیٹر کو زوال آئے گا۔

آیو: لیکن اس کا اقتدار کب ختم ہوگا؟

پرومی تھیس :اس کی نادانی اس کی تباہی ثابت ہوگی۔

آیو: مگر کیسے؟

پرومی تھیس :شادی اسے تلخ نتائج سے دوچار کرے گی۔

آیو: کیا اس کی بیوی اسے تخت سے محروم کرے گی؟

پرومی تھیس :وہ ایک بیٹے کو جنم دے گی جو باپ سے زیادہ قوی ہوگا اور باپ کو قتل کرے گا۔

آیو: اس سے فرار کا کوئی راستہ؟

پرومی تھیس :کوئی راستہ نہیں۔اگر میری زنجیریں کھول دی جائیں تو میں کچھ کرسکتا ہوں۔نوشتہ قسمت یہ ہے کہ وہ بیٹا تمہارے پیٹ سے جنم لے گا۔

آیو: میرا بیٹا تمہارا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔

پرومی تھیس :ہاں دس پشتوں کے بعد تیری پشت سے وہ پیدا ہوگا۔جیوپیٹر آج مغرور ہے کل ذلیل ہوگا آج وہ شادی کے لئے بے تاب ہے کل یہی اس کی سلطنت کا خاتمہ کرے گا اور اس کا نام ونشان مٹ جائے گا اور اس کے باپ کرونس کی بددعا پوری ہوگی جو اس نے اس وقت دی تھی جب اسے تخت سے زبردستی اتارا گیا تھا۔میں اور صرف میں ہی جانتا ہوں اسے تباہی سے بچانے کی کیا تدبیر ہے؟

(آیو یہ بات سن کر روتی پیٹتی چلی جاتی ہے اور دیوتا زیوس کا پیامبر ہرمیس (Hermes) آتا ہے اور پرومی تھیس سے وہ راز پوچھتا ہے جو زیوس کو تباہی سے بچائے گا)

ہرمیس :اے سازشی، چالاک کڑوی زبان والے! دیوتاؤں کی شان میں گستاخی کرنے والے! انسان کے ہمدرد، دیوتاؤں کی قوت انسان کو دینے والے! باپ جیوپیٹر کا حکم ہے کہ غرور سے باز آؤ۔ اس شادی کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے خیال میں اس کی تباہی کا باعث بنے گی۔

پرومی تھیس :خوف میرے ذہن کے کسی گوشے میں داخل نہیں ہو سکتا جس راہ سے آئے ہو اسی سے واپس چلے جاؤ میں تمہیں کوئی جواب نہیں دوں گا۔

ہرمیس :تم دیوانے ہو تمہاری عقل جواب دے گئی ہے۔

پرومی تھیس :دشمن سے نفرت اگر دیوانگی ہے تو مجھے انکار نہیں، میں دیوانہ ہوں۔

پرومی تھیس :اس نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اس کا جواب یہی ہے اگر تم نے اپنے آپ کو حماقت کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا تو اس کا عذاب جس میں تم مبتلا ہو کچھ سبق حاصل کرو۔ میں جیوپیٹر کے ڈر سے یا اس کے تبسم کے لئے خود اپنی روح پر نسوانیت طاری نہیں کروں گا اپنے دشمن سے عورت کی طرح دامن پھیلا کر زنجیروں سے آزادی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔

ہرمیس :تمہارا حال اس بچھڑے جیسا ہے جو اپنے منہ سے دانہ کاٹتا ہے اور اپنی رسی سے کشتی لڑتا ہے۔ ایک بار پھر سوچ لو جیوپیٹر اپنی گرج سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا بجلیاں انہیں جلا کر راکھ کر دیں گی اور تم اس ڈھیر میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔

پرومی تھیس :میں تیار ہوں۔ اسے کہو بجلی کو حکم دے مجھ پر ٹوٹے صرصر سے کہو ایسا طوفان بپا کرے جس سے ستارے راہ بھول جائیں۔ مجھے تاریک اور عمیق گہرائیوں سے گرا دے میں تقدیر کی گرفت میں جکڑا وہاں پڑا رہوں گا۔ یہ سب کچھ جھیل لوں گا لیکن مروں گا نہیں میرا وجود ختم نہیں ہوگا۔

(ہرمیس اس کی بات سن کر جھنجھلاتا ہے اور کہتا ہے "تجھ پر اب زیوس کا عذاب آنے والا ہے اور پھر جل پریوں سے کہتا ہے کہ تم ایک طرف ہو جاؤ تم اس کی شریک غم ہو شریک جرم نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو اس کے ساتھ تمہیں بھی عذاب بھگتنا پڑے اور برق گرج تمہارے حواس بھی منتشر کر دے۔ لیکن وہ وفا کا دم

بھرتی ہیں اور کہتی ہیں)۔

جل پریاں: ہمیں ایسا مشورہ نہ دو جسے انصاف پسند نفرت سے دیکھیں جو عذاب بھی ہم پر ٹوٹے۔ ہم اس کے درد میں شریک ہیں ہم اسے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ اس زمین پر بہت سی لعنتیں ہیں لیکن مصیبت میں دوست کا ساتھ نہ چھوڑنا دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

(اس کے بعد بجلی چمکتی ہے زلزلہ آتا ہے آتشیں دائرے پرومی تھیس کو گھیر لیتے ہیں سمندر اور آسمان ایک ہو جاتے ہیں اور پرومی تھیس اپنی ماں تھمیس کی دہائی دیتا ہے۔ جل پریوں سمیت زمین میں غائب ہو جاتا ہے اور ڈرامہ کا اختتام عمل میں آتا ہے)۔

یہ بلندی، فکر، شاعرانہ اسلوب، جاندار کرداروں کی تشکیل کے اعتبار سے اسکائی لس کا ایک ناقابل فراموش المیہ ہے۔ یہ اس کی Trilogy کا ٹکڑا ہے جس میں پرومی تھیس لافانی کردار نے ایک جان پیدا کر دی ہے۔ اس میں Action نہ ہونے کے برابر ہے لیکن پرومی تھیس کی جان پر ٹوٹتا مسلسل عذاب حرکت کو رکنے نہیں دیتا۔ اس المیے کا سب سے جاندار کردار پرومی تھیس کا کردار ہے جو ظلم کے خلاف ایک آواز بلند کرتا ہے۔ جیوپیٹر کا ظلم اسے یہ آواز دبانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ کردار ظالم کا دشمن اور کمزوروں کا ہمدرد ہے۔ اس نے جیوپیٹر کی مدد کی لیکن جب اس نے تخت پر بیٹھ کر انسانوں پر ظلم ڈھائے تو وہ جیوپیٹر کے خلاف ہو گیا۔

انسانوں سے ہمدردی جتائی۔ انسان کو آگ دی۔ علوم و فنون سکھائے۔ دنیا میں رہنے کا ڈھنگ سکھایا۔ ان کے دلوں سے موت کا وسوسہ ختم کر کے مستقبل سے امیدیں باندھنے کا گر سکھایا۔ چیونٹیوں کی طرح زندگی بسر کرنے والوں کو گھروں میں رہنے کا شعور دیا۔ چنانچہ جیوپیٹر کو یہی بات اچھی نہ لگی اور پرومی تھیس کو اس پاداش میں عذاب مسلسل میں مبتلا کر دیا لیکن پرومی تھیس کے دل میں پھر بھی خوف طاری نہ ہوا۔ وہ برملا اس کی مخالفت کرتا رہا۔ رود بار کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا۔ ہرمیس جو اس کے لئے صلح کا پیغام لے کر آتا ہے اور سودا بازی کرنا چاہتا ہے کہ اگر پرومی تھیس جیوپیٹر کو اس شادی کا راز بتلا دے جس سے اس کی تباہی آئے گی تو شاید جیوپیٹر اس کی سزا میں کمی کر دے۔ پرومی تھیس انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ

عورتوں کی طرح اپنے بدترین دشمن سے آزادی کی بھیک نہیں مانگے گا۔ یہ اس کی جرأت کی بہترین دلیل ہے۔ پرومی تھیس لافانی ہے حیات ابدی کا مالک ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے دکھوں کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا کیونکہ موت کے ساتھ سب دکھ ختم ہو جاتے ہیں۔ پرومی تھیس جانتا ہے کہ یہ مسلسل عذاب اسے دیمک کی طرح چاٹتا رہے گا۔

> **Thou are happy that death from all the living wrongs may free thee, but I, whom fate has made immortal no end to my long lingering pains appointed.**

لیکن جیوپیٹر کے سامنے گردن نہیں جھکاتا کیونکہ وہ حق پر ہے اور برملا کہتا ہے کہ اس کے ظلم کے سامنے میں اپنے فخر کا سر خم نہیں کروں گا۔

اسکائی لیس اس نظریئے کا قائل ہے کہ تقدیر انسانوں اور دیوتاؤں دونوں سے یکساں سلوک کرتی ہے۔ اگر انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہے تو دیوتاؤں کو بھی اس سے فرار حاصل نہیں۔ چنانچہ پرومی تھیس بھی اس کا شاکی ہے اور وہ بار بار اس چیز کا ذکر کرتا ہے کہ بے شک میں ہنر مند ہوں لیکن تقدیر سے لڑنا ناممکن ہے۔ چنانچہ وہ ہر ستم کو نوشتہ تقدیر جان کو برداشت کرتا ہے اور اس امید پر عذاب سہتا ہے کہ کسی نہ کسی دن ظالم کو زوال ضرور آئے گا اور اسے آزادی ملے گی۔ پرومی تھیس کا کردار ظالم کے خلاف آزادی اور جرأت کی ایک بہترین مثال ہے۔ وہ ایک ایسا کردار ہے جو ظالم اور ڈکٹیٹر کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا بلکہ اس کے غلط فیصلے پر آواز بلند کرتا ہے۔ جیوپیٹر نے تخت پر بیٹھ کر انسان کو محروم رکھا بلکہ کرۂ ارضی سے اسے مٹانے کی کوشش کی تو سارے دیوتاؤں نے ہاں میں ہاں ملائی لیکن اس کے خلاف آواز بلند کرنے والا صرف پرومی تھیس تھا۔ چنانچہ اس کی اسے سزا ملی۔ پرومی تھیس ڈراموں کی تاریخ میں ظلم کے خلاف احتجاج کی پہلی بڑی آواز ہے جس کی گونج اور چاپ ہمارے آج کے جدید ڈراموں میں بھی مسلسل سنائی دے رہی ہے۔

اس ڈرامے کا دوسرا اہم کردار جیوپیٹر یا زیوس کا کردار ہے جو اسٹیج پر تو نہیں آتا لیکن ڈرامے کے شروع سے لے کر آخر تک اس کی گونج سنائی دیتی رہتی ہے۔ پرومی تھیس کی ساری تقریر میں اس کے ظلم کی کہانیاں ہیں جن سے اس چیز کی وضاحت ہوتی ہے کہ جیوپیٹر ایک ظالم اور قاہر کردار ہے۔ پرومی تھیس کو

بخشا ہوا مسلسل عذاب اس کی زندہ مثال ہے۔ اس نے اپنے ظلم سے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی۔ اپنے باپ کرونس کو تخت سے محروم کیا۔ وہ دوست دشمن بھی ہے۔ پرومی تھیس نے تخت حاصل کرنے میں اس کی مدد کی لیکن بعد میں وہ اس کا ہی دشمن بن گیا اور احسان فراموشی کا ثبوت دیا۔ وہ ظالم ہونے کے علاوہ جنسی ہوس کا بھی شکار ہے۔ آیو جیسی معصوم دوشیزہ اس کی وجہ سے بے گھر ہے اور مسلسل عذاب میں مبتلا ہے۔ اگر وہ اس سے ہم بستری کی خواہش نہ کرتا تو ہیرا کا انتقام آیو کو یہ دن دیکھنے پر مجبور نہ کرتا۔ یونانی دیو مالائی قصوں میں دیوتاؤں کو جنسی ہوس کا شکار دکھایا گیا ہے۔ زیوس اس میں پیش پیش ہے۔ فانی عورتوں سے اس کی کئی شادیاں اس شے کا ثبوت ہیں۔ یوری پیڈیز دیوتاؤں کے اس پہلو سے سخت متنفر تھا اور اس نے اپنے ڈراموں میں بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ دیوتاؤں کو اس میں مبتلا یا ملوث قرار کرنا درست نہیں۔ اس نے اس کو یکسر غلط قرار دیا اور کئی بار کہا:

If Gods do evils, They are no Gods.

اسکائی لیس کا تصور یہ تھا کہ جیوپیٹر پہلے بے شک ظالم اور ستم شعار تھا لیکن بعد میں اس نے یہ عادت چھوڑ دی۔ انسانوں کا دوست بن گیا اور انسانوں کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر ہو گئے تھے۔ شاید اس Trilogy کے آخری حصے میں پرومی تھیس کی سزا معاف کرنا اسی انسان دوستی کا ایک ثبوت تھا۔ یہ بعد کی بات ہے لیکن زیر بحث ڈرامے میں اس کا کردار ایک ظالم ملکوتی بادشاہ کا کردار ہے جس کے دل میں رحم نہیں۔ انسان دشمن ہے۔ احسان فراموش ہے اور جنسی بھوک کے ہاتھوں دوشیزاؤں کو بے گھر کرتا ہے۔ بیوی سے بے وفائی کرتا ہے اور دوسری عورتوں کے لمس سے اپنا بستر گرم کرتا ہے۔

آیو ایک معصوم دوشیزہ کے روپ میں ابھرتی ہے اس کا کوئی قصور نہیں لیکن وہ ایک عذاب پاؤں میں باندھ کر گردش کے سفر پر رواں دواں ہے۔ اس کا جرم اس کا کنوارا پن اور اس کی خوبصورتی ہے جس نے جیوپیٹر کے دل میں شوق کی آگ جلائی اور ہیرا کے دل میں انتقام کا الاؤ روشن کیا۔ وہ اس خوبصورتی کے ہاتھوں تنگ ہے۔ اسے بچھیا کا روپ ملتا ہے۔ بڑ مکھی کے عذاب میں مبتلا ہے۔ مرنا چاہتی ہے لیکن مر نہیں سکتی کیونکہ تقدیر میں ابھی موت نہیں لکھی۔ موت آئے گی لیکن سارے عذاب سہہ کر اس کا تو یہ حال ہے:

ہم اڑتے پھرتے ہیں مثلِ خوشبو
دیکھتا رہتا ہے رستہ ہم کو

جل پریوں کا کردار ایک لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ وہ اس لئے کہ وفا کی جو مثال یہ قائم کرتی ہیں اس ڈرامے میں ابھرنے والے کسی کردار نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ پرومی تھیس عذاب میں مبتلا ہے۔ جل پریاں اس سے ہمدردی جتلاتی ہیں لیکن جیوپیٹر کے ظلم کے سامنے بے بس ہیں۔ جل پریاں بھی جیوپیٹر کے ظلم سے واقف ہیں لیکن ان کے دلوں میں پرومی تھیس کی دوستی کی جڑیں جیوپیٹر کے ظلم سے زیادہ گہری ہیں۔ جب رودبار انہیں کہتا ہے کہ تم ایک طرف ہو جاؤ کہیں جیوپیٹر کا غضب تمہیں بھی ختم نہ کر دے تو وہ اس مشورے کو خاطر میں نہیں لاتیں بلکہ کہتی ہیں:

With his sorrow I will sorrow. I will hate a traitor's name, earth has plague but non more than a faithless friend in need.

یہ سطریں ان کی وفا کی روشن دلیل ہیں چنانچہ جیوپیٹر پرومی تھیس کو زمین میں غرق کرتا ہے یہ اس کے ساتھ زیرِ زمین جاتی ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

سوفیکلیز (SOPHOCLES)

(406.....ق م)

ٹریجڈی کا دوسرا اہم نام سوفیکلیز 497 ق م میں ایتھنز کے نواحی علاقے Colonos میں پیدا ہوا۔ مال دار باپ کا بیٹا تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ موسیقی کی تعلیم اپنے عہد کے نامور موسیقار Lamprus سے حاصل کی۔ ڈرامے کا فن اسکائی لیس سے سیکھا۔ بے حد خوبصورت، پر وقار اور قابل رشک جسمانی ساخت کا مالک تھا۔ سیلمس (Salamis) کی جنگ کا جشن فتح منایا گیا تو گانے والے نوجوانوں کا سردار منتخب کیا گیا تھا۔ 486 ق م میں اسے بہترین ڈرامہ لکھنے پر پہلا انعام ملا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس مقابلے میں اس کا حریف اسکائی لیس تھا جس سے اس نے ڈرامے کا فن سیکھا تھا۔ شہر کی سیاسی، اقتصادی اور فوجی زندگی میں اس کا بڑا عمل دخل تھا۔ سیموس (Smos) کی جنگ میں پیریکلیز کی زیر کمان جنگ میں حصہ لیا۔ سوفیکلیز نے 123 ڈرامے لکھے۔ 24 ڈراموں پر اسے اول انعام ملا۔

ان 123 ڈراموں میں سے صرف 7 ڈرامے مل سکے ہیں جنہیں سکندر اعظم کے عہد میں دانشوروں نے کتابی شکل دے کر سکولوں کے نصاب میں شامل کر دیا تھا۔

آیجکس (Ajax):

یہ ڈرامہ ٹرائے کی جنگ میں شامل ایک جرنیل آیجکس (Ajax) کے پاگل پن اور موت کی کہانی ہے جو اکلیز کی موت کے بعد اس کے ہتھیار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس آرزو میں وہ جنونی ہو گیا۔ آگامم نان کو مارنے پر تل گیا لیکن آسمانی دیوی ایتھینا (Athena) نے اسے پاگل کر دیا۔ اس پاگل پن میں اس نے بھیڑوں کے ایک ریوڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پاگل پن دور ہوا تو بہت نادم ہوا اور سمندر کے کنارے جا کر اپنی تلوار سے خودکشی کر لی۔ نقادوں نے اس ڈرامے کو پلاٹ کی تشکیل و ترتیب کے لحاظ سے

کمزور ڈرامہ قرار دیا تھا۔ اس ڈرامے کی اصل خوبصورتی اوڈی سی لیس کا جاندار کردار ہے جو اَجکس (Ajax) کو دفنانے کے سلسلے میں اس کے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

2- Trachiniae :

یہ ڈرامہ ایک عورت کے انتقام اور عورت کی قربانی کی داستان ہے۔ ڈرامے کا ہیرو ہرکولیس (Hercules) ہے اور وہ ایک شہر Oechallia کو فتح کر کے عورتوں کو غلام بنا لیتا ہے۔ ایک شہزادی Lole کی محبت کا شکار ہو کر اسے اپنی بیوی Deianira کے پاس بھیج دیتا ہے۔ شہزادی اس کی بیوی کو ایک زہر بھرا خوبصورت لبادہ (چوغہ) تحفے میں دیتی ہے جسے (Deianira) بڑے پیار اور عقیدت کے ساتھ ہرکولیس کو میدان جنگ میں بھیج دیتی ہے۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس طرح ہرکولیس کی ہمدردی حاصل کر لے گی لیکن اسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ چوغہ زہر بھرا تھا جسے ہرکولیس پہن کر موت کی وادی کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ Deianira یہ راز جان کر خودکشی کر لیتی ہے۔ ہرکولیس زندہ جل جاتا ہے اور شہزادی ہرکولیس کے بیٹے Hyllus کو مل جاتی ہے۔

3- الیکٹرا (Electra)

یہ ڈرامہ Atreus گھرانے پر نازل ہونے والی آفتوں اور مصیبتوں کی ایک کڑی ہے جسے اسکائی لیس نے (Oresteria) (یعنی تین ڈراموں کی سلسلے وار کہانی کی صورت میں پیش کیا تھا)۔

آگامم نان ٹرائے کی جنگ جیت کر واپس آیا تو اس کے ساتھ پریام کی بیٹی تھی۔ آگامم خان کی بیوی کلائی ٹم نسٹرا (Clytemnestra) اپنے عاشق Aegisthus کے ساتھ مل کر اپنے خاوند کو قتل کر دیتی ہے۔ پریام کی بیٹی کو بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ عاشق اور معشوق دونوں کے لئے ایک اہم رکاوٹ آگامم نان کی بیٹی الیکٹرا ہے (بیٹا اورسٹیز پہلے ہی بھاگ چکا ہے) الیکٹرا محل میں اپنے باپ کے قاتلوں کے ساتھ سر جھکا کر وقت گزارتی ہے اور بھائی اورسٹیز کی منتظر ہے کہ وہ کب جوان ہو کر آئے اور باپ کا انتقام لے۔ یہ ڈرامہ الیکٹرا کے جاندار کردار کی وجہ سے بے حد مقبول ڈرامہ ہے۔ اورسٹیز محل میں آتا ہے تو بہن اسے انتقام لینے پر اکساتی ہے لیکن ماں کو دیکھ کر اورسٹیز کا دل موم ہو جاتا ہے۔ الیکٹرا حوصلہ دلاتی ہے۔ باپ

کے قتل کا نقشہ دکھاتی ہے اور سٹیز (Orestes) ماں کو قتل کرنے لگتا ہے تو ماں اپنی چھاتیوں پر ہاتھ رکھ کر التجا کرتی ہے کہ ان سے دودھ پی کر تم جوان ہوئے ہو، کیا ان پر تلوار چلاؤ گے۔ اورسٹیز (Orestes) کا ہاتھ لرزنے لگتا ہے تو اس کا دوست اسے دیوتاؤں کی پیش گوئی یاد دلاتا ہے کہ یہ قتل تم سے ہی ہو گا اور سٹیز ماں کو مارتا ہے۔ اس کے عاشق Aegisthus کو قتل کرتا ہے۔ انگریزی ڈرامہ نگار شیکسپیئر کے لافانی شاہکار ہملٹ کا سارا پلاٹ الیکٹرا سے ماخوذ ہے۔ الیکٹرا اور ہملٹ کے کردار ایک جیسے ہیں۔ تھوڑا سا فرق ہے تو عمل کا۔ دونوں ڈراموں میں ماں عاشق سے مل کر خاوند کا قتل کرتی ہے۔ دونوں ڈراموں میں بیٹا باپ کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ ہملٹ چند وجوہات کی بناء پر انتقام لینے میں ناکام رہتا ہے۔ اورسٹیز (Orestes) الیکٹرا اور دیوتاؤں کی پیش گوئی کی بنا پر انتقام لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہملٹ ڈرامے میں داخل ہوتا ہے تو ہملٹ کے باپ کا بھوت سازش سے پردہ اٹھاتا ہے اور ہملٹ کو پتہ چلتا ہے کہ ''ریاست میں گڑبڑ'' ہے۔ اورسٹیز (Orestes) جوان ہو کر محل میں آتا ہے تو الیکٹرا راز سے پردہ اٹھاتی ہے۔ قاتل کو عبادت میں مصروف دیکھ کر ہملٹ تلوار اٹھانے میں ناکام رہتا ہے اور سٹیز ماں کی التجا سن کر تلوار پھینکنا چاہتا ہے لیکن سنبھل جاتا ہے۔

سوفیکلیز کا یہ ڈرامہ مختلف انسانی کرداروں کے نفسیاتی الجھاؤ اور مشاہدے کی بہترین مثال ہے۔ سوفیکلیز نیکی اور بدی کے نمائندہ کرداروں کی تہہ میں اتر کر ان کی کردار نگاری کرتا ہے۔

ایڈی پس

(OEDIPUS THE KING)

Thebes کے شاہی گھرانے کی تباہی کی کہانی سوفیکلیز نے Oresteia کی صورت میں تین ڈراموں کی شکل میں بیان کی ہے:

1) OEDIPUS THE KING
2) OEDIPUS AT COLONOS
3) ANTIGONE

خاندان کی اس تباہی کا ایک پس منظر ہے۔ ایڈی پس کے باپ Laius نے Pelops بیٹے Chryssipos کو زبردستی اغواء کرلیا جو دیوتاؤں کے نزدیک بہت بڑا جرم تھا جس کی سزا دو نسلوں کو بھگتنا پڑے گی۔ Laius نے جوکاسٹا Jocasta سے شادی کر لی۔ دیوتا اپالو Apollo نے دونوں کوخبردار کیا کہ تمہارے ہاں ایک ایسا بیٹا جنم لے گا جو باپ کو قتل کر کے اپنی ماں کے ساتھ شادی کرے گا۔ بادشاہ نے اس خطرے سے بچنے کے لئے اپنے نومولود بچے کے پیر کو نیزے سے زخمی کر دیا اور ایک چرواہے کو دے دیا۔ کہا اسے Cthaeron پہاڑی سے نیچے پھینک دے جو Thebes اور Corinth کی سرحدوں کے درمیان ہے۔ چرواہے کو بچے پر ترس آ گیا اور اس نے دوسرے چرواہے کو دے دیا جو اسے Corinth کے بے اولاد بادشاہ Polybus اور ملکہ میروپی (Merope) کو دے آیا۔ میروپی نے بچے کے پاؤں کے زخم کو سوجا ہوا دیکھا تو اس کا نام Oedipus رکھ دیا جس کا یونانی زبان میں مطلب Swollen Foot ہے۔

ایڈی پس Polybus کو اپنا باپ جان کر بڑا ہوا۔ لیکن ایک دن لوگوں سے پتہ چلا کہ وہ اس کا اصل باپ نہیں۔ ایڈی پس Delphi چلا آیا اور اپنے اصلی ماں باپ کے بارے میں پوچھا لیکن وہاں

سے یہ جواب ملا کہ تم اپنے باپ کو قتل کر کے اپنی ماں سے شادی کرو گے چنانچہ ایڈی پس اس ڈر سے کہ کہیں وہ Polybus کو قتل کر کے میروپی سے شادی نہ کر لے، Corinth سے بھاگ گیا اور Thebes کی طرف جانے والی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ ایڈی پس کا باپ Laius اپنے آدمیوں کے ساتھ آ رہا تھا کہ اس کے آدمیوں نے ایڈی پس کو سڑک سے ایک طرف ہونے کے لئے کہا۔ آپس میں جھگڑا ہوا اور ایڈی پس نے Laius کو قتل کر دیا۔ یہ اپالو کی پیش گوئی کا پہلا حصہ تھا جو سچ ثابت ہوا۔

ایڈی پس Thebes پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس شہر کا بادشاہ قتل ہو گیا ہے۔ اسے بالکل علم نہیں تھا کہ اس کے ہاتھوں قتل ہونے والا شہر کا بادشاہ تھا۔ شہر کے دروازے پر ایک بلا Sphinx (جس کا جسم شیر اور سر عورت کا تھا) بیٹھی تھی۔ وہ ہر آدمی سے ایک پہیلی پوچھتی تھی جو جواب نہ دے سکتے تھے انہیں مار دیتی تھی۔ سینکڑوں شہری اس کا شکار ہو چکے تھے۔ ملکہ Jocasta کے بھائی Creon نے اعلان کر دیا تھا کہ جو اس بلا کی پہیلی کا جواب دے کر شہر کو اس سے نجات دلائے گا وہ تخت اور مرحوم بادشاہ کی بیوی Jocasta کا حق دار ہوگا۔ بلا کی پہیلی یہ تھی کہ ایک مخلوق ایسی ہے جو چار پیروں پر چلتی ہے۔ دو پیروں پر بھی چلتی ہے اور پھر تین پیروں پر بھی چلتی ہے۔ لیکن جب چار پیروں پر چلتی ہے تو بہت آہستہ چلتی ہے۔ ایڈی پس نے اس پہیلی کو غور سے سنا اور سمجھ گیا کہ یہ مخلوق انسان ہے جو بچپن میں چار پیروں یعنی دو ہاتھوں اور دو پیروں پر چلتا ہے۔ جوانی میں دو پیروں پر بڑھاپے میں دو پیروں کے ساتھ ایک چھڑی آ جاتی ہے۔ بچپن میں اگرچہ چار پیر استعمال کرتا ہے لیکن رفتار بہت آہستہ ہوتی ہے۔

ایڈی پس نے پہیلی بوجھ لی۔ بلا اپنی آگ میں جل کر تباہ ہو گئی۔ ایڈی پس کو Thebes کا بادشاہ بنا دیا گیا اور اس نے بغیر جانے کہ وہ اس کی ماں ہے Jocasta سے شادی کر لی جس سے ایڈی پس کے چار بچے پیدا ہوئے۔ دو بیٹے Eteocles اور Polynices دو بیٹیاں Antigone اور Ismene۔ یہ اپالو کے معجزے اور پیش گوئی کا دوسرا حصہ تھا جو سچ ثابت ہو گیا تھا۔

OEDIPUS THE KING

شہری ایڈی پس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ شہریوں کو طویل بیماری سے چھٹکارا دلانے کیلئے کچھ کرے۔ ایڈی پس اپنے سالے یعنی ماموں Creon کو ڈلفی بھیجتا ہے کہ کوئی حل پوچھ کر آئے۔ وہ

واپس آکر بتاتا ہے کہ دیوتا کہتے ہیں کہ جب تک وہ شخص جس نے اپنے باپ کو قتل کیا ہے شہر سے نکل نہیں جاتا بیماری شہر کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ ایڈی پس فوراً ایسے آدمی کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ اندھا پیش گوئی کرنے والا Tireias بلایا جاتا ہے تاکہ اس مسئلے پر روشنی ڈالے لیکن وہ کچھ بتانے سے انکار کر دیتا ہے۔ بادشاہ کے اصرار پر وہ ایڈی پس کو قاتل قرار دیتا ہے۔ ایڈی پس اس الزام کو Creon کی سازش کہتا ہے تاکہ وہ تخت پر قبضہ کرلے۔ Jocasta ایڈی پس کو یہ کہہ کر تسلی دیتی ہے کہ یہ معجزے اور پیش گوئیاں بالکل فضول ہوتی ہیں۔ وہ بتاتی ہے کہ بادشاہ Laius کو کہا گیا تھا کہ اس کا بیٹا اسے مار دے گا لیکن وہ Thebes کی سرحد پر ایک اجنبی کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ ایڈی پس کو اس بات سے وہ بوڑھا یاد آتا ہے جسے اس نے برسوں پہلے قتل کیا تھا۔ اس موقعہ پر Corinth سے ایک پیامبر آکر بتاتا ہے کہ Polybus مر چکا ہے۔ ایڈی پس اس بات سے اطمینان محسوس کرتا ہے کہ ڈلفی کی پیش گوئی سچ ثابت نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے باپ Polybus کو قتل نہیں کیا۔ یہی پیامبر بتاتا ہے کہ Polybus کے پاس گیا تھا۔ ایڈی پس کو اب یہ جستجو ہوتی ہے کہ اس چرواہے کو بچہ کس نے دیا تھا۔ اب پہلے چرواہے کو لایا جاتا ہے وہ پیامبر کو پہچانتا ہے اور سارا راز ایڈی پس کے سامنے کھول دیا۔ ایڈی پس اپنی بیوی (ماں) کے پاس جاتا ہے لیکن وہ خودکشی کر چکی ہے۔ ایڈی پس اس کے آزار بند میں لگی سلائیوں سے اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا ہے اور Creon کو سزا تجویز کرنے کیلئے کہتا ہے اور شہر Thebes چھوڑ دیتا ہے۔

سوفیکلیز کا یہ ڈرامہ اپنے مضبوط پلاٹ اور کردار نگاری کے لحاظ سے اعلیٰ ترین ڈرامہ ہے۔ یہ سوفیکلیز کی منفرد امیجری اور قادرالکلامی کی بہترین مثال ہے۔ اسے کردار کا المیہ کہیے یا تقدیر کی ستم ظریفی۔ یہ ڈرامہ ایک انسان کی ذہانت اور سچائی کی تلاش ہے۔ ایڈی پس اگر چاہتا تو تلاش کی ڈوری درمیان میں چھوڑ کر حالات کو تبدیل ہونے سے روک سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اصل حقیقت تک پہنچا اور اپنی سزا خود تجویز کی۔ اس نے تقدیر کے فیصلے کو تسلیم کر کے انسان کی عظمت حوصلے اور وقار کو برقرار رکھا ہے۔

ایڈی پس Thebes سے جلاوطن ہوا تو اس کی بیٹی انٹگنی (Antigone) اس کے ساتھ تھی۔ ایڈی پس کے دو بیٹوں Eteocles اور Polynices نے اپنے ماموں Creon کے خلاف بغاوت کر

دی۔ Eteocles کو شہریوں کی حمایت حاصل ہوگئی اور Polynices شہر چھوڑ کر Argos چلا گیا جہاں اس نے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ایڈی پس اپنے گناہ پر آنسو بہاتا اور دردر پھرتا رہا اور آخر اپنی بیٹی کے ساتھ ایتھنز کے نواحی شہر Colonos آ گیا۔

Oedipus at Colonos

شہر کے لوگ ایڈی پس کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ ایڈی پس نے انہیں بتایا کہ وہ اس گناہ کی سزا بھگت رہا ہے جو اس سے لاعلمی میں سرزد ہوا تھا۔ اب وہ Colonos آ گیا ہے کیونکہ دیوتاؤں کی پیش گوئی کے مطابق اسی شہر میں اس کا اختتام ہوگا۔ ایڈی پس کی چھوٹی بیٹی Ismene بھی آ جاتی ہے۔ Polynices آ کر اطلاع دیتا ہے کہ وہ Thebes پر چڑھائی کر رہا ہے۔ انگنی کے منع کرنے کے باوجود نہیں مانتا۔ اس کے جانے کے بعد سارا ماحول بجلی کی کڑک اور طوفان سے بھر جاتا ہے جو دراصل ایڈی پس کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایڈی پس مرتا ہے اور ڈرامہ موت اور زندگی کے بارے میں چند جملوں میں ختم ہوتا ہے۔ سوفیکلیز کا یہ المیہ نقادوں کے نزدیک شاعری کی بہترین مثال ہے۔ بوڑھے سوفیکلیز کی شاعرانہ قوت اور الفاظ پر گرفت بے حد مضبوط ہے۔ ڈرامے کا مرکزی خیال اس چیز کے گرد گھومتا ہے کہ نجات کے ساحل پر انسان دکھ درد، آلام اور مصائب کا سمندر عبور کر کے ہی پہنچتا ہے۔

ایڈی پس کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان جنگ انتہائی شکل اختیار کر گئی۔ Polynices نے Thebes پر آرگوس Argos کے سات پہلوانوں کے ساتھ چڑھائی کر دی۔ Eteocles نے ان شہ زور پہلوانوں کے حملے کو ناکام بنا دیا۔ آخری معرکے میں دونوں بھائی ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ ان کا ماموں Creon ایک بار پھر بادشاہ بن گیا اور اس نے احکام جاری کر دیئے کہ Eteocles ایک محبِ وطن تھا۔ اس کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن Polynices غدار تھا۔ اس لئے اس کی لاش جہاں پڑی ہے پڑی رہے جو اسے دفنانے کی جسارت کرے گا اسے سنگسار کیا جائے گا۔ شہر کے لوگ Creon کے ڈر سے خاموش رہتے ہیں لیکن ایڈی پس کی نڈر بیٹی انگنی (Antigone) اپنے ڈکٹیٹر ماموں Creon کے سامنے ڈٹ جاتی ہے۔

انٹگنی Antigone :

انٹگنی Creon کے حکم کے خلاف اپنے بھائی Polynices کو دفنانے کا عزم کرتی ہے اس کا موقف ہے کہ قانون دیوتا بناتے ہیں۔ انسان کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں۔ یہ دیوتا کا نہیں بادشاہ کا حکم ہے جسے میں ضرور توڑوں گا۔ چنانچہ وہ اکیلی اپنے بھائی کو دفن کرتی ہے۔ انٹگنی Creon کے بیٹے Haemon کی منگیر ہے۔ بادشاہ انٹگنی کو سنگسار کیے جانے کی سزا دیتا ہے۔ بیٹا مخالفت کرتا ہے۔ معجزے بتانے اور پیش گوئی کرنے والا Tiresias بادشاہ بتاتا ہے کہ اس کا فیصلہ مکمل تباہی کا باعث بن سکتا ہے لیکن Creon اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ انٹگنی کو زندہ دیوار میں چنا جاتا ہے۔ وہ فاقوں کی اذیت پر خودکشی کو ترجیح دیتی ہے۔ اس کا منگیتر اس کے ساتھ ہی خودکشی کر لیتا ہے۔ Creon کی بیوی بیٹے کی خبر سن کر مر جاتی ہے۔ Creon یہ صدمہ برداشت نہیں کرتا اور خود بھی مر جاتا ہے اس طرح ایڈی پس کا پورا خاندان اپنے بڑوں کے جرم کی سزا بھگت کر اگلے جہاں رخصت ہوتا ہے۔

سوفیکلیز کا ڈرامہ انٹگنی (Antigone) اپنے مرکزی کردار کی خوبصورت بنت کے لحاظ سے ایک بہترین ڈرامہ ہے۔ سوفیکلیز اپنی حقیقی کردار نگاری کے لئے مشہور ہے۔ وہ کرداروں کی انسانی اچھائیوں اور برائیوں کو نظرانداز نہیں کرتا۔ Creon اور انٹگنی (Antigone) درمیان میں ہونے والے تصادم میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔ انٹگنی اس ڈرامے کا اہم ترین کردار ہے۔ تیز زبان، غصیلی، جرأت مند، انٹگنی اکیلی ہے لیکن بادشاہ کی طاقت کو للکارتی ہے۔ یونانی المیہ ڈراموں میں ابھرنے والے نسوانی کرداروں میں کلائی ٹم نسٹرا (Clytemnestra) الیکٹرا (Electra) اور Medea بڑے لازوال کردار ہیں۔ انٹگنی بھی اسی پائے کا کردار ہے۔ یہ کردار جذبات کی علامت ہے جو ہر خطرے سے بے پرواہ ہے۔ Creon کا قانون اور سزا اس کے ارادے کو نہیں بدل سکتی۔ وہ چٹان کی طرح دربار میں اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور اس کے فیصلے کو للکارتی ہے اور کہتی ہے کہ میں دیوتاؤں کے قانون کا احترام کرتی ہوں۔ انسان کے قانون کا نہیں۔ رہی بات سزا کی تو مجھے پتہ ہے کہ وہ موت ہے جہاں تک موت کا تعلق ہے وہ اسے بھی آئے گی جو قانون نہیں توڑتا اور اسے بھی جو قانون توڑتا ہے میں مرنے کے

لئے تیار ہوں لیکن اگر میں بھائی کو دفنائے بغیر مر گئی تو موت میرے لئے بہت اذیت ناک ہو گی۔ وہ Creon کو بتاتی ہے کہ شہری مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن تمہارے خوف کی وجہ سے بول نہیں سکتے۔ انگنی جرأت اور حق گوئی کی ایک بہترین مثال ہے۔ وہ ایتھنز کے ایک آزاد شہری کا علامتی کردار ہے جو اپنا حق مانگنا جانتا ہے اور حق کے لئے جان دینا بھی۔

Creon کا کردار ایک روایتی ڈکٹیٹر کا کردار ہے جو طاقت پسند ہے اور اپنی زبان پر آئے لفظ کو قانون کا درجہ دیتا ہے اسے یہ فکر نہیں کہ Polynices کو دفنایا جا رہا ہے۔ اسے یہ بات بری لگتی ہے کہ ایک نادان لڑکی سے شکست کھا رہا ہے۔ وہ بار بار انگنی سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ نرم سلوک کر سکے لیکن انگنی ایسا نہیں کرتی۔ وہ سزا دینے سے پہلے اسے موقعہ دیتا ہے کہ جرم سے انکار کر دے لیکن کامیاب نہیں ہوتا اور انگنی کو سزا سنا دیتا ہے۔ پیش گوئی کرنے والے آدمی کی بات کو رد کر کے اس نے پر غرور ہونے کا ثبوت دیا جس کی سزا اسے ملی۔ دیوتاؤں کو ناراض کر کے آدمی خوش نہیں رہتا۔ اس ڈرامے کے آخری کورس میں سوفیکلیز اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو تقدیر دکھائے آدمی کو قبول کر لینا چاہئے۔ زندگی میں خوشی، ذہانت دیوتاؤں کی تکریم سے آتی ہے۔ پر غرور آدمی ہمیشہ برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

ایڈی پس

Thebas شہر کا منظر۔ایڈی پس کا محل پس منظر میں ہے۔اس کے سامنے Zeus معبد خانہ ہے جس کے چبوترے پر پادری اور چند نوجوان لڑکے شاخوں کی طرح جھکے ہوئے ہیں ان کے ہاتھوں میں زیتون کی شاخیں اور ہار ہیں۔ایڈی پس ان کی آواز سن کر مخاطب ہوتا ہے:

ایڈی پس: میرے بچو!

اے نامی گرامی Cadmos کی نسل کے سپوتو!

تمہارے ہاتھوں میں ہار اور زیتون کی شاخیں ہیں

تمام شہر غصے کی بدبو اور دھویں سے بھرا ہے

ہماری آہوں اور حمد کی صداؤں سے سارا شہر گونج رہا ہے

میں آہوں کو گننے سے لاچار ہوں

اور میں بذات خود ایڈی پس

عظیم ایڈی پس تمہارے پاس آیا ہوں

اے پرانی عظیم نسل کے لوگو، تمہیں بولنے کا حق ہے

تم خوف زدہ اور اداس کیوں کھڑے ہو

اپنا مددگار جان کر مجھ سے بات کرو

تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میں بددل ہو رہا ہوں

کوئی شرم اور جھجک محسوس نہ کرو

پادری: اے ہماری دھرتی کے حکمران، اے عظیم ایڈی پس تو ہمیں شاخوں کی طرح خمیدہ دیکھ رہا ہے

جو اپالو کی قربان گاہ کے قریب بیٹھے ہیں
کچھ یہاں تک آتے آتے تھک گئے ہیں
کچھ عمر کے ہاتھوں جھک گئے ہیں
میں اپالو کا پادری ہوں
اور یہ منتخب کئے گئے نوجوان ہیں
اور کچھ لوگ ہاتھوں میں ہار لے کر شہر کے چوراہے پر رو رہے ہیں
اور کچھ لوگ Pallas کی دونوں خانقاہوں اور قبروں پر
(جہاں اب بھی Ismenos پیش گوئی کرتا ہے)
آہیں بھر رہے ہیں کہ ہمارا یہ شہر ایک شدید طوفان سے دوچار ہے
ہمارے شہر پر آسیب کا سایہ ہے
جو گھر آباد تھے برباد اور اجڑ گئے ہیں
آہوں اور کراہوں میں موت کا سایہ بڑھتا جا رہا ہے
میں اور چھوٹے بچے جو شاخوں کی طرح خمیدہ ہیں
زندگی کے بدلتے ہوئے مناظر میں تجھے انسانوں میں سب سے عظیم مانتے ہیں
اور آسمان سے ہمکلام ہونے میں تجھے اعلیٰ اور بہتر مانتے ہیں
کیونکہ تو نے ایک بار پہلے بھی آ کر Cadmos کے نام پر آباد شہر کو موت کے منہ سے بچایا تھا
ہمارے شہر کو دوبارہ زندہ کر۔آ......اور اس طرف دھیان دے
تیری گزشتہ خدمات کے مدنظر یہ شہر تجھے پھر بلا رہا ہے
جن آدمیوں کو تو نے کمال بخشا تھا
وہ زوال پذیر ہو گئے ہیں
جو زندہ تھے، وہ مر گئے ہیں
یہ دھرتی جہاں ہم رہتے ہیں تباہ ہو رہی ہے

اور جیسا کہ تو جانتا ہے کہ زندہ انسانوں پر حکومت کرنا

مردہ لوگوں پر حکومت کرنے سے بہتر ہے

ایڈی پس: میرے روتے اور کراہتے بچو

تم یہاں ایک جانی پہچانی خواہش لے کر آئے ہو

مجھے پتہ ہے کہ تم پلیگ اور وبا سے تباہ ہو رہے ہو

میں جانتا ہوں کہ ہر شخص اپنے دکھ پر رو رہا ہے

دوسرے کے دکھ پر نہیں

لیکن میرا دل اس دھرتی پر رو رہا ہے

تمہارے لئے اشکبار ہے

اور آپ اپنے پر آنسو بہا رہا ہے

لیکن میں روتے ہوئے بھی اپنے پریشان خیالات میں

بھلائی اور بچاؤ کی کوئی راہ تلاش کر رہا ہوں

میں نے Jocasta کے بھائی یعنی اپنے سالے Creon کو Pythian بھیجا ہے

تا کہ کوئی ''عمل'' اور ''اشلوک'' لائے

جو اس حکومت اور لوگوں کو بچانے میں مددگار ثابت ہو۔

(Creon آتا ہے۔ ایڈی پس اس کو دیکھتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے)

ایڈی پس: اے Menoekeus کے بیٹے Creon خدا کی طرف سے تو کون سا مقدس اشلوک لایا ہے؟

خدا کیا کہتا ہے؟

Creon: اپنی بدحالی کے لئے ایک مقدس اشلوک اور جواب لایا ہوں اگر زندگی رہی تو انجام بخیر ہوگا۔

ایڈی پس: الفاظ کیا تھے ان سب سے کہو؟

مجھے ان سب کے دکھ کا غم ہے

اس دکھ کا نہیں جو میری ذات کو ملنے والا ہے

(ایڈی پس کے پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ بادشاہ Laios جو ایڈی پس سے پہلے بادشاہ تھا، اس کو قتل کر دیا گیا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ اس کے قاتل کو سزا دی جائے۔ وبا، بیماری پھر اس علاقے سے دور ہو گی)۔

ایڈی پس: مگر وہ قاتل کہاں ہے؟

Creon: یہاں اس دھرتی پر۔ خدا کہتا ہے جو تلاش کریں گے، ڈھونڈ لیں گے قاتل کو تلاش نہیں کیا گیا۔

ایڈی پس: اسے تلاش کرنا اب میرا کام ہے

(پادری اور لڑکوں سے)

مندر کی مقدس سیڑھیوں سے اٹھو میرے بچو

اپنی خمیدہ شاخوں کو سیدھا کر لو

اور لوگ میری دوسری بات کو سن لیں

Cadmos کی نسل کی بتا دو کہ میں اس کام کو آخری منزل تک پہنچا کر دم لوں گا۔

پادری: میرے بچو اٹھو

بس اسی لئے ہم یہاں آئے تھے الفاظ کی ان موجوں کے لئے جوان ہونٹوں پر لہرائی ہیں۔

ہماری عبادتیں Phoebes کے لئے ہیں

جس نے یہ معجزہ بھیجا ہے

دعا ہے Phoebes آئے اور ہمیں اس وبا سے بچائے

(ایڈی پس اور اس کے درباری بہت خاک چھانتے ہیں لیکن قاتل کا پتہ نہیں چلتا۔ آخر سیانوں اور عقل مندوں سے مشورہ کے بعد تان یہاں ٹوٹتی ہے کہ ایک ہی ہے جو اس اندھیرے میں روشنی دکھا سکتا ہے اور وہ اپالو کے مزار کا اندھا پروہت Teiresias ہے۔ ایڈی پس اسے بلاتا ہے اور کہتا ہے):

ایڈی پس: اے پروہت تو کہ تیری بصیرت سب کچھ جانتی ہے

کہی اور ان کہی باتیں تیرے علم میں ہیں
آسمان اور زمین کی گزرگاہیں تیرے علم میں ہیں
بے شک تو دیکھ نہیں سکتا لیکن جانتا سب کچھ ہے
ہمیں بتا کہ یہ کون سی مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہے
بتا اور مجھے، شہر اور اپنے آپ کو اس آفت سے بچا

پروہت: مجھے گھر جانے دو
(آہ بھر کے)
ذہانت بھی کتنا خطرناک عطیہ ہے
میں سب کچھ جانتا تھا مگر آتے آتے سب کچھ بھول گیا ہوں

ایڈی پس: جو کچھ تم کہہ رہے ہو اچھے لفظ نہیں۔ بتاؤ راز کیا ہے؟

پروہت: وہ راز تمہارے لئے فائدہ مند نہیں۔

ایڈی پس: کیا مطلب؟

پروہت: میں تمہیں اور اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔

(ایڈی پس غضب میں آجاتا ہے اور اسے سخت الفاظ میں حقیقت بیان کرنے کو کہتا ہے اور آخر پروہت فیصلہ کن انداز میں کہتا ہے)

پروہت: تو پھر سنو، وہ قاتل تم ہی ہو جس کی وجہ سے شہر اور لوگوں میں آفت آئی ہے۔

(ایڈی پس غصے میں لال بگولا ہو جاتا ہے اور اسے سخت الفاظ میں کہتا ہے لیکن پروہت اپنی بات پر اڑا رہتا ہے)

پروہت: بے شک تم بادشاہ ہو لیکن جواب دینا میرا انسانی حق ہے
میں تمہارا غلام نہیں۔ دیوتا اپالو کا چاکر ہوں
اور نہ میں Creon کی نسل کا پابند ہوں
(اپنی گفتگو کے آخر میں کہتا ہے)

تم نے لاعلمی میں گناہ کیا ہے

جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اپنی نوعیت کا انوکھا گناہ ہے

جلد ہی ماں اور باپ کی طرف سے دوہری لعنت تیرا مقدر ہوگی

کیونکہ تو نے ماں سے شادی اور باپ کو قتل کیا ہے

خوف کے قدم ہم سے بہت دور تیرا تعاقب کریں گے

اس زمین پر تجھ سے تباہ حال زندگی کسی کی نہیں ہوگی

(اندھا پروہت یہ بات کہ کر چلا جاتا ہے۔ایڈی پس پر بجلی گرتی ہے اس نوکر کی تلاش ہوتی ہے جو ایڈی پس کو بچپن میں مارنے کے لئے لے کر گیا تھا وہ آ کر بتاتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا میں نے وہ بچہ ایک چرواہے کو دے دیا تھا چنانچہ اب ایڈی پس کو پتہ چلتا ہے کہ وہی بد بخت ہے جس نے باپ کو قتل کیا اور اپنی ماں سے شادی کی جس سے دولڑکیاں اور دولڑکے پیدا ہوئے۔ایڈی پس کی ماں Jocasta کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی بیوی رہی ہے وہ اپنے سونے چاندی کے ازار بند سے خودکشی کر لیتی ہے اور ایڈی پس اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا ہے اور شہر چھوڑ کر در بدر ٹھوکریں کھانے نکل کھڑا ہوتا ہے)

ایڈی پس: مجھے مشورہ نہ دو کہ میں نے جو کچھ کیا اچھا نہ تھا۔افسوس کہ میں ملک عدم میں اپنی ماں اور باپ کا کن آنکھوں سے سامنا کروں گا۔

اس ماں اور اس باپ کا

جن کے ساتھ میں نے ایسا جرم کیا ہے

جس کے لئے پھانسی کی سزا بہت معمولی ہے

(پھر اپنے سالے Creon سے کہتا ہے)

جتنی جلد یہ ہو سکے مجھے اس شہر سے کہیں ایسی جگہ پھینک دے جہاں کوئی مجھ سے بات کرنے والا نہ ہو، میرے بیٹے ان کی فکر نہ کر۔

کیونکہ وہ آدمی ہیں، وہ زندہ رہیں گے

لیکن میری بیٹیاں اسمنی (Ismene) اور انٹگنی (Antigone) جو کھانے کے دستر خوان پر

میری حاضری کے بغیر کھانا نہ کھاتی تھیں، ان کی فکر کرنا۔

مجھے اپنے ہاتھوں سے انہیں چھو لینے دے

اور انہیں گلے لگا کر اپنے دکھوں پر رو لینے دے

(اپنی دونوں بیٹیوں کو گلے لگاتا ہے اور رو رو کر کہتا ہے)

میں تمہاری حالت پر آنسو بہا سکتا ہوں

کیونکہ تمہیں دیکھنا میرے بس میں نہیں

میرے خیالوں میں تمہاری آنے والی زندگی کے ان دکھوں کی تصویر ہے

جو تمہیں مردوں کے ہاتھوں ملیں گے

شادی والے دن جو مصیبتیں تمہیں ملیں گی

جو ندامت تمہیں ہوگی، وہ کیسے برداشت کرو گی

جو میرے اور تمہارے والدین کی طرف سے تمہیں ملے گی

تمہارے باپ نے اپنے باپ کو مارا

اس سے شادی کی جس نے اسے جنم دیا

اور اس ماں سے تم جڑواں پیدا ہوئیں

یہ لعنت اور ندامت تم پر برسے گی

پھر تم سے کون شادی کرے گا، کوئی نہیں، کوئی نہیں، کوئی نہیں۔

(اور پھر اپنے سالے Creon سے کہتا ہے)

ان کو کنوارے پن کے کرب سے بچانا Creon

انہیں پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے پریشان نہ ہونے دینا

اور نہ ہی میرے دکھ میں شریک ہونے دینا

اے شریف النسل Creon

ان پر رحم کی نگاہ رکھنا

اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے تاکہ تیری رضامندی ظاہر ہو جائے

(ایڈی پس شہر چھوڑ جاتا ہے اور ڈرامے کا کورس اداس دھن میں گاتا ہے)

کورس: Thebes کے لوگو، دیکھو یہ ایڈی پس ہے

جو شریف النسل تھا

اور مشہور پہیلی جانتا تھا جس نے اس شہر کو بلا سے بچایا تھا

اور اب کرب کے کس سمندر میں ڈوبا ہوا ہے

یہاں سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک خوش نہیں جب تک اس کا آخری دن نہ آ جائے۔

وہ سرحد پار نہ کر جائے جو زندگی کو موت سے الگ کرتی ہے۔
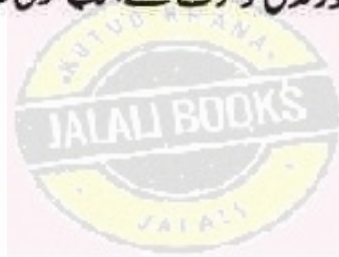
یوری پیڈیز

اسکائی لیس اور سوفیکلیز کے مقابلے میں یوری پیڈیز بہت تنہائی پسند تھا۔ شہری زندگی سے دور۔ سماجی اور سوشل محفلوں سے بے حد اکتاہٹ محسوس کرتا تھا۔ اس کا صرف ایک کام تھا۔ Salamis کے قریب ساحل پر واقع ایک پہاڑی غار میں بیٹھا کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ اس کی لائبریری میں جس قدر کتابیں تھیں شاید ہی کسی دوسرے یونانی مصنف کے پاس ہوں۔ (صرف ارسطو کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی لائبریری میں یوری پیڈیز کی لائبریری جتنی کتابیں تھیں)

یوری پیڈیز کا گھرانہ یونان کا کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ باپ منی سارکس شراب خانے کا مالک ...... اور اس کی ماں کلی ٹو جڑی بوٹیاں بیچتی تھی۔ ماں باپ نے اس کے لئے اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کیا اور جسمانی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا لیکن یوری پیڈیز جلد ہی اسے چھوڑ چھاڑ کر فارغ ہو گیا۔ اسے کھیل اور کھلاڑیوں سے سخت چڑ تھی۔ اس نے ایک بار بھرے میدان میں کہہ بھی دیا تھا:

Of all the million plagues of HELLAS (Greece)
there is none worse than the race of athletes...(22)

جسمانی تعلیم و تربیت سے ہاتھ چھڑا کر وہ فکر و دانش کے اکھاڑے میں اترا اور ایتھنز کے مفکروں کے نظریات اور جستجو سے فیض حاصل کیا۔ انکسا گوراس اور پروٹا گوراس کے نظریات سے وہ بے حد متاثر تھا۔ مذہب کے بارے میں اس کے سارے تصورات ان سے مستعار ہیں۔ سقراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے قریبی دوستوں میں سے تھا۔ انگریزی شاعر شیکسپیئر کے بارے میں ایک افواہ عام تھی کہ اس کے ڈرامے بیکن لکھتا تھا۔ ایتھنز کے علمی اور ادبی حلقوں میں یہ سرگوشیاں پھیلی ہوئی تھیں کہ یوری پیڈیز ڈرامے سقراط سے لکھواتا ہے۔ برسوں بعد اس بات کا اظہار نطشے نے بھی کیا۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ یوری پیڈیز جمالیات اور فکر کا شاعر ہے۔ ایتھنز کے لوگوں کو پتہ تھا کہ یوری پیڈیز کے سقراط، افلاطون اور اگاتھن کے ساتھ گہرے مراسم تھے شاید اس لئے انہوں نے اس قسم کے قصے ادبی حلقوں میں پھیلا دیئے

تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یوری پیڈیز کی فکر پر سقراط کے اثرات بے حد نمایاں ہیں۔ یوری پیڈیز کے قریبی دوستوں میں ایک انقلابی موسیقار ٹی موتھیس (Timotheus) بھی تھا جس نے موسیقی میں انقلابی تبدیلیوں سے ایتھنز کے شہریوں کو اپنا مخالف بنالیا تھا۔ یوری پیڈیز نے اپنے ڈرامے کے گیتوں میں ٹی موتھیس کی اسی انقلابی موسیقی کو استعمال کیا۔

یوری پیڈیز کی نجی اور سماجی زندگی بہت محدود تھی وہ کسی سے نہیں ملتا تھا۔ اسکائی لس اور سوفیکلیز کی طرح سے اسے فوج، حکومت یا سفارت کا کوئی عہدہ نہیں سونپا گیا بلکہ ایتھنز کے اکثر شہری اس کے خلاف تھے۔ پڑھے لکھے لوگ اور فن سے دلچسپی رکھنے والے تھیٹر کا اسی وقت رخ کرتے تھے جب یوری پیڈیز ڈرامہ پیش کرتا تھا۔

یوری پیڈیز نے دوبار شادی کی۔ دونوں بار ناکامی ہوئی۔ شہر میں وہ "برے خاوند" کے لقب سے مشہور تھا۔ دانتے اپنی بیوی Gemma سے بیزار تھا۔ یہی حال یوری پیڈیز کا تھا۔ ایتھنز کی عورتیں یوری پیڈیز سے بہت نفرت کرتی تھیں (ارسٹوفینیز نے اپنے ڈرامے میں باقاعدہ عورتوں کے اجلاس میں یوری پیڈیز کو سزائے موت دلوائی ہے)۔ یوری پیڈیز کی پہلی بیوی کوری بے وفا، بے مہر اور چڑچڑی تھی۔ دوسری بیوی ملی جو چند ماہ رہی اور پھر چھوڑ کر چلی گئی۔ ارسٹوفینیز نے اپنے ڈراموں میں اس کو طنز کا نشانہ بنایا۔ ایتھنز کی عورتیں اور مرد خلاف ہو گئے چنانچہ اس نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ مقدونیہ کا بادشاہ آرکیلس بڑا شاعر نواز تھا۔ یوری پیڈیز اس کے دربار میں چلا گیا۔ وہاں اس کی بڑی قدر ہوئی اور وہ ایتھنز کے لوگوں کے سارے جور وستم بھول گیا۔ لیکن یہ اچھا زمانہ صرف دو برس ہی رہا۔ 405 ق م میں وہ فوت ہوگیا۔ کہتے ہیں رات کے وقت وہ کسی دعوت سے واپس آرہا تھا کہ بادشاہ کے خونخوار کتوں نے اسے بوٹی بوٹی کردیا۔ سوفیکلیز اگرچہ یوری پیڈیز کی حقیقت نگاری اور واقعیت نگاری کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا معترف تھا۔ یوری پیڈیز کی افسوس ناک موت کی خبر ایتھنز پہنچی تو اس کا ڈرامہ کھیلا جارہا تھا۔ سوفیکلیز نے یوری پیڈیز کی موت کا سوگ منایا اور اپنے سب کرداروں کو سیاہ لباس پہنادیے۔

یوری پیڈیز نے 80 کے قریب ڈرامے لکھے لیکن صرف 19 ڈرامے ہم تک پہنچے ہیں۔ ان ڈراموں میں سے چند ایک کمزور پلاٹ اور شاعرانہ لاپرواہی کا شکار ہوئے باقی ڈرامے یوری پیڈیز کی

قادرالکلامی اور انقلابی سوچ کے حامل ہیں۔ یوری پیڈیز نے موضوعات کے حوالے سے روایتی بندشوں سے بغاوت کی۔ فضول مذہبی عقائد کا مذاق اڑایا۔ کردار نگاری میں بے حد انقلابی قدم اٹھائے۔ ڈرامے کو شاہی خاندانوں اور شہزادوں سے ہٹا کر عام آدمی کی زندگی سے قریب تر کیا۔ اپنے عہد کے سیاسی مسائل کو ڈرامے کا موضوع بنایا۔ یہ عام اقدامات اسے ترقی پسند اور جدید المیہ نگار ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایتھنز کی عورتوں میں بدنام تھا اور اسے ''براشوہر'' کہا جاتا تھا اور مشہور تھا کہ وہ اپنے ڈراموں میں عورتوں کے برے کردار پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے ڈراموں میں عورتوں ہی کے جاندار کردار ملتے ہیں۔ میڈیا انی جینیا (Iphiginia) Hecaba اور ہیلن کے کرداروں کو اس نے نیا اسلوب دیا ہے اور نئے معنی پہنائے ہیں۔ ہیلن کے بارے میں تمام المیہ نگاروں اور ہومر سمیت یہ طے شدہ بات تھی کہ وہ پیرس کے ساتھ ٹرائے بھاگ کر چلی گئی۔ لیکن یوری پیڈیز کا ڈرامہ Helen اس بات کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹرائے بھاگ کر جانے والی ہیلن ایک چڑیل تھی جو بھیس بدل کر گئی تھی۔ اصل ہیلن مصر کے ایک مندر میں پجارن بن کر ٹھہری ہوئی تھی۔ ٹرائے کی فتح کے بعد جب ہیلن کے خاوند کا جہاز مصر کے ساحل پر آیا تو اصل ہیلن نے اس سے ملاقات کی اور اصل کہانی بتائی۔

یوری پیڈیز کا زمانہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا۔ یونانی فوجیں اردگرد کے علاقے پر فوجی طاقت سے قبضہ کر رہی تھیں۔ یونانی ان فوجی فتوحات سے بہت خوش تھے لیکن اس کے پیچھے چھپی شرمناک حرکتوں سے بے خبر تھے۔ یوری پیڈیز کا تعلق Antiwar پارٹی سے تھا۔ وہ جنگ کے سخت خلاف تھا۔ 415 ق م میں یونانی فوجوں نے ایک جزیرے Melos پر قبضہ کیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا۔ منڈی لگا کر انہیں فروخت کیا گیا۔ خوبصورت عورتیں فوجیوں میں بٹ گئیں۔ ان کے بچے شہر پناہ سے پھینک دیئے گئے۔ یوری پیڈیز ان تمام مظالم کو ڈرامے کا موضوع بنانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے یہ سب کچھ دکھانے کے لئے ٹرائے کی شکست کا پیرایہ اختیار کیا۔ Trojan Women کے عنوان سے ایک ڈرامہ لکھا اور Melos میں ہونے والا سارا ظلم دکھا دیا۔ یہ ڈرامہ ٹرائے کی فتح کے بعد ٹرائے کی عورتوں کی کہانی ہے۔ آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے ٹرائے کا مرثیہ ہے۔ پیرس (Paris) کی ماں ملکہ Hecuba اور ہیکٹر (Hector) کی بیوی انٹروماکیی (Antromache) اور ہیکٹر کی بہن کیسنڈرا (Cassandra)

دربدری کی داستان ہے اس ملکہ Hecuba کے زوال کی داستان ہے جو کل تخت پر بیٹھی تھی لیکن آج جلی ہوئی لاشوں کے درمیان نوحہ کناں تھی۔

HeCaba: میں بوڑھی عورت کہاں جاؤں

میں سردی میں ٹھٹھری ہوئی زرد مکھی کی طرح ہوں

ایک غلام عورت

جسے موت نے

قبر پر لگے بے جان کتبے کی طرح گاڑھ دیا ہے

میں اب دشمنوں کے بچوں کو دودھ پلاؤں گی

اپنے آقا کے گھر کی دہلیز پر بیٹھ کر

اس کے بچوں کی دیکھ بھال کروں گی

میں...... جو کبھی ٹرائے کی ملکہ تھی

اس ڈرامے میں یوری پیڈیز کی ساری ہمدردیاں مظلوم شکست خوردہ انسانوں کے ساتھ ہیں۔ وہ یونانیوں کو ان کے ظلم اور بربریت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ یوری پیڈیز کا سخت مخالف ارسٹوفینیز بھی اس کی اس خوبی کا معترف ہے۔ اپنے ڈرامے Frog میں یوری پیڈیز کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"He taught the Athenians to think, see, understand, suspect, question, everything."

لیکن یونانیوں کو اس کی یہ بات پسند نہ تھی۔ وہ اس کے ڈرامے سے اٹھ کر چلے جاتے۔ وہ عصر حاضر پر تنقید برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ نیا موضوع ان کے لئے دلچسپی کا باعث نہ تھا۔ وہ برملا کہتے تھے کہ ڈرامے پہلے ہی اچھے تھے۔

یوری پیڈیز کے ڈرامے حقیقت نگاری کی بہترین مثال ہیں۔ اس نے پہلی بار سوشل ناانصافیوں کا ذکر کیا۔ فوج کے ظالمانہ اقدامات کی مخالفت کی۔ اس نے Homeric Hero کو رد کیا اور عام آدمی

کو ہیرو بنا کر پیش کیا۔ Cretan Woman کا ہیرو ایک ملاح ہے جو شہزادی کی جان بچاتا ہے اور دونوں عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یوری پیڈیز نے اس ملاح کے کردار کو شرافت اور حیا کی علامت بنا کر پیش کیا ہے جبکہ یونانی یہ دونوں چیزیں صرف بادشاہوں اور شہزادوں میں تلاش کرتے تھے۔ غلام اس زمانے میں مویشیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ یوری پیڈیز نے ان کو حوصلہ دیا ان کی عزت اور وقار کو بحال کیا۔ بوڑھوں، ضعیف عورتوں، دھتکارے ہوئے لوگوں کو زندہ کردار بنا کر پیش کیا۔ اس نے یونانیوں کے کردار اور افعال پر تنقید کی۔

ہم انصاف کی تلاش میں ہیں
مگر وہ کہیں نہیں ملتا
سچ گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے
ہر کوئی اعزازات اور انعام و اکرام کا دیوانہ ہے

یوری پیڈیز نے کل 92 ڈرامے لکھے۔ چار ڈراموں پر اسے فیسٹیول میں انعام ملا اور آج قریباً 19 ڈرامے محفوظ شکل میں ملتے ہیں:

1) Alcestis

2) Media

3) Children of Heracles

4) Hippolytus

5) Andromache

6) Hecabe

7) Suppliant Women

8) Electra

9) Trojan Women

10) Iphigenia in Taurians

11) Ion

12) Helen

13) Phoenician Women

14) Orestes

15) Bacchants

16) Iphigenia at Raulis

17) Cyclops

18) Rhesns

یوری پیڈیز کے عہد کو "The Birth of Realistic Drama" اور "Dream of Realism" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حقیقت نگاری کے فن کو یوری پیڈیز نے جنم دیا اور اسے عروج پر پہنچایا۔ یہ سب کچھ اس کے موضوعات کی وجہ سے تھا۔ اس نے انسانوں کے اندر جھانک کر دیکھا اور ان کی تہہ دار شخصیتوں کو بے نقاب کیا اور لوگوں کے سامنے حقیقت کی تصویر رکھ دی۔ اس کا ڈرامہ Hippolytus ایک "بے شرم عورت" کے جنسی اور سفلی جذبات کی ایک حقیقت پسندانہ تصویر ہے۔ یہ فیڈرا (Phardra) نامی ایک شادی شدہ عورت کی کہانی ہے جو جنسی بے راہ روی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے سوتیلے بیٹے Hippolytus پر ڈورے ڈالتی ہے۔ Hippolytus جوان تھا خوبصورت تھا لیکن اپنے باپ کی دوسری بیوی کا احترام ماں کی طرح کرتا تھا لیکن فیڈرا کو یہی بات ناپسند تھی۔ اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی نوکرانی کے ہاتھ محبت کا پیغام پہنچایا جسے بیٹے نے بری طرح جھٹک دیا۔ فیڈرا نے چال چلی اور اس کے باپ کے سامنے بیٹے پر الزام لگایا کہ اس نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی ہے۔ بیٹا ایک حادثے کی نظر ہو گیا۔ فیڈرا کو پتہ چلا تو ندامت کے ہاتھوں مجبور ہو کر گلے میں پھندا ڈال کر مر گئی۔ یہ ڈرامہ ایک عورت کے اندر پلتے ہوئے جنسی جذبات کے طوفان کی بہترین عکاسی ہے اور اس نے بیٹے کے اندر خیر و شر کی جنگ کا بہترین نمونہ ہے جو مرتے دم تک خیر کی طاقت کو شر کے سامنے زیر نہیں ہونے دیتا، مر جاتا ہے لیکن اپنے باپ کی شادی کے احترام پر حرف نہیں آنے دیتا۔

Hippolytus گناہ آلود جذبات کا المیہ ہے۔ ایک عورت کے اندرونی جنسی کرب کا المیہ جو بوڑھے خاوند سے اکتا کر جنسی جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اپنے ہم عصر سے اظہار عشق کر بیٹھتی ہے اور جب اس کی سازش پکڑی جاتی ہے یا وہ بیٹے کو گناہ کی طرف آمادہ کرنے میں ناکام رہتی ہے تو شاطر اور عیار عورت بن کر اسے مورد الزام گردانتی ہے۔ یہ ڈرامہ کرداروں کا ایک بہترین نفسیاتی جائزہ ہے جسے شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آج کے اور یوری پیڈیز کے نفسیاتی ڈراموں میں یہ ایک فرق ہے کہ آج کے ڈرامے میں طنز کا رنگ نمایاں ہے لیکن یوری پیڈیز نے طنز کو مخفی رکھ کر شاعرانہ اسلوب کو نمایاں کیا ہے چھپی طنز کی تلاش قاری کا اپنا فعل ہے۔ فیڈرا محبت میں ناکام ہو کر انتقام پر اترتی ہے اور پھر خودکشی کر لیتی ہے۔ اس سے ملتا جلتا دوسرا ڈرامہ Media ہے جسے عظیم ترین المیہ قرار دیا جاتا ہے۔

یوری پیڈیز کا ڈرامہ Electra آگامم نان (Agamemnon) کی بیٹی کی داستان ہے اس موضوع پر اسکائی لس اور سوفیکلیز دونوں ڈرامے لکھ چکے ہیں۔ دراصل یہ اس المیے کی ایک کڑی ہے جو چار ڈراموں سے مل کر کہانی مکمل کرتا ہے اور یہ ڈرامے اس طرح ہیں:

(1) AGAMEMNON
(2) IPHIGENIA AT-AVLIS
(3) CLYTEMNESTRA
(4) ELECTRA
(5) ORESTES

یونان کے اتحادی شہزادوں کی فوج نے مل کر ہیلن کو چھڑانے کے لئے ٹرائے سے جنگ لڑی تھی۔ آگامم نان اس اتحادی فوج کا جرنیل تھا۔ اس کی ایک حرکت سے دیوتا ناراض ہو گئے اور فوج پر آفات آنی شروع ہو گئیں۔ آخر دیوتاؤں نے یہ شرط رکھی کہ اگر آگامم نان ایک بیٹی افیجینا (Iphigenia) کی قربانی دے دی تو یہ ساری بلائیں فوج کے سر سے ٹل سکتی ہیں۔ یہ سارا پلاٹ اسکائی لس کے ڈرامے Agamemnon کا ہے۔

"Aphigenia at Avlis" یوری پیڈیز کا یہ ڈراما آگامم نان کے اس منصوبے کے اردگرد گھومتا ہے جو اس نے اپنی بیٹی Iphigenia کی قربانی دینے کے لئے بنایا تھا چنانچہ وہ اپنی بیوی (Clytemnestra) کو بلاتا ہے کہ وہ Iphigenia کو لے کر آ جائے تاکہ لڑکی کی شادی مشہور یونانی

جرنیل اکلیز سے کر دی جائے۔ وہ Iphigenia کو لے کر آتی ہے اکلیز اس چیز سے بے خبر ہے کہ اس کی شادی کا بہانہ بنا کر لڑکی کو بلایا گیا ہے۔ Clytemnestra اکلیز کو اپنا داماد کہہ کر پکارتی ہے تو وہ بہت حیران ہوتا ہے۔ آگا م نان سے اس کا مطلب دریافت کرتا ہے تو یہ بہانہ بنا کر کہتا ہے کہ بیوی سے میرے تعلقات اچھے نہیں چنانچہ بہت سے باتوں میں نہ وہ مجھے شریک کرتی ہے نہ میں اسے شریک کرتا ہوں۔ Clytemnestra یہ بات سن لیتی ہے اور پھر اسے یوری پیڈیز نے اپنے خاوند سے یوں ہمکلام کرایا ہے کہ عورت کا دل واقع طور پر لفظوں میں تھرکتا نظر آتا ہے۔ Clytemnestra چھپ کر آگا م نان کی بات سنتی ہے اور پھر سامنے آ کر کہتی ہے۔

کلام ٹم سٹرا: Clytemnestra تو پھر اب میری بات سنو، اب میں سچ سچ بولوں گی۔

ہر شے روشن ہوگی، کوئی بات اندھیرے میں نہیں رکھوں گی
تم نے طاقت کے بل بوتے پر مجھ سے شادی کی، میں نے تمہیں کبھی نہیں چاہا
میرے پہلے خاوند کو تم نے قتل کیا
میرے بچے کو میری چھاتی سے چھین کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا
جب میرے بھائی گھوڑوں پر بیٹھ کر تمہارا پیچھا کرنے نکلے
تو میرے باپ کو تم پر رحم آ گیا
اور مجھے تمہاری بیوی بنا دیا
اور پھر میں ایک وفادار بیوی ثابت ہوئی
ہاں سچی اور وفادار بیوی جس نے تمہارے گھر کو سنوارا
میرے جیسی بیویاں اتنی آسانی سے نہیں ملتیں
میں نے تمہیں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا دیا
اور اب تم مجھ سے ایک بیٹی چھین رہے ہو
یہ تمہاری منطق ہے
اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں جواب دوں

کہ ہیلن کو واپس لانے کے لئے اپنی بیٹی کی قربانی چہ معنی

یہ کیسا سودا ہے

اگر تم یہ کرتے ہو اور ٹرائے جاتے ہو

تو سوچو کہ گھر میں بیٹھ کر

میرا دل کیسا محسوس کرے گا

جب میں اس کی خالی کرسی بھرے گھر کو دیکھوں گی

اور اس کا خالی کمرہ

میں خاموش آنسو بہاؤں گی اور شکایت کرتی رہوں گی

''تمہارے باپ نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے مار دیا بیٹی''

جب تم واپس آؤ گے تو تم مجھ سے کیا توقع رکھو گے

میں تمہارا اس طرح استقبال نہیں کروں گی

جس کے تم حق دار ہو

خدا کے لئے نہ خود گناہ کرو، نہ مجھے گناہ کی طرف دھکیلو

اپنی بیٹی کو قتل کر کے، تم عبادت کیسے کرو گے

تم کونسی اچھی چیزوں کی تمنا کرو گے

سوائے شکست، ذلت اور جلاوطنی کے

ہم دیوتاؤں کو بے وقوف بناتے ہیں جب یہ سوچتے ہیں

کہ وہ قاتلوں کو پیار کرتے ہیں

جب تم گھر واپس لوٹو گے تو کیا اپنی بیٹیوں کو چومنے کی جرأت کریں گی

اس خوف سے کہ کہیں تمہاری تلوار

کسی اور کو قتل کرنے کے لئے منتخب نہ کر لے

کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم کون ہو

تم صرف ایک سنگدل باپ اور خونی تلوار ہو
جاؤ یونانیوں کے پاس جا کر کہو
"تم لوگ ٹرائے جانا چاہتے ہو، ٹھیک ہے
آؤ قرعہ اندازی کرتے ہیں کہ کس کی بیٹی کو
قربانی کے لئے منتخب کیا جائے"
یا تمہارا بھائی Menelaus اپنی بیوی ہیلن کی بازیابی کے لئے
اپنی بیٹی Hermione کو قربان کرے
مگر مجھے پتہ ہے یہ تیر میرے ہی سینے میں اترے گا
میں ہی لوٹی جاؤں گی
ہیلن فتح یاب ہو کر گھر لوٹے گی اور اس کی بیٹی اس کی منتظر ہو گی
جواب دو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں

(آگامم نان پر باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بیوی واپس یونان چلی جاتی ہے۔ آگامم نان جب بیٹی کو قربان کرنے لگتا ہے اسے اکلیز سے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یونانی اسے پتھروں سے مارتے ہیں وہ رک جاتا ہے اور Iphigenia قربان کر دی جاتی ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عین قربانی کے وقت دیوتاؤں نے لڑکی کی بجائے قربان گاہ پر ہرن رکھ دیا تھا اور لڑکی کو غائب کر دیا تھا۔ Iphigenia in Tavris اسی روایت پر مبنی یوری پیڈیز کا ڈرامہ ہے۔ یہ بھی ایک رومانی ڈرامہ ہے جس کا انجام طربیہ ہے۔ قربان گاہ پر آگامم نان سمجھا کہ اس نے Iphigenia کو قربان کر دیا ہے لیکن غیبی طاقتیں اسے ایک دور دراز علاقے Tavrians میں چھوڑ آتی ہیں جہاں وہ برسوں ایک عبادت گاہ میں داسی بن کر زندگی گزارتی ہے جہاں ان لوگوں کو قربان کیا جاتا ہے جو اس علاقے میں داخل ہوتے ہیں۔ سالوں بعد Iphigenia کا بھائی Oreslease اور اس کا دوست Plycles یہاں آ جاتے ہیں یہاں یوری پیڈیز پھر ایک بچھڑی بہن کو بھائی سے ملانے کا سین لکھ کر قارئین کو حیران کر دیتا ہے (اس سین کی ارسطو نے بہت تعریف کی ہے اور اسے ایک ماڈل سین قرار دیا ہے) بہن بھائی ملتے ہیں اب مشکل یہ پیش آتی ہے کہ

Iphigenia وہاں اجنبیوں کو تیار کر کے قربان گاہ کی طرف لانے کا کام سرانجام دیتی ہے چنانچہ یہ ڈرامے کا کلائمکس ہے جس میں Iphigenia ملک کے بادشاہ کو دھوکہ دیتی ہے اور دونوں کو بچا لیتی ہے۔ World Drama کے مصنف Allardyce نے A King of Romantic Escape Play قرار دیا ہے۔

میڈیا

Media

میڈیا یوری پیڈیز کا عظیم ترین المیہ قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کے عظیم ترین المیوں کی فہرست بنے تو میڈیا کو شامل کئے بغیر یہ فہرست نامکمل رہے گی۔ میڈیا ایک مرد کی بے وفائی اور عورت کے انتقام کی داستان ہے۔ اس میں نہ کسی کردار کی بے جا تعریف ہے نہ بے جا برائی۔ بلکہ جو کردار جیسا ہے اسے پیش کر دیا گیا ہے۔ واقعیت پسندی اور حقیقت نگاری اس ڈرامے کی جان ہے اگرچہ مافوق الفطرت عناصر موجود ہیں۔ قصہ مربوط بھی نہیں لیکن جذبات نگاری اپنے عروج پر ہے۔ ایک مرد دنیاوی لالچ میں ملوث ہو کر کیسے آنکھیں بدلتا ہے اور عورت مرد کی بے وفائی کا شکار ہو کر کیسا ہولناک انتقام لیتی ہے۔ یہ سارا کچھ میڈیا کے پلاٹ میں موجود ہے۔

جیسن کا چچا پیلیس اس کے باپ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جیسن جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگ جاتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ وہ جنگلی ماحول میں پل کر جوان ہوتا ہے۔ کھال کی پوشاک، لمبے بال وحشیانہ طور طریقے اس کی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جوان ہوتا ہے تو جنگل سے شہر کا رخ کرتا ہے اور سیدھا محل میں جا کر پیلس سے اپنے باپ کی سلطنت کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے۔ پیلس اسے دیکھ کر ڈر جاتا ہے اور اس سے چال چلتا ہے اور اس کے ذمہ دو خطرناک مہمات لگاتا ہے۔ پہلی یہ کہ جیسن فریکسن کی روح کو واپس لائے جو کسی دور دراز علاقے میں فوت ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ فریکسن نے جس سونے کے مینڈھے کو قربان کیا تھا اس کی اون لے کر آئے۔ جیسن آرگو جہاز میں ساتھیوں کو لے ایٹس کے علاقے میں چلا گیا۔ ایٹس بڑا چالباز اور عیار جادوگر تھا۔ جیسن کو اپنی ساری بہادری اس کے سامنے گرد بن کر اڑتی نظر آئی لیکن آخر ایک راستہ نکل ہی آیا ایٹس کی بیٹی میڈیا جو پائے کی جادوگرنی تھی، جیسن پر

عاشق ہو گئی اور جیسن کا ساتھ دیا۔ اس نے باپ کو دھوکہ دے کر روح حاصل کی۔ اژدھے کو مار کر اون حاصل کی۔ اپنے بھائی کو اپنے ہاتھوں قتل کیا۔ کیونکہ وہ جیسن کے خلاف سازش کر رہا تھا اور پھر جیسن کے ساتھ فرار ہو کر یونان آ گئی۔ وہ یہ سب کچھ کر کے جیسن سے صرف محبت کی طلب گار تھی۔ جیسن اس کا احسان مند تھا مگر اس کی جادوئی طاقتوں سے خوفزدہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ یونانی معاشرہ کسی یونانی کو کسی وحشی عورت سے شادی کی اجازت نہ دیتا تھا۔ یونان کی مہذب سوسائٹی میں میڈیا کا رہنا ناممکن تھا چنانچہ جیسن اور وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ جیسن کو تخت سے محروم ہونا پڑا۔ میڈیا اب بوڑھی ہو چکی تھی۔ چنانچہ اب جیسن اسے اپنی زندگی میں ایک غیر ضروری چیز خیال کرنے لگا۔ جیسن اپنے وطن سے بھاگ کر کارنتھ آ گیا جہاں کا بادشاہ کیران ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کی صرف ایک لڑکی تھی اور وہ اس کے لئے ایک شوہر اور تخت کا وارث چاہتا تھا۔ جیسن بہادر تھا۔ نامی گرامی ہونے کے ساتھ ساتھ عالی نسب بھی تھا۔ اب جیسن میڈیا کو راستے سے ہٹانے کی سوچنے لگا۔ وہ اس کی بیوی نہ تھی اس لئے اس نے سوچا کہ کیوں نہ میڈیا کو جلاوطن کرا دیا جائے۔

ڈرامے کا آغاز میڈیا کی نوکرانی کی گفتگو سے ہوتا ہے۔ جسے معلوم ہے کہ جیسن شادی کرنے والا ہے اور میڈیا کے لئے جلاوطنی کا منصوبہ تیار ہو چکا ہے۔ وہ میڈیا کی پرانی نوکرانی ہے اور اس بات پر افسوس کرتی ہے کہ شہزادی اپنا گھر چھوڑ کر یہاں کیوں آئی اور اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا۔ وہ اپنی مالکن کے بارے میں فکرمند ہے اور جیسن کی بے وفائی پر افسوس کرتی ہے۔

نرس: مرد اور عورت جب ایک ہی گیت پر تھرکتے ہیں
تو زخم مندمل ہو جاتے ہیں
اب ہر طرف نفرت ہے
جیسن اپنی میڈیا اور بچوں کو چھوڑ رہا ہے
اور کیران کی بیٹی سے
جو تخت کی وارث بھی ہے
شادی کرنے چلا ہے

میڈیا نے جیسن کی یہ بات سن کر
اس کی بے وفائی دیکھ کر
آنکھ نہیں اٹھائی

اس کا چہرہ اداس ہے
وہ تنہائی میں اپنے باپ اپنے وطن اور اپنی سرزمین کو یاد کرتی ہے
جن کو اس نے اس بے وفا کی خاطر چھوڑ دیا ہے
(اس کی نوکرانی میڈیا کی فطرت سے واقف ہے چنانچہ اسے ڈر ہے کہ کہیں وہ کوئی غلط کام نہ کر دے)۔

نرس: کہیں وہ اس کمرے میں جان نہ دے دے
جہاں جیسن کا بستر لگا ہوا ہے
اس نے ایک خنجر رکھا ہوا ہے
کہیں وہ بادشاہ اور دولہا کو قتل نہ کر دے

(اسی دوران گھر کا نگران ملازم آ کر اس کو بتاتا ہے اس نے سنا ہے کہ مالکن کو دونوں بچوں سمیت جلاوطن کیا جا رہا ہے۔ نرس یہ سننے کے بعد اداس ہو کر کہتی ہے):

نرس: بچوں کی ماں کے ساتھ اس کا غصہ بجا
لیکن کیا وہ برداشت کرے گا کہ اس کے بچے بھی جلاوطن ہوں

(میڈیا اپنے کمرے میں اداس اور پریشان ہے۔ زندگی کا خاتمہ چاہتی ہے اور ایک جانور کی طرح جنگل کی طرف بھاگنا چاہتی ہے اس بستر کو دیکھ کر روتی ہے جو اب خالی ہے اس جیسن کے کیئے ہوئے عہد و پیمان یاد آتے ہیں اور ٹوٹنے کا وقت بھی یاد آتا ہے۔ آخر چلا کر کہتی ہے):

میڈیا: میں نے کچھ نہیں کیا
لیکن آلام و مصائب مجھے شکستہ کر رہے ہیں
میرا گھر میرا وطن میرا وہ ساحل جس کو میں نے

جیسن کے لئے الوداع کہا
میرا باپ میرے بھائی کا خون
(اور پھر میڈیا اپنے کمرے سے باہر آتی ہے اور کہتی ہے)

میڈیا: میرا جام حیات ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔
میں مرنا چاہتی ہوں
جس سے میں نے محبت کی وہ بے وفا نکلا
میں دنیا میں رہنے والی تمام چیزوں سے زیادہ زخمی اور بدنصیب ہوں
یہ شہر تیرا ہے، یہ گھر تیرے باپ کا ہے دوست خوشیاں
مستقبل کی امید
میں بے وطن، نہ ماں، نہ بھائی، نہ رشتہ دار
مجھے وہ چھوڑ رہا ہے جو بیاہ کر لایا تھا
میرے چاروں طرف طوفان ہے اور بچانے والا کوئی نہیں
میں صرف ایک چیز کی طالب ہوں
کاش میری بانہوں میں اتنی طاقت آجائے
کہ جیسن سے انتقام لے سکوں
عورت جنگ سے ڈرتی ہے ضرورت کے وقت کمزور ہوتی ہے
لیکن محبت میں حق تلفی برداشت نہیں کرتی
اگر مرد بے وفائی کرے تو عورت وحشی بن جاتی ہے
پھر جنت دوزخ میں اس جیسا وحشی کوئی نہیں

(اس کا نیا نگران میڈیا کو بتاتا ہے کہ بادشاہ کیران آپ سے ملنے آئے ہیں۔ کیران آتا ہے اور لمبی چوڑی گفتگو کے بعد مطلب کی بات کرتا ہے)

کیران: اپنے دونوں بچوں سمیت یہ ملک چھوڑ دے

اور پھر پلٹ کر نہ دیکھنا

میڈیا: میرے دشمن ہوا کے بادبان کھولے میرے پیچھے چلے آ رہے ہیں
میں سمندر میں ہوں
نہ ساحل نہ کنارا
پھر بھی یہ مجھے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے

بادشاہ: تو اپنے محبوب سے جدا ہو گئی ہے
تیرا دل دکھی ہے
میں تجھ سے خائف ہوں
تو دلہن اور جیسن سے انتقام لینا چاہتی ہے

(میڈیا اپنی صفائی میں بہت کچھ کہتی ہے یونان والوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہے کہ یونانی تو دوسرے یونانی کی تعریف نہیں کرتے میری اچھائی بیان کریں گے میں ایک عقل مند عورت ہوں اس لئے لوگ مجھے بدنام کر رہے ہیں اور آخر میں بھیک مانگتی ہے)

میڈیا: آپ مجھ سے کیوں خوفزدہ ہیں؟
آپ نے اسے لڑکی دے دی جسے آپ نے پسند کیا
میں اب جیسن سے نفرت کرتی ہوں
آپ کی خوشی کے لئے میں نے دل سے محبت دور کر دی ہے
آپ کی اولاد پھولے پھلے
اجازت دیں کہ میں اس ملک کے کسی کونے میں پناہ لے سکوں
میں اپنی ہار مان کر دکھ اور خاموشی سے زندگی گزار لوں گی۔

(میڈیا زمین پر گرتی ہے۔ پاؤں پڑتی ہے التجا کرتی ہے نئی دلہن کا واسطہ دیتی ہے لیکن کیران ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ جادوگر ایتس کی خونخوار بیٹی ...... جیسن کے لئے اپنے بھائی تک کا خون کرنے والی آج ایک مرد کے سامنے بھیک مانگ رہی تھی۔ یہ سب کچھ جیسن کی محبت نے

کرایا۔اس نے، مرد کی محبت پر لعنت بھیجی اور اپنے وطن کو یاد کیا)۔

میڈیا: اے وطن اے میرے گمشدہ وطن، آج مجھے تیری آرزو ہے۔

تیری ضرورت ہے

سر چھپانے کے لئے

(پھر آنسو پونچھ کر میڈیا کیران سے کہتی ہے)

میڈیا: ایک دن صرف ایک۔ اپنی سلطنت میں رہنے دے اس سے قبل کہ جلا وطنی کی قیامت مجھ پر ٹوٹے

میں کچھ سوچ لوں

اپنے بیٹوں کو تسلی دے لوں

کیونکہ میرے علاوہ یہاں ان کی نگرانی کون کرے گا

(لیکن کیران خطرات کے پیش نظر اسے صرف صبح تک کی مہلت دیتا ہے اور میڈیا کو کہہ دیتا ہے کہ اگر صبح کی روشنی تک میں نے تجھے یا تیرے بچوں کو اپنے ملک کی حدود میں دیکھ لیا تو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس کا ایک لفظ بھی بدلا نہیں جا سکتا۔ یہاں ڈرامے میں گانے والے کورس سے یوری پیڈیز نے بہت خوبصورت لائنیں کہلوائی ہیں)۔

کورس: اے درد و غم کے مجسمے

تو یہاں سے بھاگ کر کہاں جائے گی

کس کس شہر میں پناہ لے گی

کہاں ٹھکانہ ڈھونڈے گی

کون سی زمین پر کون سی دھرتی تیری دھرتی ہو گی

کس کے گھر جائے گی

کس کے دروازے پر دستک دے گی

میڈیا اے بدنصیب میڈیا

خدا تیرے تعاقب میں ہے

جا اور جا کر بے کراں سمندر کی جھاگ میں ڈوب جا

(میڈیا ہر طرف سے ہار جاتی ہے نفرتوں کے حصار اس کے چاروں طرف ہے بادشاہ اس کا دشمن، دلہن اس کے خلاف، شوہر جو اس کا شوہر ہے اس سے بیزار اور وہ سوچ کے اندھے کنوئیں میں ڈوب جاتی ہے اور کئی ایک فیصلے لے کر باہر آتی ہے)۔

میڈیا: میں اس کا گھر پھونک دوں

جیسن کی خواب گاہ میں چوروں کی طرح داخل ہو جاؤں

اور خنجر سے دونوں میاں بیوی کو قتل کر دوں

نہیں یہ غلط ہے

میں زہر کا پرانا حربہ استعمال کروں گی

جس میں ہم عورتیں مردوں کی طرح بہادر ہیں

میں پورے ارادے کے ساتھ ان کو قتل کرنے کے لئے زندہ رہوں گی

اور ہمت کی راہ پر گامزن رہوں گی

وہ دن بہت منحوس اور تاریک ہوگا

جس دن میں شہر بدر ہوں گی

اور جیسن شہزادی سے شادی ہو گی

میڈیا جاگ۔ آنکھیں کھول

اپنی سازش اور عیارانہ چال کو عمل میں لا

تیرا باپ بادشاہ تھا

اس کی پیدائش سورج سے ہوئی تھی

تو سب طریقے جانتی ہے

(میڈیا اس سوچ و بچار میں گم ہے اس نے اپنے اندر انتقام کی طاقت کو یکجا کر لیا ہے۔ یہاں جیسن کی آمد ہوتی ہے اور وہ اس تیز زبان کا گلہ کرتا ہے کہ اس نے اپنی نفرت اور زبان کی تیزی سے بادشاہ کو اپنے خلاف کر لیا ہے لیکن وہ میڈیا سے لفظی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے)۔

جیسن: میں تجھے اور بچوں کو دور نہ کروں گا
اگرچہ تو مجھ سے نفرت کرتی ہے
لیکن میں تیری مدد کے لئے حاضر ہوں

میڈیا: میرے دشمن
میرے پاس آنے کی تجھے ہمت کیسے ہوئی
(کورس کی جانب دیکھ کر کہتی ہے)
اس کے بوسے نے مجھے دھوکا دیا ہے
انسان کی بدترین عادت یا مرض یہ ہے کہ
نہ اسے شرم آئے نہ رحم
میں اس کی منتظر تھی
اب آ گیا ہے تو میری بات سن جو میں شروع کروں گا
میں نے تیری زندگی بچائی
آرگو جہاز میں سوار تیرے ساتھی اس کے گواہ ہیں
کہ کب بچائی؟
اس لمحے جب تجھے ان سانڈوں کے پاس
بھیجا گیا تھا جس کے منہ سے آگ نکلتی ہے
اور تو موت کے دیوتا کی زمین جوتنے گیا تھا
اس قدیم اژدھے کو ختم کیا
جو سنہری اون کا نگران تھا

اور جس کی آنکھیں نیند سے واقف نہ تھیں

اور تو نے جوان دلہن کی آغوش میں جانے کے لئے
مجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکا
میں تیرے بچوں کی ماں ہوں
کیا عہد اور وعدے کتنے کمزور ہوتے ہیں

اب میں کہاں جاؤں
میں نے اپنے وطن اور باپ کو دھوکا دیا
اہل وطن کے لئے میں لعنت ہوں، بھائی کی قاتل ہوں
اب میں بچوں کے ساتھ جلاوطن کی جا رہی ہوں
در در بھیک مانگنے کے لئے

جیسن اس کے سارے احسانات قبول کرتا ہے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میڈیا نے اس کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے بدلے کچھ پا ہی لیا ہے اسے وحشی ملک سے نجات مل گئی۔ یونان اس کا وطن بن گیا۔ وہ یونان جو عدل، انصاف میں ایک مثالی ملک ہے میڈیا کی دانش مندی کی شہرت ملک میں پھیلی۔ کیا یہ کچھ کم ہے ورنہ وحشی ملک میں رہتی تو کون جانتا میڈیا کو اور پھر میڈیا سے اصل بات کہتا ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے۔

جیسن: میں شہزادی کی محبت کا سودائی نہیں
میں اچھے گھر میں رہنا چاہتا ہوں
بادشاہ بن کر بچوں کی اچھی طرح پرورش کرنا چاہتا ہوں
تا کہ یہ خوش وخرم شہزادے بن جائیں

میڈیا: (غصے میں) تو جھوٹا تھا، تو نے محبت کی

میں نے شادی کرلی

اب مجھے جھوٹ بول کر اور بے وقوف نہ بناؤ

تیری وہ دلہن وہ مشرقی کتیا وہ سفید بالوں والی

وہ تیرے وقار میں اضافہ نہیں کرسکتی

جیسن: وہ میرے لئے کچھ نہیں

میں صرف بادشاہت کے چکر میں ہوں

میڈیا: لعنت ہے ایسی دولت پر جو دلوں کو مجروح کرتی ہے

(جیسن اس کی باتیں سن کر اسے خاموش رہنے کے لئے کہتا ہے اور پھر اسے اپنی مدد پیش کرتا ہے کہ دوسرے ملکوں میں میرے دوست ہیں۔ میں تمہیں اپنی مہر دے دوں گا۔ وہ تیری مدد کریں گے لیکن میڈیا ٹھکرا دیتی ہے)

میڈیا: نہیں قبول، مجھے تیری یہ مدد

اور نہ ہی تیرے دوستوں کی ہمدردی

شجر ناپاک کے ثمر برکت کا سبب نہیں بنتے

جیسن اسے برا بھلا کہتا ہے اور پھر اسے اس کے انجام سے ڈرا کر رخصت ہوتا ہے اور میڈیا کو بددعا دیتی ہے کہ کاش نئی نویلی دلہن کا بوسہ لینے سے پہلے تو اداس ہو جائے لیکن اپنی تنہائی کے بارے میں سوچ کر خود اداس ہو جاتی ہے۔

میڈیا: ایک عورت جس کا کوئی گھر نہیں شہر نہیں

بہتر ہے وہ مر جائے

بہتر ہے قبر اسے ڈھانپ لے

نہ بھائی، نہ باپ، نہ وطن

اور جیسن لعنت ہو ایسے مرد پر

جو عہد توڑ کر دوست کا پاک دل توڑ دے

میں اس کی دوست ہوں، نہ عاشق

(میڈیا اپنی دہلیز پر اداس بیٹھی ہے۔ اس کے گھر کے سامنے سے ایک آدمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزرتا ہے وہ میڈیا کو پہچانتا ہے۔ یہ ایتھنز کا بادشاہ ایجیسن ہے۔ میڈیا بھی اسے پہچانتی ہے۔ وہ میڈیا سے کہتا ہے کہ تم اپنا اجڑا جسم لے کر ایسے کیوں بیٹھی ہو وہ ساری کہانی بتاتی ہے اور اس مصیبت میں سہارا ڈھونڈتی ہے۔ ایجیسن بے اولاد ہے اور اپالو کی عبادت گاہ سے دعا مانگ کر آیا ہے میڈیا اس سے مدد مانگتی ہے اور کہتی ہے)۔

میڈیا: تمہارے قدموں اور داڑھی کی قسم، ایجیسن

مجھ پر رحم کر

مجھے ایتھنز میں گھر دے دے تاکہ تیرے بچوں کی آرزو پوری ہو

میں تجھے اولاد سے محروم نہیں رکھوں گی

ایجیسن: ملک کیران میں، میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔

خود میرے گھر چلی آئی

وہاں تم ہمیشہ قیام کر سکتی ہو

میڈیا اس سے زمین اور سورج کی قسم لیتی ہے کہ وہ اسے دھوکا نہ دے گا۔ کبھی دھتکارے گا نہیں۔ میڈیا اس بے بسی اور مجبوری کی حالت میں ایجیسن سے یہ سودا کرتی ہے اور کہتی ہے تم جاؤ میں اپنا کام پورا کر کے رات ہونے تک تمہارے پاس چلی آؤں گی اور پھر میڈیا انتقام کی چٹان پر کھڑی ہو کر ایک ہولناک انتقامی منصوبہ بناتی ہے۔ دلہن کے لئے عمدہ پوشاک اور سونے کا تاج بنواتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں زہر میں بسی ہیں۔ پہننے والا ایک پل میں دم توڑ دے گا اور جو اسے چھوئے گا اس کا گوشت بھی ہڈیاں چھوڑ دے گا۔ پھر وہ بچوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتی ہے تاکہ جیسن کی یاد میں اڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دے اور اعلان کرتی ہے۔

میڈیا: تم لوگوں میں میری شہرت ایک کمزور عورت کی ہے

ایک کمزور ہاتھوں والی عورت

نہیں غلط ہے

ایک ایسے ہاتھوں والی جس میں سورج کی گرمی موجود ہے

میری نفرت خطرناک اور میری محبت شیریں ہے

(اور پھر وہ اپنی دایہ یا نوکرانی کو بھیج کر جیسن کو بلاتی ہے اور اس سے بالکل بدلی ہوئی میڈیا بن کر بات چیت کرتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ میں نے بہت غور کیا ہے اور آخر اس فیصلے پر پہنچی ہوں کہ تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ مجھے اس موقعہ پر تمہاری مدد کرنی چاہئے میں چند تحائف دلہن کو دینا چاہتی ہوں اور یہ تحفے بچے لے کر جائیں گے تا کہ دلہن سے منت کر کے اپنی جلاوطنی کا حکم منسوخ کرا سکیں۔ میرا کیا ہے، میں کل تک یہ شہر چھوڑ جاؤں گی)۔

میڈیا: میں بھی کیسی پاگل ہوں

مجھے دوست بن کر اس وقت تیرے کام آنا چاہئے

اور شب سہاگ تیرے بستر کے پاس کھڑی ہو کر

تیری دلہن کا استقبال کرنا چاہئے

میں سر تسلیم خم کرتی ہوں

مانتی ہوں کہ میرے خیالات لغو اور فضول تھے

اب میں ٹھیک ہوں، جاگ گئی ہوں، تیری بات مانتی ہوں

(بچوں کو باپ کے ساتھ تحفے دے کر بھیجتی ہے اور خود انتظار میں ہے کہ کب دلہن کپڑے پہنے اور اسے اس کی موت کی خبر آئے اور آخر پہاڑی سے ایک ملازم بھاگا ہوا آتا ہے اور میڈیا سے کہتا ہے):

ملازم: میڈیا بھاگ جاؤ، دور چلی جاؤ یہاں سے

میڈیا: کیا ہوا کیوں بھاگ جاؤں

ملازم: شہزادی بادشاہ

تیرے زہر سے موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں

میڈیا اطمینان کا سانس لیتی ہے اور نوکر کو کہتی ہے کہ ذرا تفصیل سے بتاؤ کیسے ہوا؟

ملازم: اس نے لباس زیب تن کیا

اپنے لمبے بالوں میں تاج سجایا

اور آئینے میں اپنا عکس دیکھنے لگی

کمرے میں تنہا ٹہلنے لگی، رکی، سیدھی ہوئی مڑی

پھر پھر

اس کے رخسار زرد پڑ گئے کمزور اور لڑکھڑاتے قدموں سے سہرا تلاش

کرتے ہوئے آگے بڑھی اور گر گئی

ایک چیخ ماری لبوں سے سفید جھاگ ابلنے لگا اور اس کی آنکھیں پھر گئیں

سونے کا تاج اور اس کی پیشانی پر سجا ہوا تھا

تیرے تحفے اس کے جسم میں گڑے جا رہے تھے

وہ زمین پر گر گئی۔ وہ ایک لاش تھی، بے سدھ

اس کو صرف اس کا باپ پہچانتا تھا

شاہی رخسار کہاں تھے وہ جگہ کہاں تھی جہاں آنکھیں تھیں

ہڈیوں سے گوشت جدا ہو رہا تھا جیسے گوند کے پیڑ سے گوند باہر آ رہا ہو

باپ قریب گیا تو لباس کی تہوں نے اسے بھی جکڑ لیا

پھر اس کا گوشت جسم سے گرنے لگا

اور وہ بھی دم توڑنے لگا

آخر کار باپ اور دلہن ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے تھے مردہ بے سدھ بے دم

(ملازم کی یہ باتیں سن کر وہ ان بچوں کو جو تحائف دے کر واپس آ گئے ہیں گھر کے اندر بھیجتی ہے اور ایک خوفناک ارادہ لے کر اندر جانا چاہتی ہے لیکن جانے سے پہلے کورس کی عورتوں کو کہتی ہے):

میڈیا: جاؤ میں اب اپنے بچوں کو قتل کرنے جا رہی ہوں
پھر میں یہاں سے چلی جاؤں گی
اور ایک پل نہ ٹھہروں گی
میں نے انہیں جنم دیا ہے قتل بھی میں ہی کروں گی
کوئی دوسرا کیوں ہاتھ لگائے
(کورس کی عورتیں گیت گا کر اسے اس فعل سے باز رکھنا چاہتی ہیں)

کورس: ہم دعا مانگتے ہیں
اے وحشی اے اے چڑیل تری روح تیرے قدموں کی قسم
اپنے بچوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار
تیرا سینہ برف ہو گیا ہے جس نے
تجھے بچوں سے بے حس کر دیا ہے
جب تیرا ہاتھ جانے گا کہ وہ کیا کرنے والا ہے
جب تیری آنکھیں ان آنکھوں کو دیکھیں گی
کیا تو اپنے آنسوؤں کو روک سکے گی

(میڈیا کچھ نہیں سنتی۔ بچوں کو پیار کرتی ہے، روتی ہے، آنسو بہاتی ہے اور پھر دروازہ بند کر کے انہیں تلوار سے مارتی ہے بچوں کا شور بن کر عورتیں دروازہ پیٹتی ہیں اتنے میں جیسن آتا ہے نوکروں کو دروازے کی زنجیریں توڑنے کے لئے کہتا ہے مگر اب دیر ہو چکی ہے جیسن آ کر عورتوں سے پوچھتا ہے):

جیسن: اے عورتو! وہ یہاں موجود ہے یا فرار ہو گئی۔
مجھے صرف بچوں کی فکر ہے
اپنے بچوں کو بچانا ہے اس سے پہلے کہ قتل ہونے والوں کے وارث
ماں کے گناہوں کا بدلہ بچوں سے لیں

میں انہیں بچانا چاہتا ہوں

ملازم: اے بدنصیب شخص تو نہیں جانتا کہ کتنی تاریک جگہ آگیا ہے۔

بچوں کو خود ان کی ماں نے قتل کر دیا ہے

جیسن: قتل کر دیا۔ کہاں قتل کر دیا؟ اس پرانے کمرے میں؟

دروازہ توڑو زنجیریں توڑو میری تلوار اس عورت کے سر پر چلے گی

(ملازم دروازہ توڑ دیتے ہیں لیکن دیکھتے ہی میڈیا چھت پر ایک گاڑی پر سوار ہے اور گاڑی کو پروں والے اژدھے کھینچ رہے ہیں اور بچوں کی لاشیں اس میں ہیں)۔

میڈیا: دروازے کیوں توڑتے ہو

اب تم مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے

آسمان سے میرے جد امجد نے دشمنوں کے غضب سے بچانے کے لئے یہ گاڑی بھیج دی ہے۔

(جیسن روتا ہے اور اس وقت پر لعنت بھیجتا ہے جب وہ میڈیا کو لے کر یونان آیا تھا)

جیسن: میں تجھ پر لعنت بھیجتا ہوں۔

میں اس وقت اندھا ہو گیا تھا اب صاف دیکھ رہا ہوں

تو مجسم لعنت ہے ایسی جس نے اپنے وطن باپ کو دھوکا دیا اپنے بھائی کا خون کیا

میں نے مکان دیا، بیوی بنایا، تجھے بچوں کی ماں بنایا

تو نے محبت اور مرد کی گود کے لئے انہیں قتل کر دیا

میرے راستے سے دور ہو جا، اے سراپا جرائم

بچوں کے خون کی پیاسی

مجھے آنسو بہانے دے وہ تلخ آنسو جواب میری زندگی پر

بادل کی طرح ہمیشہ چھائے رہیں گے

میڈیا: تیری ساری فضول تقریر کا جواب یہ ہے کہ

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تو زندگی خوش و خرم گزارے

میرے بستر خالی ہوں

جیسن: مجھے لاشیں دے دو تا کہ میں ان پر رو سکوں اور دفنا سکوں

میڈیا: میں انہیں آسمان کی پاک چار دیواری میں دفن کروں گی

تا کہ کوئی ان کی قبریں نہ توڑ سکے

درکارنتھ کے ساحل پر ان کی سالانہ یاد منایا کروں گی

میں ایتھنز میں ایجیسن کے پاس جا رہی ہوں

تا کہ اس کے پاس رہوں اور بچے پیدا کروں

دیکھ تیرے لئے موت آ رہی ہے

ظالم اور نہائی ہوئی موت جیسا تیرا دل ہے

تیرے پرانے جہاز آرگو کے بازو اس جگہ لڑنا شروع ہو جائیں گے

جہاں وہ کھڑا ہے، وہ بازو تیرے سر کے دو ٹکڑے کر دیں گے

اور آخر وقت تک میری یاد تجھے تکلیف دیتی رہے گی

جیسن: جا تیرا دامن بچوں کے دکھ سے بھیگا رہے

میڈیا: جا اپنی دلہن کو سلا

جیسن: میرے لڑکے

میڈیا: تیرے نہیں میرے

جیسن: جس نے ان کو قتل کیا

میڈیا: ہاں تجھے دکھ دینے کے لئے

(میڈیا کی گاڑی آگے آگے جاتی ہے جیسن زمین پر گرتا ہے اور کورس کی آواز گونجتی ہے)

کورس: آسمان پر زیوس کے بڑے بڑے محل ہیں

جہاں سے انسان کو عجیب و غریب نصیب ملتے ہیں

جس کا انجام اچھا ہو وہ نہیں ملتا

مگر ایک راستہ ضرور مل جاتا ہے انسان کو جو وہ سمجھ نہیں سکتا
یہاں بھی سمجھ ایسا ہی راستہ ہے جو سمجھ میں نہیں آسکا

میڈیا ڈرامے کے مرکزی دو کردار ہیں۔ جیسن اور میڈیا۔ کیران اور میڈیا کی ملازمہ اور میڈیا کو ملنے والا ایتھنز کے بادشاہ کا شمار ضمنی کرداروں میں ہوتا ہے۔ جیسن کا کردار دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ اس جیسن کا ہے جو پیلس بادشاہ سے اپنی سلطنت طلب کرنے جا رہا ہے۔ میڈیا کے علاقے میں مہمات کی سرکوبی کے لئے جاتا ہے۔ میڈیا سے عشق کرتا ہے اور اسے لے کر یونان کی سرزمین میں وارد ہوتا ہے اور میڈیا کے تین بچوں کا باپ ہے۔ اس کردار کی بنیادی دو صفات ہیں۔ عاشق اور بہادر۔ وہ میڈیا سے عشق کرتا ہے اور بہادری سے ان دو مہمات کو سر کر کے واپس جاتا ہے جو پیلس نے اس کے ذمہ لگائی تھیں۔ لیکن جوں ہی وہ یونان کی سرزمین پر قدم رکھتا ہے اس کے کردار کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے اور اس حصے کا جیسن بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔ اس کے دل میں آگے میڈیا کی محبت کے درخت کے پتے سوکھ کر بے وفائی کی مٹی پر گرنے لگتے ہیں اور وہ اسے ایک اجنبی کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اب اس کی نظر میڈیا سے زیادہ کیران کی بیٹی پر ہے جو اپنے جہیز میں بادشاہت بھی لا رہی ہے۔ وہ میڈیا سے جان چھڑانا چاہتا ہے تاکہ شہزادی سے شادی کر کے تخت کا مالک بن جائے۔ میڈیا کو دلیل دیتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ اپنے یعنی میڈیا کے بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے کر رہا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس بہتر مستقبل کے حصول میں میڈیا کو اپنی موت نظر آ رہی ہے لیکن وہ میڈیا کے جذبات سے بے خبر یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہے اور میڈیا کو مدد کا دلاسہ دے کر جلاوطنی کے راستے پر ڈالنا چاہتا ہے۔ جیسن کو بلاشبہ ایک بے وفا عاشق کا نام دیا جا سکتا ہے جو بنیادی طور پر ایک ہرجائی انسان ہے۔ میڈیا سے عشق اس لئے جتاتا ہے کہ وہ ایٹ کی سلطنت میں راستے کی رکاوٹیں صاف کرنے میں مدد دے۔ کارنتھ میں کیران کی بیٹی سے اس لئے شادی کرنا چاہتا ہے کہ بادشاہت حاصل کرے اور وہ میڈیا کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اسے شہزادی سے نہیں اس تخت سے دلچسپی ہے جو شادی کے بعد اس کے ہاتھ آئے گا۔ جیسن ایک مطلب پسند انسان ہے جو ضرورت کے تحت بدلنے کے فن سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کے دل میں میڈیا کے لئے کوئی تڑپ

نہیں۔ اگر وہ ڈرامے کے آخر میں روتا ہے تو صرف یہ جان کر کہ اس کے دو بچے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ہیں اور شہزادی مر گئی ہے۔ اب وہ تنہا ہے۔ نہ اس کے ہاتھ تخت آیا اور نہ ہی اولاد۔ اپنی خود غرضی مطلب پرستی اور بے وفائی کی خصوصیات کی بناء پر یہ ڈرامے کا ایک اہم کردار ہے۔

دوسرا اہم ترین کردار جس کے نام پر ڈراما لکھا گیا ہے، میڈیا کا کردار ہے جو ڈرامے کے شروع سے لے کر آخر تک ڈرامے کے پلاٹ پر حاوی رہتا ہے۔ وہ ایک بہادر اور محبت کرنے والی عورت ہے اپنے محبوب کے لئے اپنے بھائی تک کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرتی۔ محبت میں اندھی ہو کر اپنے باپ کو دھوکا دیتی ہے۔ وطن سے غداری کرتی ہے اور اہل وطن کی نفرت کا شکار بن جاتی ہے۔ محبت میں عاشق کے لئے باپ بھائی اور اہل وطن کا قتل اور غداری اس کے نزدیک جائز ہے چنانچہ وہ یہ سب کچھ کر کے جیسن کو حاصل کرتی ہے۔ گھر سے بے گھر ہوتی ہے۔ سہیلیوں کو چھوڑ کر جیسن کے جہاز آرگو میں بیٹھ کر یونان چلی آتی ہے۔ جیسن اس کا احسان مند ہے کیونکہ ایٹس کی سرزمین پر اگر میڈیا مدد نہ کرتی تو وہ نہ اژدھے پر فتح پا سکتا نہ روح کو واپس لا سکتا تھا لیکن یونان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اسے مختلف صورتحال سے دوچار ہونا پڑا۔ یونان کے لوگ عقل و دانش میں ساری دنیا میں اپنے آپ کو لاثانی خیال کرتے تھے۔ ذہانت گلیوں میں چلتی پھرتی نظر آتی تھی ان کا یقین تھا کہ ہمارے بچے روٹی نہیں کھاتے ذہانت اور دانش کھاتے ہیں۔

چنانچہ جب جیسن میڈیا کو لے کر یونان آیا تو میڈیا کو اہل یونان نے قبول نہ کیا کیونکہ اس زمانے کے قوانین کسی یونانی کو وحشی قبیلے کی کسی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جیسن اسے لے کر کورنتھ آ گیا اور وہاں کیران کی بیٹی سے شادی کے لالچ میں میڈیا کو ذہن کی دیوار سے مٹانا شروع کر دیا۔ میڈیا جیسن کا یہ روپ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ اسے اپنی محبت یاد دلائی۔ جیسن کو اس کے وعدے یاد دلائے لیکن اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ تنگ آ کر اس نے انتقام لینے کی ٹھانی اور عہد کر لیا کہ وہ ایسی وحشی بن کر اٹھے گی جس کا ثانی دوزخ میں بھی نہیں ملے گا۔ اس نے اندھی محبت کی تھی اور محبت کے دیوتا جیسن کے لئے اپنے باپ کو دھوکا اور بھائی کو قتل کیا تھا۔ اسے تنہائی میں یہ سب کچھ یاد آتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کوستی ہے کہ اس نے ایک بے وفا شخص کے لئے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ لیکن وہ اشک پونچھ کر انتقام کے راستے پر چل نکلتی ہے اور ایسا انتقام لیتی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ میڈیا ایک محبت کرنے والی

عورت تھی لیکن اب وہ ایک نفرت کرنے والی چڑیل کا روپ دھار لیتی ہے اور جیسن سے انتقام لیتی ہے۔ جیسن نے اسے شہزادی کے لئے چھوڑا۔ چنانچہ میڈیا اسے ختم کرنے کا منصوبہ تیار کرتی ہے تاکہ جیسن اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ ہر اس شے کو برباد کرنے کا عہد کرتی ہے جس کا تعلق جیسن سے بنتا ہے۔ زہریلے کپڑے بھیج کر بادشاہ اور شہزادی کا خاتمہ کرتی ہے۔ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے بیٹوں کو قتل کرتی ہے تاکہ جیسن کی نسل کا باغ مکمل طور پر اجڑ جائے اور خود ان کی لاشیں گاڑی پر رکھ کر جیسن کو ان کے آخری دیدار سے محروم کر کے اپنی نئی منزل کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ میڈیا کو یہ سب کچھ مجبوری میں کرنا پڑتا ہے۔ اگر جیسن بے وفائی نہ کرتا تو شاید وہ ایسا نہ کرتی۔

میڈیا کا کردار یوری پیڈیز کے اہم ترین کرداروں میں شمار ہوتا ہے۔ حسد، انتقام اور وحشی پن کا یہ کردار اس کا شاہکار کردار ہے۔ میڈیا محبت کرنے میں بے مثال عورت تھی لیکن جب جیسن نے بے وفائی کی تو وہ انتقام لینے میں بھی بے مثال ثابت ہوئی جسے پڑھنے والا اس کی وفا اور اس کے انتقام اور حسد کی ملی جلی صفات کی بناء پر کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ میڈیا، نقادوں کے نزدیک یوری پیڈیز کا ایک نہایت اہم ڈراما ہے جو حقیقت نگاری میں ایک اہم ترین ستون خیال کیا جاتا ہے اور ہر عہد میں ایک فنی شاہکار تصور کیا گیا ہے۔ یوری پیڈیز نے کرداروں کے لب و لہجے ایسے رکھے ہیں کہ نقادوں کے قریب یہ ہر اس عورت اور مرد کی گفتگو ہو سکتی ہے جن میں علیحدگی ہونے والی ہو یا ہو چکی ہو۔

اس ڈرامے میں یوری پیڈیز نے عورت اور مرد کے اندر اتر کر ان کی محبت لالچ حسد اور انتقام کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ یہ تجزیہ ہے اس عورت کا جس سے اس کی محبت چھینی جا رہی ہے۔ جو بے گھر کی جا رہی ہے۔ جس سے اس کے بچے چھینے جا رہے ہیں اور کہانی ہے اس مرد کی جو لالچ کے جال میں پھنس کر اپنی محبت کو بھولنا چاہتا ہے اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میڈیا شخصیتوں کے اندرونی کرب کی ایک لازوال داستان ہے۔

ارسطو کا یوری پیڈیز پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ پلاٹ کے سلسلے میں چابکدستی اور ہوشیاری سے کام نہیں لیتا۔ جو ٹریجڈی کے لئے بہت اہم ہے۔ لیکن اس کے کرداروں کی گرفت اس کی کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ انسانوں کے گہرے مطالعے اور ان کی تہہ دار شخصیتوں کے بغور مشاہدے نے اسے

بڑے المیہ نگاروں کی صف میں شامل کر دیا ہے۔ انسان کے اندر چھپے وحشی، انتقامی جذبے اور نفرتوں کو یوری پیڈیز شعروں میں سجانے کا فن جانتا ہے۔ وہ السٹس کے اندر چھپی وفا اور میڈیا کے اندر چھپے وحشی کو بغور پڑھنے کا گر جانتا ہے۔ دونوں کرداروں کا موازنہ تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کو ایک صف میں کھڑا کرنا گائے اور شیر کو ایک ہل میں جوتنے کے برابر ہے۔

میڈیا ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جس نے محبت کے لئے گھر بار چھوڑ دیا۔ باپ، ملک اور گھر والوں کو دھوکا دیا اور جب محبت ہاتھ سے جانے لگی تو وحشی بن کر محبت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جرأت اور بہادری میں شیکسپیئر کے کردار لیڈی میکبتھ سے مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن یہ مماثلت کچھ درست نہیں۔ لیڈی میکبتھ کے انتقام میں لالچ اور ہوس کا جذبہ کارفرما تھا۔ مگر میڈیا صرف اس محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انتقام کے لئے تیار ہوتی ہے جو بے وفائی پر تلی ہوئی ہے اور اس میڈیا سے آنکھیں پھیر رہی ہے جس نے صرف محبت کے لئے سب سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اس نے جیسن کے لئے اپنا وطن چھوڑا اور اب جیسن ہی اسے جلاوطن کر رہا ہے وہ بے یار و مددگار ہے، تنہا ہے۔ پچھلے رشتے ختم ہو چکے ہیں۔ موجودہ اس سے جان چھڑا رہے ہیں۔ آئندہ کوئی سہارا نہیں۔ اس موقع پر حسد کی آگ اسے اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ اب صرف انتقام ہی اس کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے جو اس کے بس میں ہے چنانچہ اس نے وہی کیا جو ایک عورت کو کرنا چاہئے جو فطری ہے آج بھی اگر کسی عورت کو یہ حالات درپیش ہوں تو شاید وہ بھی وہی کرے گی جو آج سے ہزاروں سال پہلے میڈیا نے کیا تھا۔ آپ کو شاید اس بات سے اختلاف ہو کیونکہ بچوں کا قتل ماں کے ہاتھوں کسی ماں کے لئے رحم کا جذبہ پیدا نہیں کرتا۔ میڈیا کو اپنے بچوں سے نفرت نہ تھی۔ جب اس نے بچوں کو قتل کیا تو وہ آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے اندر ممتا کا جذبہ چلا رہا تھا۔ مگر انتقام کی آگ اس قدر تیز تھی کہ اسے اس کے آنسو بھی ٹھنڈا نہ کر سکے۔ میڈیا کا کردار اس عورت کا کردار ہے جو لاکھوں میں ایک ہوتی ہے۔ اس عورت سے اس فعل کی توقع ممکن ہے۔ آج بھی، اور کل بھی...... آج بھی جب کبھی اخباروں میں کسی ایسی عورت کی خبر نظر سے گزرتی ہے جس نے خاوند سے لڑ کر اپنے بچوں سمیت دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کی ہو تو مجھے یوری پیڈیز کی میڈیا یاد آ جاتی ہے اور میڈیا کے زندہ جاوید ہونے کا یقین آ جاتا ہے۔

کامیڈی

کامیڈی

COMEDY

یونانی ادبی تاریخ میں کامیڈی کے آغاز کی تاریخ ناپید ہے۔ ارسطو بھی اپنی کتاب بوطیقا (Poetics) میں یہی کہتا ہے:

> **Comedy had no history because it was not at first treated seriously.**

کامیڈی یا طربیہ کا آغاز فحش اور جنسی گیتوں سے ہوا۔ Comedy کا لفظ Kome سے بنا ہے۔ جس کا مطلب گاؤں یا Village ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ کامیڈی کا تعلق زرخیزی سے ہے۔ دیہاتی زراعت اور اجناس کی فصل میں دیوتاؤں کی برکت کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ وہ عبادت گاہوں میں جنسی مظاہرے اور عورت مرد کے ملاپ سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ قدیم انسان یہ سب کچھ اس لئے کرتا تھا کہ دیوتا ان کے اس فعل سے خوش ہو کر بڑی مقدار میں فصلوں میں زرخیزی کے بیج بوئے گا۔

> **Primitive man sanctioned sexual display and even physical union, in the belief that nature perform in the large what he enacted on a smaller scale.**

یہ بھی خیال ہے کہ دیہاتی بڑی تعداد میں لمبے لمبے بانسوں پر جنسی تصویریں لٹکا کر جلوس نکالتے تھے تا کہ دیوتا خوش ہو کر ان کے کھیتوں اور فصلوں پر زرخیزی کی بارش برسا کر دے۔ The Master of World Drama کے مصنف کا خیال ہے کہ کامیڈی کا آغاز Mesopotamia کے عبادت خانوں سے ہوا اور عبادت خانوں کی پجارنیں ہی ان میں کردار ادا کرتی تھیں۔ یونان میں اداکاروں نے گدھے، گھوڑے کا روپ دھار لیا اور اسے (Satyrs) کا نام دیا۔ جنگل اور چراگاہوں کا دیوتا (Pan) اور ڈائی یونی سس کو عبادت کا مرکز بنایا گیا۔ Satrys Play کا رشتہ ٹریجڈی کے ساتھ جڑا رہا لیکن

500ق۔م کے قریب قریب اس کا ارتقا رک گیا۔ یوری پیڈیز کے ایک ڈرامے Cyclops کے علاوہ اس نوعیت کا کوئی دوسرا ڈرامہ نہیں ملتا۔ جنسی شہوانی مظاہروں پر مبنی ''قدیم کامیڈی'' کے ابتدائی ڈرامہ نگاروں میں Eupolis Magnes کے نام لئے جاتے ہیں۔

سوفیکلیز کے زمانے میں کامیڈی سے جنسی اور شہوانی عناصر کو تقریباً رد کر دیا گیا اور کامیڈی باقاعدہ دن کے وقت تھیٹر میں ڈرامے کی صورت میں پیش کی جانے لگی اور اس سے شہری زندگی، سیاست، ادب اور معاشرتی کمزوریوں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا اور کامیڈی باقاعدہ ایک ڈرامائی شاہکار بن کر سامنے آئی۔ اسے یہ مقام دینے والا مشہور طربیہ نگار ارسٹوفینیز تھا۔

ارسٹوفینیز

ارسٹوفینیز ایتھنز کی چلتی پھرتی زندگی کا شاعر ہے۔ اس کے طربیہ ڈراموں کا مطالعہ کر لیجئے۔ ایتھنز کی سیاست، سیاست دان، جنگ سے محبت کرنے والے، جنگ سے نفرت کرنے والے آزادی کی خواہاں عورتیں، جنس زدہ مرد، ٹیکس کے بوجھ تلے دبے دکاندار، سیاسی مباحثے، ادبی مسائل، شاعر، ادیب، استاد، فلاسفر سب کچھ روز روشن کی طرح نظر آئے گا۔

Greek Way کی مصنفہ Edith Hamilton کا کہنا ہے کہ ارسٹوفینیز کے طربیہ ڈرامے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم ایتھنز کا کوئی ایسا اخبار پڑھ رہے ہیں جس میں ایتھنز کے لوگوں کی حماقتیں اور بے وقوفیاں درج ہیں۔ ارسٹوفینیز ایک ایسا آئینہ بردار ہے جو ہمیں ایتھنز کے لوگوں کے عکس دکھا رہا ہے۔ ایسے عکس جن سے نہ صرف خارجی رنگت نمایاں ہے بلکہ اندرونی اور باطنی الجھنوں سازشوں اور مکروفریب کی پرچھائیاں بھی متحرک نظر آتی ہیں۔

ارسٹوفینیز کے حالات زندگی پر محققین نے بہت کم روشنی ڈالی ہے۔ صرف اتنا پتہ چل سکا کہ وہ ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ بعض نقاد تو اس کے ایتھنز کا شہری ہونے پر بھی شک کرتے ہیں۔ لیکن افلاطون کے بعض مکالمات میں اس کی موجودگی یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ وہ ایتھنز کا تھا اور افلاطون اور سقراط کی محفلوں میں بیٹھتا اٹھتا تھا اور اپنے تنقیدی جملوں سے سقراط کی محفلوں کو برباد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ارسٹوفینیز کا (Anti War) پارٹی سے تعلق تھا۔ جو زمینداروں اور زراعت پیشہ لوگوں کی پارٹی تھی۔ انہیں جنگ سے نفرت تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسان جنگ کے فوبیا میں مبتلا ہو کر کھیتوں سے میدان جنگ میں چلے جائیں اور کھیت ویران ہو جائیں۔ انہیں سقراط افلاطون اور یوری پیڈیز جیسے ادیبوں، شاعروں اور فلسفیوں سے بھی نفرت تھی جو روشن خیالی کی تعلیم دیتے تھے اور غلاموں، کمزور لوگوں اور معاشرے کے مظلوم افراد کو حوصلہ اور جرأت مندی کا درس دیتے تھے۔

ارسٹوفینیز شاید اس لیے سقراط اور یوری پیڈیز کو اپنے ڈراموں میں طنز اور تنقید کا نشانہ بناتا تھا۔ ارسٹوفینیز بے حد ذہین، صاحب اسلوب اور قادر الکلام شاعر اور طربیہ نگار تھا۔ اس نے اپنے طربیہ ڈراموں سے ایتھنز کے لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ مذہب پر ہونے والے حملوں کو روکا۔ جنگ کے مہلک اور خطرناک اثرات سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اپنے عہدے کے لوگوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا...... وہ اپنے ڈراموں میں سب سے زیادہ جس شخصیت کے خلاف ہے وہ یوری پیڈیز ہے۔ جسے نشانہ بنا کر وہ ادب، شاعری اور اس کے ڈرامے کے کرداروں کا مذاق اڑاتا ہے۔

ارسٹوفینیز کے مشہور ڈراموں میں پرندے (Birds) مینڈک (Frogs) بادل (Clouds)، (Lysistrata) اور Thesmophoria ہیں۔ یہ ڈرامے نہ صرف ارسٹوفینیز کے نظریات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں بلکہ انہیں پڑھ کر اس کے عہد کے لوگوں کی فکر اور سوچ سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ ڈرامہ (Waps) کا آغاز دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ ارسٹوفینیز نے اپنے عہد کے لوگوں، ان کی خوبیوں اور خامیوں کو جوں کا توں پیش کر دیا ہے۔ اس کے کردار اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے لوگ تھے۔ مثلاً ڈرامے کے آغاز میں دو نوکر اپنے آقا کے بیٹے کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں اور وہ گفتگو کچھ اس طرح ہے۔

نوکر: اسے ایک عجیب و غریب بیماری لگ گئی ہے
کوئی نہیں جانتا وہ بیماری کیا ہے؟
(تماشائیوں کی طرف دیکھ کر)
تم اندازہ لگاؤ گے کہ بیماری کیا ہے
(تماشائیوں میں ایک طرف دیکھتا ہے اور پھر کہتا ہے)

نوکر: پورنا پس کا بیٹا بیٹھا تھا
کہہ رہا ہے اسے جواء کھیلنے کی عادت ہے

دوسرا نوکر: (ہنس کر) یہ اپنی بیماری بتلا رہا ہے

نوکر: وہ دیکھو سامنے سوسیاس بیٹھا ہے

کہہ رہا ہے اسے شراب پینے کی عادت ہے

دوسرا نوکر: نہیں نہیں

یہ تو اپنی عادت کی بات کر رہا ہے

ہر شو میں ڈرامے کے کردار تماشائیوں میں سے نام لے لے کر یہ منظر کھیلتے تھے اور اس طرح پورے ایتھنز کے لوگوں کی عادات ڈرامے میں شامل ہوتی رہتی تھیں۔

فرانسیسی مصنف والٹیئر (Voltaire)۔ ایک سچی اور حقیقت پسندانہ کامیڈی کے بارے میں کہتا ہے۔

"TRUE COMEDY IS THE SPEAKING PICTURE OF THE FOLLIES AND FOIBLES OF A NATION."

ارسٹوفینیز کے تمام ڈرامے جو پرانی کامیڈی (Old Comedy) کے کھاتے میں آتے ہیں۔ اس تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ آپ اس کے سارے ڈرامے پڑھ لیں۔ احساس ہوتا ہے جیسے آپ ایتھنز کے لوگوں کی حماقتیں دیکھ رہے ہیں۔ ان کے ذہن، دل اور روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہر سطر ہر مکالمے میں ملتی ہیں۔ سیاست دان، شاعر، شہری، مختلف سیاسی شخصیتیں، عورتیں، ووٹر، تاجر، دوکان دار، نوکر، مالک، سب کے سب اپنی اپنی ڈفلی بجاتے نظر آتے ہیں۔ سقراط، افلاطون کا طریقہ فلسفیانہ ہے لیکن ارسٹوفینیز کا تحریری رنگ ڈھنگ مختلف ہے بلکہ وہ ان دونوں پر نظریاتی حملے کرتا نظر آتا ہے۔ مثلاً اپنے ڈرامے بادل (Clouds) میں وہ ایک سکول کا نقشہ دکھاتا ہے۔ ایک آدمی جس نے لوگوں کے بہت پیسے دینے ہیں۔ اپنے بیٹے سے کہتا ہے چل میں تجھے سقراط کے مدرسے میں داخل کرا کے آتا ہوں تاکہ تو اس سے بحث کرنے کا طریقہ، دلائل دینے کی صلاحیت سیکھ کر آئے تاکہ جب کوئی قرض مانگنے والا میرے پاس آئے تو تیرے دلائل سن کر لوٹ جائے۔ جب یہ آدمی مدرسے میں آتا ہے تو ارسٹوفینیز نے مدرسے کا نقشہ دے کر سقراط پر بھرپور طنز کی ہے۔ آدمی بچوں سے پوچھتا ہے کہ تمہارا استاد کہاں ہے۔ وہ رسی سے لٹکی ہوئی ایک ٹوکری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آدمی حیران ہو کر ٹوکری میں بیٹھے سقراط سے پوچھتا ہے۔

FATHER: WHAT ARE YOU DOING UP THERE IN A BASKET?

SOCRATES: I WALK ON THE AIR AND CONTEMPLATE THE SUN. THE GROUND IS NOT THE PLACE FOR LOFTY SPECULATIONS.

اس کے ڈراموں میں ابھرنے والا ہر کردار اپنی سوچ اور فکر کو اپنی تصویر بنا کر ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ایتھنز کی سوسائٹی میں مختلف ڈرامہ نگار عورتوں کو برے کردار میں پیش کرتے تھے اوران میں طرح طرح کی کمزوریاں اور خامیاں نکالتے تھے۔ اپنے ایک مشہور ڈرامے (THESO MOPHORIAZUSE) میں دیکھیے وہ عورتوں کونمائندگی دے کر کیسے ان کے دل اور دماغ کو پیش کرتا ہے۔

They say all evil proceeds from us; war, battles, and murder even we are tiresome, troublesome, quarrelsome, disturbers of earth and heaven, Now we ask you to put your mind on this, if we are really the plague on your lives, then tell us, please, why you all are so keen to get us to be your wives.

ارسٹوفینیز اپنے عہد کا سب سے بڑا نمائندہ تھا اور اس نے بعض ڈراموں میں ایتھنز کے لوگوں کی زندگی کے کچھ ایسے مناظر بھی دکھائے ہیں۔ جنہیں مثال بنا کر بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس بات کا دعویدار تھا کہ میں اسٹیج پر وہ چیز دکھاؤں گا۔ جسے میں اپنی سوسائٹی میں دیکھتا ہوں۔ لیکن ہمارے لیے یہ آج کے دور میں بھی ممکن نہیں کہ ہم ایسا کر سکیں۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ جو ارسٹوفینیز کر گیا

ہے۔اس کی مثال بھی تحریری صورت میں لاسکیں۔

The result is that the distintive quality of the old comedy can not be illustrated by quotation. The most characteristic passages are un-printable, completely indecent and fantastically absurd and vulgar-----

(The Greek way)
(Edith Hamilton)
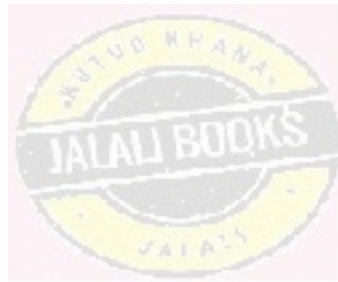
تنقید
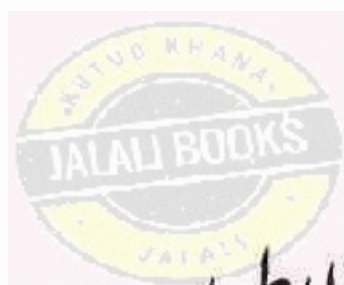
۱۔ افلاطون

۲۔ ارسطو

۳۔ لان جائی نس

تنقید

"THE MIRACLE OF "THE POETICS" IS THAT IT CONTAINS SO MUCH THAT IS OF PERMANENT AND UNIVERSAL INTEREST."

ATKINS

یونانی تنقید

فنون لطیفہ کے خالق لاشعوری طور پر اپنی تخلیقات کے مقاصد اور ردعمل سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں۔ شاعر، سنگ تراش، گویا جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کس جذبے کے تحت کر رہا ہے؟ جو کر رہا ہے اس کا اثر لوگوں پر کیا ہوگا۔ اس مسلسل عمل سے بڑی شاعری بڑا ڈرامہ اور بڑی مصوری تخلیق ہوتی ہے۔ فنون لطیفہ کی روایات کے انداز وجود میں آتے ہیں۔ اچھے اور برے (فن) کے درمیان لکیر کھینچنے کے لیے نقاد سامنے آ جاتا ہے اور وہ فن پارے میں پنہاں خصوصیات کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ برائیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ یونانی تنقید نگار بھی اس وقت لوگوں کے سامنے آیا جب یونانی ڈرامہ اور رزمیہ شاعری انتہائی بلندی کو چھو چکی تھی۔ ان نقادوں نے فنون لطیفہ کی پرکھ کے اصول وضوابط مرتب کئے۔ فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرنے اور اچھائی برائی جانچنے کا ڈھنگ بتایا۔ قدیم فن پاروں کی مثالیں دے کر فنی حسن کی نشاندہی کی۔ شعر اور شاعری کی تعریف کی اور شاعر کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا اس سلسلے میں افلاطون اور ارسطو کا نام بہت اہم ہے۔ افلاطون نے پہلی بار فنون لطیفہ کے بارے میں اپنے مکالمات میں اپنے نظریات کا اظہار کیا اور ارسطو نے باقاعدہ تنقید کی کتاب لکھ کر نقاد اول کی حیثیت سے اپنے نام اور کام کو امر بنا دیا۔

یونانی تنقید کے باقاعدہ آغاز کا سہرا محققین نے ارسطو کے سر باندھا ہے لیکن وہ طربیہ نگار ارسٹوفینیز (Aristophenes) کو ہرگز فراموش نہیں کرتے جس نے اپنے ڈراموں میں جابجا شاعر، شاعری اور فنون لطیفہ پر اپنے تنقیدی نظریات کا اظہار کیا ہے اور شاید اسی بنا پر کچھ لوگ اسے یونانی تنقید کا پہلا نقاد قرار دیتے ہیں۔ ارسٹوفینیز کے ڈراموں کا اس حوالے سے جائزہ لینے سے پہلے آیئے ذرا ارسٹوفینیز کے عہد سے پہلے ہومر (Homer) اور اس کے ہم عصر رزمیہ نگاروں کی تخلیقات کو دیکھیں جن میں وہ فنون لطیفہ کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

ہومر (Homer) اور اس کے ہم عصر رزمیہ نگار اور گانے والے ایک چیز سے پوری طرح متفق تھے اور وہ یہ کہ شاعری اور فنون لطیفہ الہامی طاقت کے بغیر تخلیق نہیں ہوتے۔ شاعر اور گویا سامعین کو مسرت پہنچاتا ہے اور شاعری روحانی طور پر ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ ہومر (Homer) کی نظر او ڈی سی (Odyssey) کا آخری منظر دیکھئے جس میں ہومر (Homer) اپنے کرداروں کی زبان سے ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس منظر میں او ڈی سی لیس کی بیوی پینی لوپی (Penelope) اپنے خاوند کے انتظار میں اداس ہے اور گویا (Eumaeus) ان سپاہیوں کے حالات پر مبنی گیت گانے لگتا ہے جو ٹرائے (Troy) کی جنگ سے واپس آئے ہیں۔ گویا ان الفاظ سے گیت شروع کرتا ہے۔

> **Even as when a man gazes on a minstrel whom the gods have taught to sing words of yearning joy to mortals.**

اس سے پہلے کہ وہ گیت کو آگے بڑھائے پینی لوپی (Penelope) اسے روک دیتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی کہ ان سپاہیوں کے دکھ سنے جن میں اس کا خاوند بھی شامل ہوگا...... لیکن پینی لوپی کا بیٹا ٹیلی ماکس ماں سے کہتا ہے۔

> **"Why grudge the sweet minstrel to gladden us as his spirt him."**

اس منظر سے دو نتائج نکلتے ہیں:

1- فنکار، گویا اور شاعر الہامی طاقت کے تحت فن تخلیق کرتا ہے۔

2- فنون لطیفہ حصول مسرت کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ ہومر (Homer) اور اس کے ہم عصروں کے فن پاروں میں کہیں نہ کہیں فنون لطیفہ کے بارے میں یہ نظریات مل جاتے ہیں وہ سب اس چیز پر ذہنی طور پر متفق تھے کہ شاعری مسرت پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ شعر کہنے کا فن شاعروں کو دیوتاؤں کی طرف سے ایک وردان ہے نیز یہ کہ شاعری لوگوں پر سچائیوں اور حقیقتوں کا انکشاف کرتی ہے۔ ہومر (Homer) کے بعد ہیسڈ (Hesiod) نے بھی شاعری کو الہامی قوت اور دیوتاؤں کا عطیہ قرار دیا ہے۔ ہیسڈ (Hesiod) کا

نظریہ تھا کہ دیوتا اپنا پیغام شاعروں کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

HOMER AND HESIOD, boh regard poetry as the product of divine inspiration: for HOMER its function is to give pleasure, for HESIOD to give instruction, to pass on the message breathed in to the poet by the Muses.

Classical literary criticism by (T.S.DORSCH)

یونانی ادب کے محققین کا نظریہ ہے کہ یونانی ادبی تنقید کے ابتدائی نقوش ہمیں خطابت (Rhetoric) کے حوالے سے ملتے ہیں۔ یونانی خطابت میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔ استادوں نے اپنے شاگردوں کی رہنمائی کے لیے فن خطابت کے اصول وضوابط مرتب کر لیے تھے اور وہ شاگردوں کو شعر اور نثری فن پاروں سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات وہ شعر و ادب کو بھی خطابت کے اصول وضوابط کے تحت پرکھتے تھے، چنانچہ فن خطابت (Rhetoric) کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بہت سے ایسے تنقیدی نظریات سے روشناس کراتا ہے جو بعد میں ادب وشعر کو پرکھنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ ڈبلیو۔ آر۔ گڈمین (W.R.GOOD MAN) اپنے طویل مضمون (Aristotle,s conception of poetry and Drama) میں رقم طراز ہے۔

The main current of ancient criticism flowed in the channel of Rhetorical theory.

یہ بات کسی حد تک درست ہے کیونکہ افلاطون، ارسطو، ہوریس اور لانجائی نس نے اپنے تنقیدی شاہکاروں میں بعض ایسے اصولوں کو بھی شامل کیا ہے جو فن خطابت کے لئے ضروری تھے۔ ان میں زبان کا استعمال، حرکات وسکنات اور لہجے کی تبدیلی وہ عناصر ہیں جو شاعری اور خطابت دونوں کے لیے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔

مشہور طربیہ نگار ارسٹوفینیز (Aristophenes) کے ساتھ ہی تنقید ایک نئے عہد میں داخل ہوگئی۔ اس کا عہد پانچویں صدی قبل مسیح کا آخری اور چوتھی صدی (ق م) کا ابتدائی زمانہ ہے۔ اس کے گیارہ طربیہ ڈراموں میں سیاست شہری زندگی اور المیہ شاعروں پر کڑی تنقید اور طنزیہ انداز میں سخت جملے سر نکالتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس نے بادل (Clouds) اور پرندے (Birds) میں اپنے

عہد کی غنائیہ شاعری (Lyrical Poetry) کا اصل حریف المیہ نگار یوری پیڈیز (Euripides) ہے۔ جس پر وہ اپنے ڈراموں میں گھٹیا کردار اور عامیانہ زبان استعمال کرنے کا الزام عائد کرتا ہے۔

-----Thesmophorizeu میں وہ یوری پیڈیز (Euripides) کو مضحکہ خیز صورت میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ان دو نظریات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ شاعری الہامی تحریک کی مرہون منت ہے اور دوسری بات یہ کہ شاعر کو کردار نگاری کرتے وقت وہ کیفیت اپنے اوپر طاری کرنا چاہیے جو کیفیت وہ کردار میں سمونا چاہتا ہے۔ ارسٹوفینیز (Aristophenes) کے اس ڈرامے کا خلاصہ یہ ہے کہ ایتھنز (Athens) کی عورتیں یوری پیڈیز (Euripides) کے خلاف ایک خفیہ میٹنگ کرتی ہیں۔ یوری پیڈیز اپنے سسر کے ساتھ عورتوں کا بھیس بدل کر اس میٹنگ میں چلا جاتا ہے۔ عورتوں کو خبر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب شناخت شروع ہوتی ہے تو یوری پیڈیز پکڑا جاتا ہے۔ ڈرامہ آگاتھن (Agathon) کے گھر کے قریب سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وہ منظر ہے جس میں ارسٹوفینیز (Aristophenes) شاعری کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کرتا ہے جنہیں بعد میں آنے والے نقادوں نے اپنے تنقیدی شاہکاروں میں شامل کیا۔ ڈرامے میں یوری پیڈیز (Euripides) کو نوکر بتاتا ہے کہ یہ مشہور شاعر آگاتھن (Agathon) کا گھر ہے جہاں دیوتا شاعر کو شاعری سکھا رہے ہیں اور جب آگاتھن (Agathon) باہر آتا ہے تو اس نے عورتوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یوری پیڈیز (Euripides) کے سوال پر وہ جواب دیتا ہے۔

> **I choose my dress to suit my writing. A poet molds himself upon his poems. And when he writes of women he assumes a women's dress and takes on woman's habits.**

آگاتھن کی زبانی ارسٹوفینیز (Aristophenes) یہ کہلوانا چاہتا ہے کہ ڈرامہ نگار کو اپنے اوپر اس کردار کو طاری کرنا چاہیے جس کے بارے میں وہ لکھ رہا ہے۔ (ارسطو اپنی کتاب بوطیقا (Poetics) میں بھی یہی کہتا ہے کہ شاعر کو کوئی منظر یا تقریر لکھنے سے پہلے اپنے اوپر وہی کیفیت

طاری کرنی چاہیے جس کی وہ اداکار سے اسٹیج پر توقع رکھتا ہے۔ مشہور فرانسیسی مصنف والٹیر (Voltiare) کے ایک ڈرامے میں ایک اداکارہ کو طوائف کا کردار ادا کرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ والٹیئر (Voltire) نے اسے کہا کہ طوائف بن جاؤ۔ یعنی اپنے کردار کو ختم کر کے طوائف کا روپ دھار لو کیونکہ جب میں نے یہ کردار لکھا تھا تو میں نے طوائف کو اپنے اوپر طاری کر لیا تھا)۔ آ گا تھن (Agathon) بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے جو ہم فطری طور پر نہیں ہوتے، نقالی کے ذریعے بن جاتے ہیں۔

What we are not by nature we take unto ourselves through imitation.

اپنے ڈرامے مینڈک (Frogs) میں وہ دو مرحوم شعرا اسکائی لس (Aeschylus) اور یوری پیڈیز (Euripides) کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے جس سے شاعری میں زبان اور فکر کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس ڈرامے میں ارسٹوفینیز (Aristophenes) نے عالم ارواح میں ایک فرضی مکالمہ ترتیب دیا ہے جس میں وہ یوری پیڈیز (Euripides) اور اسکائی لس (Aeschylus) کی شاعری پر ایک جج کی حیثیت سے فیصلہ دیتا ہے کہ ارسٹوفینیز (Aristophenes) نے اسکائی لس (Aeschylus) کو اعلیٰ زبان، بلند فکر، سیاسی شعور اور دیگر کئی صفات کی بناء پر بڑا شاعر قرار دیا ہے اور یوری پیڈیز (Euripides) نے اپنی فنکارانہ مہارت سے پرولاگ (Prologuse) میں تبدیلی کر کے المیہ کے حسن کو نکھارا ہے اور اس کی حقیقت نگاری المیہ کو زندگی کے قریب تر لے آئی ہے۔ وہ یوری پیڈیز (Euripides) کو اس بات کی داد دیتا ہے کہ اس نے ایتھنز (Athenses) کے لوگوں کو سوچنا، دیکھنا، سمجھنا اور سوال کرنا سکھایا ہے۔

He taught Athenians to think, see, understand, suspect, question, everything.

ارسٹوفینیز (Aristophenes) کے نزدیک شاعری کا یہی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو دیکھنے، سوچنے، سمجھنے، سوال کرنے اور شک کرنے کی صلاحیت بخشے۔ اس نے ڈراموں میں فنون لطیفہ کے بارے میں جن جن باتوں کا اظہار کیا ہے، بعد میں ان پر تنقیدی نظریات کی بنیاد رکھی گئی۔ بقول

J.W.H.Atkins

Aristophenes was neither a philosopher nor a mere jester: but in the history of criticism he takes rank as first of the judicial critics.

(Literary criticism in Antiquty) (VOL-1)

ارسطو شاعری کو انسان کا فطری فعل قرار دیتا ہے۔ وہ شاعری پر کوئی پابندی نہیں لگاتا اور نہ ہی شاعروں کو ملک بدر کرنے کی بات کرتا ہے۔ وہ افلاطون کی طرح شاعری کو نقل ضرور کہتا ہے لیکن اس نقل میں مسرت کے عنصر کی نشان دہی بھی کرتا ہے بلکہ عام زندگی میں جن چیزوں کو ہم دیکھنا بھی نہیں چاہتے جب اس چیز کی نقل فنکارانہ انداز میں پیش کی جائے تو ہم اس میں بھی مسرت پاتے ہیں اور یہی نقالی کی خوبصورتی اور ہنر مندی ہے۔

ارسطو افلاطون کے شاعری پر اس اعتراض کو رد کرتا ہے کہ شاعری جذبات میں اشتعال پیدا کرتی ہے اور شہریوں کے اخلاق کو خراب کرتی ہے ارسطو کا موقف یہ ہے کہ شاعری خوف اور رحم کے جذبات پیدا کر کے مشتعل جذبات کو وہاں لے جاتی ہے جہاں وہ پرسکون ہو جاتے ہیں۔ جس طرح جلاب جسم کی تطہیر کر کے اسے ہلکا پھلکا کر دیتا ہے اسی طرح شاعری ہمارے مشتعل جذبات کا کیتھارسس کر کے ان میں ٹھہراؤ اور سکون پیدا کرتی۔

ارسطو نے پہلی بار المیہ (Tragedy) پر مکمل بحث کی ہے۔ اس کی باقاعدہ ایک جامع اور مکمل تعریف کی ہے اور پھر ان پانچ عناصر پر تفصیلاً بحث کی ہے جو مل کر ایک المیہ کو جنم دیتے ہیں۔ ارسطو نے منطقی، سائنسی اور فکری طور پر شاعری کی ابتدا اقسام اور عیب و ہنر پر روشنی ڈالی ہے۔ ادب اور تاریخ کے فرق اور دائرہ کار کی وضاحت کی ہے اور بتلایا ہے کہ شاعری کو یقیناً تاریخ پر اولیت حاصل ہے تاریخ صرف ان واقعات کا بیان ہے جو ممکن ہوں لیکن شاعری ناممکنات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی قوت رکھتی ہے۔ افلاطون شاعری کو جنونی اور پاگل پن قرار دیتا ہے لیکن ارسطو شاعر کو باشعور ذہن رکھنے والا فنکار قرار دیتا ہے جو ہومر، اسکائی لیس، سوفیکلیز اور یوری پیڈیز بن کر جاودانی شاہکار تخلیق کرتے ہیں۔

اگر نقادوں کی اس رائے کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بوطیقا (Poetics) افلاطون کے مکالموں میں اٹھائے گئے سوالوں کے جوابات پر مبنی کتاب ہے تب بھی اس کتاب کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ارسطو کا یہ کارنامہ اس سے کہیں آگے ہے۔ اس میں استعمال کی گئی اصطلاحات صدیوں بعد آنے والے نقادوں کی تحریروں کی بنیاد بنی ہیں۔ ارسطو نے نقادوں کو بوطیقا کی شکل میں ایک رہنما کتاب دی ہے۔ شاعروں کو اصول وضوابط کا ایک (Set) دیا ہے جو تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد اب بھی ہماری تنقید میں کسی نہ کسی صورت میں رائج نظر آتا ہے۔ ادب اور تنقید کی کوئی تحریک، کوئی سکول ارسطو کے اثر سے باہر نہیں نکل سکتا بلکہ اس کے کسی نہ کسی نظریہ کو بنیاد بنا کر اپنی دکان چمکا تا نظر آتا ہے۔

افلاطون

افلاطون ایتھنز (Athens) کے ایک امیر خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ 428 قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اس کے خاندان کو پورے ایتھنز (Athens) میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ افلاطون سے پہلے یہ خاندان کوڈرس (Codrus) اور سولون (Solon) جیسے نامور لوگوں کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا۔ افلاطون ایک خوبصورت اور ذہین نوجوان تھا۔ سوچنے والا ذہن اور چوڑے چکلے شانے پورے علاقے میں اس کی وجہ شہرت تھے۔ (lothmain) کے کھیلوں میں اپنے مضبوط جسم کی وجہ سے وہ دوبار انعام جیت چکا تھا۔ افلاطون نے فلسفے کی ابتدائی تعلیم اپنے پہلے فلسفی استاد کریٹےلس (Cratylus) سے حاصل کی لیکن یہ کنواں افلاطون کی پیاس کے لیے ناکافی تھا۔ چنانچہ افلاطون کی جستجو اور طلب اسے اس سمندر کے کنارے لے آئی جسے زمانہ سقراط (Socrates) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ سقراط (Socrates) سے افلاطون کی ملاقات نے اس کی زندگی بدل دی اور وہ اندھیروں سے روشنی میں آ گیا اور یہ روشنی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوش بختی تھی۔ وہ کہتا ہے......

> **I thank God that I was born Greek and not barbarian, free man and no slave, man and not women, but above all, that I was born in the age of Socrates.**
>
> (WILL-DURANT-Page- 12)
> (The Story of Philosophy)

افلاطون نے سایہ بن کر استاد کا ساتھ دیا اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک لفظ کو اپنے دل و دماغ کی تختی پر نقش کر لیا اور پھر سقراط کی موت کے بعد اس کی کہی ہوئی تمام باتوں کو افلاطون نے ''مکالمات افلاطون'' لکھ کر امر بنا دیا۔ سقراط کا کہا ہوا ایک ایک حرف مکالمات افلاطون

میں محفوظ کر دیا۔ بقول (Will-Durant) افلاطون صرف وہ جھگڑے اور لڑائیاں قلم بند نہ کر سکا جو سقراط اور اس کی بیوی (Xanthippe) کے درمیان بند کمرے میں ہوتی تھیں۔

سقراط کی موت کے وقت افلاطون کی عمر 28 سال تھی۔ استاد کی موت کے بعد وہ جمہوریت، ایتھنز کے لوگوں اور اپنی زمین سب سے بیزار ہو گیا۔ جمہوریت پسند رہنماؤں سے اس کے جھگڑے بڑھ گئے۔ جس انتظامیہ نے سقراط کے ہاتھوں میں زہر کا پیالہ دیا تھا اس سے افلاطون کی کھلی جنگ شروع ہو گئی۔ افلاطون نے حالات کا جائزہ لیا اور مصر کی طرف چل دیا۔ مصر سے سسلی (Sicily) اور وہاں سے اٹلی کچھ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ وہ اٹلی سے ہندوستان چلا گیا اور گنگا کے کنارے پنڈتوں سے گیان دھیان کے راز و اسرار پر بحث کرتا رہا۔ افلاطون 12 سال تک اپنے ملک سے باہر رہا۔ 12 سال کا یہ عرصہ اس کی ذہنی تربیت کا زمانہ تھا۔ اس نے ملک ملک پھر کر سیاسی، اخلاقی، روحانی مذہبی اور معاشرتی نظام کو بغور دیکھا۔ ہر ذریعے سے عقل و فہم تک رسائی حاصل کی۔ فقیروں درویشوں، سیاست دانوں، حکمرانوں اور مختلف عقائد کے مذہبی رہنماؤں سے جو کچھ ملا حاصل کیا اور 40 سال کی عمر میں ایتھنز (Athens) واپس آ کر اپنی لافانی تخلیق جمہوریہ (The Republic) کی تیاری شروع کر دی۔

''مکالمات افلاطون'' علم و ہنر کا ایک انمول خزانہ ہیں۔ اور جمہوریہ (The republic) اس خزانے کا انمول ترین ہیرا ہے۔ افلاطون کی سیاسی، فلسفیانہ، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی، تاریخی، اقتصادی، نفسیاتی، سماجی اور ادبی نظریات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ریاست ایک مکمل کتاب ہے۔ بقول ول ڈیورانٹ (Will Durant) کمیونزم، سوشلزم، نسوانیت اور برتھ کنٹرول نطشے (Neitzsche) کے اخلاق۔ روسو (Rousseau) کے فطرت۔ آزادی اور تعلیم کے بارے میں خیالات۔ فرائڈ کے جنسی اور نفسیاتی مسائل۔ سب کچھ اس کتاب میں موجود ہے۔ افلاطون نے شعر و ادب پر اپنے جن نظریات کا اس کتاب میں جہاں جہاں ذکر کیا ہے۔ ان کی بنا پر اسے تنقید کا بھی بابا آدم کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ہر اس مسئلے کا حل ہے جو ایک انسان کو درپیش آ سکتا ہے۔ ایمرسن (Emerson) نے جمہوریہ (Republic) کے بارے میں کہا ہے۔

Burn the libraries, for their value is in this book.

افلاطون نے ساری زندگی فلسفے کی خدمت کی اور سراپا فلسفہ بن کر ایتھنز (Athens) کے گلی کوچوں میں گھوما اور اپنی ذات اور فلسفے کو ایک کر دیا۔

ایک فلسفی کا کہنا ہے کہ بوڑھے ہونے کے فن سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ افلاطون ان چند لوگوں میں سے ایک تھا۔ اس کا استاد سقراط ستر سال تک جیا۔ افلاطون نے 80 سال کی عمر پائی اور آخری رات تک زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ مرنے سے ایک روز پہلے اس نے اپنے ایک شاگرد کی شادی میں شرکت کی۔ نوجوانوں کے ساتھ گانے کی محفل میں بیٹھا رہا۔ محفل ختم ہوئی تو سب آرام کرنے کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ افلاطون اٹھا اور کمرے کے کونے میں رکھی ہوئی کرسی پر آنکھیں بند کر کے نیم دراز ہو گیا۔ صبح جب شاگردوں نے اسے جگانے کی کوشش کی تو افلاطون ابدی نیند میں کھو چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایتھنز (Athens) کا شاید ہی کوئی شہری ہو جس نے اس کے جنازے میں شرکت نہ کی ہو۔

افلاطون کے تنقیدی نظریات

افلاطون نے فن شعر اور فن خطابت پر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی لیکن ان دونوں فنون کے بارے میں اس کے نظریات اس کی مختلف تحریروں میں مل جاتے ہیں۔ اس نے فنون لطیفہ کی اصل و غایت پر غور کیا ہے اور اپنے مخصوص لہجے میں رائے دی ہے۔ سقراط کی طرح اس نے بھی فنون لطیفہ میں افادیت کی تلاش کی ہے۔ ہر خوبصورت ہر حسین چیز میں مادی مفاد کا کھوج لگایا ہے۔ کبھی کبھی وہ اس مفاد کی تلاش میں اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ اسے ہومر (Homer) کی شاعری سے زیادہ حکیموں کے نسخے اچھے لگتے ہیں۔ جن سے مریضوں کو فائدہ تو پہنچتا ہے۔ افلاطون نے فنون لطیفہ اور زندگی کے ہر مشکل مسئلے کو تصورات اور مابعد الطبیعات سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس کے نزدیک وہی فن قابل تحسین ہے جو شہریوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ افلاطون کا نظریہ ہے کہ کسی نظم یا فن پارے کو خوبصورت اور حسین ہونے کے ساتھ ساتھ خالص افادی بھی ہونا چاہیے۔ افلاطون نے پہلی بار اپنی تحریروں میں شاعری اور فنون لطیفہ کو تیسرے درجے کی نقالی قرار دیا ہے۔ ہسیڈ اور ہومر کی شاعری پر وہ اسی حوالے سے اعتراضات کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ افلاطون کا ان دونوں پر اعتراض ہے کہ یہ دیوتاؤں میں انسانی کمزوریاں دکھاتے ہیں۔ انہیں عیاش، کینہ پرور، بے رحم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ انہیں غصے اور انتقام کے جذبے سے سرشار دکھاتے ہیں۔ ان باتوں کا شہریوں کے اخلاق پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کو اپنی خیالی ریاست (The republic) میں داخلے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی ریاست میں وہی شاعر داخل ہو سکتے ہیں جو شہری قوانین کی پابندی کریں گے اور اپنی شاعری میں مذہب اور اخلاق کا پرچار کریں گے۔ افلاطون کی ریاست کا مثالی شہری حقیقت کی تلاش میں رہتا ہے جب کہ شاعر اور فنکار خیالی دنیا میں بھٹکتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل فلسفہ یا منطق نہیں جس سے وہ پڑھنے والوں کو قائل کر سکے۔ وہ

صرف جذبات کو ابھارتا ہے بے لگام کرتا ہے جو شہریوں کے اخلاقی انحطاط کا سبب بنتے ہیں۔ نیز المیہ نگار عورتوں کے ایسے کردار پیش کرتے ہیں جو لڑتے جھگڑتے ہیں۔ تیسرے درجے کے عشق میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کردار شہریوں کے اخلاق پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسانوں اور دیوتاؤں کی یہ مضحک صورت افلاطون کو قطعی طور پر پسند نہیں۔ وہ اسے جھوٹ اور لغو قرار دیتا ہے۔ افلاطون کا نظریہ ہے کہ دیوتاؤں میں تبدیل ہونے کی قوت موجود ہے لیکن یہ تبدیلی بہتر شکل میں ہونی چاہیے جس سے دیوتاؤں کی شان میں اضافہ ہو۔ لیکن شاعروں کے ہاں ایسے مناظر لاتعداد ہیں جن میں دیوتاؤں کو تضحیک آمیز صورت میں دکھایا گیا ہے۔ مثلاً ہومر (Homer) نے ایک جگہ دیوی ہیرا (Hera) کو ایک مندر کی پجارن کے روپ میں بھیک مانگتے دکھایا ہے۔ افلاطون اس کو لغو قرار دیتا ہے اور اجازت نہیں دیتا کہ ایسی کہانیاں ریاست کے نوجوانوں کو سکولوں میں پڑھائی جائیں۔ وہ اپنے استاد سقراط کی زبانی یہ بات کہلواتا ہے۔

> **When a poet speaks this of the gods, we shall be angry, and we shall refuse him chorus, we will not allow school masters to use his saying in educating the young.**
>
> **(The Republic) (Book 11-page 182)**

افلاطون نے اپنی تحریروں میں شاعری اور خطابت کے ضمن میں کھلی رائے کا اظہار کیا ہے۔ جسے بنیاد بنا کر اس کے شاگرد ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا (Poetics) میں اس بحث کو آگے بڑھایا ہے۔ کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ ارسطو نے اپنی کتاب میں دراصل افلاطون کے شاعری پر کئے ہوئے سوالات اور اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ افلاطون نے یہ سوالات اور اعتراضات اپنی مندرجہ ذیل تحریروں میں اٹھائے ہیں۔

1- جمہوریہ — جلد نمبر 3

2- جمہوریہ — جلد نمبر 10

3- ایان — Ion

4- فیڈوس — Phaedos

5- قوانین Laws

افلاطون اپنی کتاب جمہوریہ (The Republic) میں شاعری کو تیسرے درجے کی نقالی قرار دیتا ہے۔ افلاطون کے نزدیک مجاز حقیقت کا عکس ہے اس کے نزدیک فلسفے کے مقابلے میں فنون لطیفہ تیسرے درجے کی نقل ہے فلسفہ تصورات کو براہ راست دائرہ شعور میں لایا ہے۔ لیکن فنون لطیفہ نقل کی نقل ہے۔ اس بات کو افلاطون نے ایک مثال سے سمجھایا ہے۔

فرض کیجئے ایک بڑھئی ایک پلنگ بناتا ہے۔ اصل میں اس نے اس تصور کی نقل کی ہے۔ جو اس کے ذہن میں ہے لیکن یہ تصور اس کے ذہن میں خالق باری نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ پلنگ کا خالق بڑھئی نہیں بلکہ خالق باری ہے۔ بڑھئی نے تو اپنے تصور کی تصویر اتاری ہے۔ بڑھئی کی کوشش حقیقت سے تین منزلیں دور ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

> **You can call him the imitator in the third generation from Nature.**
>
> **(Republic)**

افلاطون آگے چل کر کہتا ہے کہ خدا نے زمین کی تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ انسان اگر چاہے تو ان تمام چیزوں کو خود بھی بنا سکتا ہے۔ ایک بڑا آئینہ لے کر چاروں طرف گھمائے تو ان تمام چیزوں کا عکس اس آئینے میں مقید کر سکتا ہے لیکن یہ بھی نقل کی نقل ہوگی اس کا بھی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ المیہ نگاروں اور شاعروں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ ان انسانی جذبات کی نقل کرتے ہیں جو خالق باری نے ان کے ذہن میں قائم کیے ہیں۔ اس طرح ان کی شاعری حقیقی سچائی (Great King-Trouth) کی نقل بن کر قاری تک پہنچتی ہے۔

افلاطون ہومر (Homer) پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر ہومر (Homer) نقالی کی بجائے لوگوں کو مہذب بنانے کی کوشش کرتا۔ شہریوں کے اندر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرتا۔ نیکی سچائی اور خیر کی قوت بیدار کرتا تو اسے اپنی شاعری سنانے کے لیے شہر شہر نہ جانا پڑتا لوگ اسے ایک شہر سے دوسری جگہ نہ جانے دیتے۔ لیکن اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا صرف تیسرے درجے کی نقالی کی ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

افلاطون ہومر (Homer) سے اوپر تلے کئی سوال کرتا ہے کہ کون سے شہر کا انتظام تمہارے دیئے ہوئے اصولوں سے چلتا ہے۔ کونسی ریاست نے تمہیں قانون ساز شخصیت کا خطاب دیا ہے۔ افلاطون دراصل یہاں بالکل افادی حوالے سے بات کرتا ہے۔ اس کا نظریہ ہے کہ شاعری سے تو بیماری کا علاج تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ ماہر طب (Asclepios) اس کے شاگردوں کو ہومر (Homer) سے زیادہ مفید قرار دیتا ہے۔ جنھوں نے ہزاروں مریضوں کو مہلک بیماریوں سے نجات دلائی ہے۔ اپنے مکالمے ایان (Ion) میں افلاطون نے شاعری کو الہامی تحریک قرار دیا ہے۔ جو شاعر کے اندر پیدا ہو تو وہ شعر کہتا ہے۔ کوئی شاعر اس کے بغیر شعر نہیں کہہ سکتا۔ کوئی تکنیک یا محنت کسی شخص کو شاعر نہیں بنا سکتی۔ خدا جس کو چاہتا ہے اس میں یہ قوت پیدا کر کے شاعر بنا دیتا ہے۔

> **All the good poets who make epic poems use no art but they are inspired and possessed when they utter all these beautiful poems.**
>
> **(Ion)**
>
> **(Great Dialogues of plato)**

بقول افلاطون ایک اچھا شاعر ایک عظیم داخلی قوت کے زور پر شعر کہتا ہے۔ شاعری کی دیوی جب کسی شخص پر مہربان ہوتی ہے تو اس میں یہ طاقت پیدا کر دیتی ہے وہ حواس باختہ اور مسحور ہو جاتا ہے کراہتا ہے۔ بلکہ ان کے ذریعے وہ انسانوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور بات ہم تک پہنچاتا ہے۔ اس حوالے سے اچھے شاعر دراصل خدا کے ترجمان ہوتے ہیں۔

> **God himself is the speaker, and through them he shows his meaning to us.**
>
> **(Ion)**

اس مکالمے میں افلاطون سقراط اور ایان (Ion) کی گفتگو سے اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ الہامی طاقت شاعر کو شعر کہنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ حواس باختہ ہو کر شعر کہتا ہے لوگ جب شعر سنتے ہیں تو وہ بھی حواس باختہ ہو کر شعرا کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ افلاطون کا کہنا ہے کہ یہ طاقت دراصل ایک مقناطیس ہے۔ شاعر، شعر سنانے والا اور شعر سننے والا۔ تین لوہے کے چھلے ہیں جو اس مقناطیس کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ افلاطون کے نزدیک پہلا چھلا شاعر ہے جو الہامی طاقت

(مقناطیس) کی طرف کھینچتا ہے اور شعر کہتا ہے۔ دوسرے چھلا اداکار یا مقرر ہے جو شاعر کے شعروں کو اسٹیج پر پیش کرتا ہے اور اسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جو شعر کہتے وقت شاعر پر طاری تھی اور تیسرا چھلا سامعین ہیں جو اداکار سے شعر سن کر مقناطیس کی طرف کھنچتے ہیں۔ اصل میں یہ تینوں چھلے ایک ہی جگہ سے طاقت حاصل کرتے ہیں اور یہ الہامی قوت ہے۔

اپنے مقالے فیڈوس (Pahedos) میں افلاطون اس بات کو ذرا مختلف انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جس طرح ایک شخص مختلف دوائیوں کے نام یاد کر لینے سے حکیم نہیں بن سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص اہم اور معمولی موضوعات پر تقریر رٹ لینے سے نہ مقرر بن سکتا ہے اور نہ ہی المیہ نگار۔ شعوری کیفیت کو کسی حد تک اس میں دخل ہے۔ لیکن فن کمال حاصل کرنے کے لیے الہامی قوت اور الہامی تحریک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر فطری صلاحیت موجود ہے اور یہ جوہر خدا نے اسے ودیعت کیا ہے۔ تب وہ شخص شاعر اور مقرر بن سکتا ہے۔ صرف عناصر کی ترکیب اور الفاظ کی ترتیب سے فنی کمال حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔ وہ شعر تو کہہ لے گا لیکن اس میں مقناطیسی طاقت کا فقدان ہوگا۔ جو سامعین کے چھلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

افلاطون نے اپنے مکالمے جار جس میں سقراط (Socrates) کے ذریعے یہ بات کی ہے کہ جو فن خوشامد کی سطح پر اتر آئے وہ گھٹیا فن کی ذیل میں آ جاتا ہے۔ وہ المیہ شاعری کو بھی خوشامد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ المیہ نگار اپنی فصاحت اور اسلوب بیان سے مردوں، عورتوں، بچوں اور شہریوں سے خطاب کرتا ہے اور تفریح کا سامان مہیا کرتا ہے۔ یہ سراسر خوشامدار انداز ہے۔ مقرروں اور خطیبوں کے بارے میں بھی افلاطون کی یہی رائے ہے جو اسمبلیوں اور جلسوں میں جھوٹ، زور بیان اور خوشامد سے لوگوں کے دلوں میں اشتعال پیدا کرتے ہیں لیکن افلاطون دوسری قسم کی شاعری اور خطابت کے حق میں ہے۔ اس کے نزدیک سچا شاعر اور خطیب وہی ہے جو شہریوں کے دلوں میں سچائی، اعتدال پسندی، انصاف اور روحانی اقدار کو اجاگر کرے۔ افلاطون کے خیال میں ریاست میں صرف ان شاعروں کو رہنے کی اجازت ہے جو خوشامدانہ اسلوب اختیار نہ کریں بلکہ خیر اور انصاف کے فروغ میں مددگار ثابت ہوں۔ افلاطون کا خیال ہے کہ جب کوئی حکیم کسی بیماری کا علاج کرتا ہے تو کھانے پینے کی

کچھ چیزوں پر پابندیاں بھی عائد کر دیتا ہے تا کہ اس کی صحت برقرار رہ سکے۔ افلاطون روح کو بیماری سے بچانے کے لیے شاعر پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اس کے نزدیک روح کے تزکیہ اور اعتدال کے لئے قطعی آزادی اور بے اعتدالی بے حد مضر ہے۔

افلاطون کے نزدیک ادب اور شاعری کا مقصد سچائی، اخلاقی اور روحانی مسرت کا فروغ ہے جس شعر کو پڑھ کر لرزہ طاری ہو۔ آنکھوں میں مایوسی کی نمی چمکے افلاطون اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ مثلاً عالم ارواح (Hades) میں روحوں کا عذاب میں مبتلا ہونا قریب المرگ شخص کے کرب کی تصویر کشی افلاطون کو قطعی طور پر پسند نہیں۔ ریاست (Repubiljc) کی جلد نمبر 3 کے شروع میں اس نے ہومر (Homer) کی ایلیڈ (Iliad) سے ایسے ہی کچھ حصے نکال کر انھیں تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اکلیز (Achillies) کی موت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ہومر (Homer) نے یہ سطریں لکھی تھیں۔

Laying now on his side, now on his back, now flat on his face.

افلاطون اکلیز (Achillies) کے تڑپنے کے اس منظر میں اعتراض کرتا ہے کہ المیہ نگاروں کو قومی ہیرو کو اس طرح عوام کے سامنے نہیں پیش کرنا چاہیے۔ وہ نہ صرف دہشت ناک مناظر کے خلاف ہے بلکہ ایسے ناموں کو بھی پسند نہیں کرتا جو اعصاب اور سوچ پر گراں گزریں۔ ''پچھتاوے کا دریا''۔ ''نفرت کا سمندر''۔ ''لاشوں کا میدان'' قسم کے عنوانات قائم کرنے پر وہ کڑی تنقید کرتا ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ ایسے مناظر اور عنوانات قائم کرنے سے ریاست کے شہری اشتعال کا شکار ہوں گے ان کی روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح میں یہ چیزیں قطعی طور پر مددگار ثابت نہیں ہوں گی۔

شاعر اور المیہ نگار اپنے موضوعات ماضی حال اور مستقبل سے لیتا ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ اسے ان میں سے کسی ایک زمانے کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اس کا کہنا ہے کہ

نقالی۔ (Imitation)

بیانیہ۔ (Naration)

غنائیہ۔ (Dithyramb)

تین پیرائیہ بیان ہیں۔جن میں شاعر طبع آزمائی کرسکتا ہے۔ایک شاعر ہر فن مولا نہیں ہوتا کہ تینوں میں کمال حاصل کر سکے چنانچہ اسے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا جہاں تک نقالی (Imitation) کا تعلق ہے شاعر کو چاہیے کہ اس اظہار بیان سے پرہیز کرے۔اگر ضروری ہو تو ایسے لوگوں کی نقالی کرے جن کے کارنامے اور کردار روح میں پاکیزگی اور اعتدال پیدا کریں۔برے آدمی کی نقالی پیش نہ کرے کیونکہ اس سے سوسائٹی اور لوگوں پر برا اثر پڑے گا۔

ارسطو

ایتھنز Athens سے 2 سو میل جنوب کی طرف سفر کریں تو سٹاگیریا Stagiria کا چھوٹا سا شہر آتا ہے یہی شہر دنیا کے سب سے بڑے فلسفی ارسطو (Aristotle) کی جائے پیدائش ہے۔ ارسطو کا سن پیدائش 284 ق م ہے۔اس کا باپ مقدونیہ کے بادشاہ (سکندر اعظم کے دادا) کا طبی مشیر تھا۔ چنانچہ ارسطو کی ابتدائی تربیت دوائیوں کی ملی جلی خوشبوؤں میں ہوئی اور سائنسی تحقیق کی طرف اس کی رغبت بڑھنے لگی۔ ارسطو کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک کہانی کے مطابق وہ نوجوانی ہی میں اس فوج میں شامل ہو گیا تھا جس نے ملک میں پڑنے والے قحط کے خلاف بغاوت کر دی تھی کچھ عرصہ شہر شہر پھرتا رہا پھر سٹاگیریا(Stagiria) واپس آیا تو ادویات میں تجربات کرنے لگا اور پھر 30 سال کی عمر میں فلسفہ پڑھنے افلاطون کے پاس ایتھنز(Athens) چلا گیا لیکن ایک حوالہ اس کہانی کو رد کرتا ہے اور 17 سال کی عمر میں اسے افلاطون کی شاگردی میں دے دیتا ہے۔

ارسطو 8 یا 20 سال تک افلاطون کی شاگردی میں رہا اور فلسفہ سے اپنی پیاس بجھائی۔ افلاطون نے بھی ابتدا ہی میں ارسطو کی ذات میں بڑے فلسفی کی نشاندہی کر دی اور اسے اپنی اکیڈمی کا اصل زر قرار دے دیا۔ ارسطو کو علم حاصل کرنے کا شوق پاگل پن کی حد تک تھا۔ کہتے ہیں کہ یوری پیڈیز(Euripides) کے بعد وہ پہلا آدمی تھا جس نے اپنی ذاتی لائبریری میں کتابوں کا وسیع ذخیرہ اکٹھا کیا۔ شاید اسی وجہ سے افلاطون ارسطو کے گھر کو(The House of Reader) کے نام سے یاد کرتا تھا لیکن کچھ عرصے کے بعد افلاطون اور ارسطو کے درمیان بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں ارسطو کا کہا ہوا یہ فقرہ کہ "افلاطون مر گیا تو فلسفہ مر نہیں جائے گا"، افلاطون تک پہنچا تو اسے بہت افسوس ہوا لیکن مسکرا کر کہنے لگا کہ بچھڑا ماں کا سارا دودھ پی کر اسے دولتیاں مار رہا ہے۔

افلاطون سے الگ ہو کر اس نے خطابت کا ایک سکول کھول لیا جسے چلانے میں اس کے ایک شاگرد نے بہت مدد کی اس کا نام ہرمیاس (Hermias) تھا بعد میں وہ شہری ریاست (Atarneus) کا عہدیدار بنا تو ارسطو کو اپنے پاس بلا لیا اور پرانے علمی احسانات کے صلے میں اپنی چھوٹی بہن تحفہ میں ارسطو کو دے دی جس کے ساتھ ارسطو نے بڑی خوشگوار زندگی گزاری۔ 342 ق م میں ارسطو سکندر اعظم کا اتالیق مقرر ہوا اور اس طرح ارسطو کا ایتھنز کی سیاسی زندگی میں بھی عمل دخل شروع ہو گیا۔ سکندر تخت نشین ہوا تو ارسطو کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ لیکن ایتھنز (Athens) کے لوگ آزادی چاہتے تھے اور وہ گاہے بگاہے سکندر اور اس کی حکومتی پارٹی کے خلاف تقریروں سے احتجاج کرتے رہتے تھے کیونکہ ارسطو اس پارٹی کا سرگرم رکن اور سکندر کا چہیتا تھا اس لیے وہ ارسطو کے بھی خلاف تھے۔ یہ مخالفت اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب سکندر نے ارسطو کا مجسمہ شہر کے چوک میں نصب کرا دیا۔ مشہور زمانہ خطیب ڈیماستھنز (Demosthens) نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور گلی گلی مخالفت پھیل گئی۔ سکندر ایشیا فتح کرنے نکلا تو اس میں اور اضافہ ہوا۔ سکندر مر گیا تو ایتھنز (Athens) کے لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور حکومتی پارٹی کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ اس لپیٹ میں ارسطو بھی آ گیا۔ ایتھنز (Athens) کے پروہت نے ارسطو کے خلاف موت کا فتویٰ دے دیا۔ بقول پروہت (Eurymedon) ارسطو عبادات اور مذہبی قربانیوں کو بے فائدہ اور فضول قرار دیتا تھا۔ ارسطو ایتھنز (Athens) سے بھاگ کر (Chalcis) چلا گیا اور شدید بیمار ہو گیا۔ دن بدن بیماری بڑھتی گئی۔ آخر 322 ق م میں وفات پا گیا۔

ارسطو نے اپنے عہد کے ہر مروجہ علم پر طبع آزمائی کی۔ ارسطو کے 47 رسالے یا کتابیں دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ تاریخ دان اس کی کتابوں کی کل تعداد 170 بتلاتے ہیں۔ ارسطو نے مابعد الطبیعات، کیمیا، علم نجوم، زیالوجی، بیالوجی، فزکس، جغرافیہ، سیاسیات، تاریخ، اخلاقیات، فلسفہ، نفسیات، خطات، فصاحت، شاعری، تنقید، تاریخ، ریاضی وغیرہ پر کتابیں لکھی ہیں اور اس کے نظریات تھوڑی بہت ترمیم کے بعد اب تک جدید علوم میں شامل ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں ارسطو کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ دنیا کے علوم میں اس کے نظریات ضرب المثال بن کر زندہ ہیں۔

تنقید شعر پر اس کی کتاب بوطیقا (Poetics) پر گفتگو اس مضمون کا مقصد ہے۔ چنانچہ میں بوطیقا (Poetics) کے بارے میں چند گزارشات پیش کروں گا۔

ارسطو کا تنقید شعر پر لکھا ہوا مقالہ (Concerning the Art of Poetry) جو بوطیقا (Poetics) کے نام سے زیادہ مقبول ہے۔ کتابی صورت میں نہیں لکھا گیا۔ خیال ہے کہ یا تو ارسطو نے یہ نوٹس اپنے طالب علموں کی رہنمائی کے لئے لکھے تھے یا کسی طالب علم نے لیکچر کے دوران انہیں لکھ لیا تھا۔ ارسطو کی دوسری تحریروں کے مقابلے میں بوطیقا (Poetics) کا اسلوب تشنہ اور نامکمل نظر آتا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب نقادوں کے نزدیک طویل بحث کا سبب رہی ہے۔ ان سب نے یہی نتیجہ نکالا کہ کتاب پڑھتے ہوئے تشنگی محسوس ہوتی ہے کچھ باتوں کا سرسری ذکر کیا ہے اور پھر انہیں نامکمل چھوڑ دیا ہے فصاحت (Rhetoric) اور سیاسیات (Politics) کے مقابلے میں بوطیقا (Poetics) کا اسلوب اکھڑا اکھڑا سا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ارسطو نے اسے کتابی صورت میں نہیں لکھا بلکہ طالب علموں کی رہنمائی کے لیے لکھے گئے نوٹس کو اکٹھا کر کے کتاب بنا دی ہے لیکن اس خامی کے باوجود بوطیقا (Poetics) فلسفیانہ انداز میں لکھی گئی پہلی مکمل تنقیدی کتاب ہے جس میں ادب و شعر کے بنیادی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب ادبی تنقید کا ایک مکمل نصاب ہے جس میں ارسطو شاعری کے طالب علموں کو ڈرامائی شاعری کے بارے میں ہدایات دیتا ہے۔ شاعری کی تعریف، ابتدا، اقسام اور اس کی ارتقائی صورتحال پر بات چیت کرتا ہے۔ شعری ڈرامے کی تشکیل میں ضروری عناصر کی نشان دہی کرتا ہے اور شاعری پر کیے گئے نقادوں کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

بوطیقا (Poetics) کو نقادوں نے افلاطون کے تنقیدی نظریات کا جواب نامہ کہا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے مثلاً

1- افلاطون شاعری کو نقل کی نقل کہتا ہے اور مثال دے کر وضاحت کرتا ہے کہ یہ عظیم سچائی (Greater Truth) سے تین منزلیں دور ہے لیکن ارسطو اسے ایسی نقالی قرار دیتا ہے جس میں آفاقی سچائی موجود ہے۔ شاعری کا طریق کار تاریخ سے زیادہ قابل قدر ہے۔

تاریخ کا مقصد صرف حقائق بیان کرنا ہے جبکہ شاعری حقائق کی انتہائی صورت کو بیان میں لاتی ہے۔

2- افلاطون کا خیال ہے کہ شاعری کی قدر و قیمت کا اندازہ اس مسرت سے نہیں لگانا چاہیے جو کسی فن پارے کو پڑھ کر حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سچائی سے لگانا چاہئے جو نقالی پیش کرتی ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ چیز کی مکمل نقالی ہی اصل مسرت ہے۔

3- افلاطون اس چیز پر زور دیتا ہے کہ مسرت کا انحصار اشیاء کے حسن میں نہیں بلکہ صحت نقل پر ہے۔

4- افلاطون کا شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعری جذبات میں اشتعال پیدا کرتی ہے چنانچہ اسے قید اعتدال میں رہنا چاہئے۔ ارسطو کا دعویٰ یہ ہے کہ شاعری جذبات کی تطہیر اور تزکیہ کرتی ہے اور جذبات کی شدت میں کمی پیدا کرتی ہے۔

لیکن ارسطو کا مقصد بوطیقا (Politics) لکھنے سے صرف یہی نہیں تھا۔ وہ باقاعدہ ادبی تنقید کے اصولوں کا ایک (SET) مرتب کر رہا تھا۔ یہ کام اس نے اپنے عہد کی ادبی روایات کو سامنے رکھ کر کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعد میں آنے والے نقادوں نے ان میں سے کچھ اصولوں سے اختلاف کیا لیکن اس نظریاتی اختلاف کے باوجود ارسطو اور بوطیقا (Poetics) کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آج بھی ارسطو کے تنقیدی نظریات کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تنقید کا طالب علم آج بھی ہر عہد کی عظیم تنقیدی کتاب بوطیقا (Poetics) سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

ارسطو بوطیقا (Poetics) کے شروع ہی میں اپنے کام کے دائرہ کار کا اعلان کر دیتا ہے۔ پہلے تین ابواب میں وہ نقالی اور نقالی کے ذرائع پر بحث کرتا ہے۔ اگلے دو ابواب میں اس نے شاعری کے آغاز، اقسام، المیہ (Tragedy) رزمیہ (Epic) اور طربیہ (Comedy) کے فرق اور ارتقاء پر بات چیت کی ہے۔ باب نمبر 6 میں ارسطو اپنے اہم موضوع المیہ پر بحث کرتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے المیہ (Tragedy) کی نوعیت اور اصل پر گفتگو کی ہے۔ پھر اس کے عناصر یعنی پلاٹ (Plot) کردار (Character) اور آرائش (Spec Ticale) پر اظہار کیا ہے اگلے باب میں

پلاٹ پر روشنی ڈالی ہے کہ اسے مکمل ہونا چاہیے یعنی اس میں ابتدائی درمیانی اور آخری حصہ موجود ہو۔ باب نمبر 8 میں وحدت عمل اور باب نمبر 9 میں شاعری اور تاریخ کا فرق واضح کیا ہے۔ سادہ اور پیچیدہ پلاٹ کے موضوع پر بات کی ہے پھر المیہ کے مختلف حصوں کا بیان کیا ہے۔ باب نمبر 13 اور 14 میں رحم اور دہشت کے عناصر پر گفتگو کی ہے اگلے دو ابواب میں کردار پر بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ پلاٹ کے مقابلے میں کرداروں کی اہمیت کیوں کم ہے۔ باب نمبر 16 میں انکشافات اور اگلے دو ابواب میں المیہ نگاروں کے لیے کچھ ہدایات اور اصول تحریر کئے ہیں۔ باب نمبر 19 میں زبان و اسلوب اور تاثیر کی بات کی ہے۔ باب نمبر 22، 21، 20 زبان کے استعمال کی اہمیت اور استعارے پر بحث کی ہے۔ آخری چار ابواب میں رزمیہ (Epic) شاعری کے مواد، پلاٹ اور ڈھانچے پر بحث کی ہے اور تجزیہ کیا ہے۔ المیہ (Tragedy) اور رزمیہ (Epic) کا موازنہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ المیہ (Tragedy) ہر صورت میں رزمیہ (Epic) سے بہتر اور اعلیٰ قسم کی شاعری ہے۔
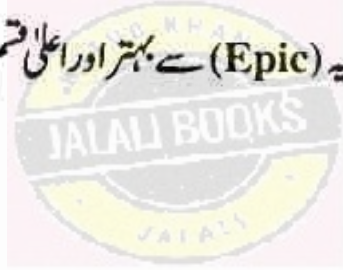
بوطیقا

(POETICS)

پہلا حصہ

اس حصے میں ارسطو نے نقل (Imitation) نقل کے ذرائع، نقل کے موضوعات، شاعری کی ابتداء، المیہ (Tragedy) اور طربیہ (Comedy) پر گفتگو کی ہے۔ ارسطو تمام فنون لطیفہ کو نقل قرار دیتا ہے لیکن افلاطون کی طرح نقل کی نقل نہیں کہتا۔ رزمیہ (Epic) طربیہ (Comedy) غنائیہ شاعری نقالی ہے۔ بانسری اور سرود کی موسیقی بھی اس ضمن میں آتی ہے لیکن نقالی کے لیے مختلف ذرائع اور طریقہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

1- موزونیت Rythm

2- الفاظ Language

3- نغمہ Music (Songs)

ارسطو نے نقالی کے یہ تین ذرائع بتلائے ہیں جو مل کر نقالی کا کام کرتے ہیں مثلاً رقص کے لیے صرف موزونیت مقدم ہے۔ بانسری یا سرود کے لیے نغمہ اور شاعری کے لیے الفاظ۔ لیکن شاعری میں بعض اوقات ان تینوں ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے۔

نقل کا موضوع انسانی اعمال وافعال ہیں جو انسان کے اندر چھپی اچھائی یا برائی سے مرتب ہوتے ہیں۔ ارسطو کہتا ہے کہ نقالی کرتے ہوئے تین باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

1- انسان کو ایسا دکھایا جائے جیسا کہ وہ ہیں۔

2- انسانوں کو اصلی حالت سے بہتر صورت میں پیش کیا جائے۔

3- انسانوں کو اصل حالت سے بدتر صورت میں پیش کیا جائے۔

مثال کے طور پر مصور پولی گناٹس (Poly Gnotus) انسانوں کو اصلی صورت سے بہتر بنا کر پیش کرتا ہے۔ پانسون (Panson) کی تصویریں اصل حالت سے بدتر اور کلیوفون (Cleophon) انسانوں کی ایسی تصویر کشی کرتا ہے جیسے کہ وہ ہیں۔ ارسطو المیہ (Tragedy) اورطربیہ (Comedy) میں یہی فرق بتاتا ہے۔المیہ (Tragedy) میں انسانوں کو بہتر بنا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ طربیہ (Comedy) میں انسانوں کی بدتر حالت کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

ارسطو کہتا ہے کہ نقالی کے لیے ایک تو طریقہ یہ ہے کہ الفاظ اور بیان کے ذریعے کسی چیز کی نقل کی دی جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ بیتی کو متکلم صورت میں پیش کر دیا جائے یا کرداروں کا چربہ پیش کر دیا جائے اور پھر انہیں حقیقی بنا کر داستان میں سرگرم عمل رکھا جائے۔ ہومر (Homer) اورمشہور المیہ نگار سوفیکلیز (Sophocles) نے ایسا ہی کیا۔ اپنے کردار اعلیٰ اور اونچے خاندانوں سے لیے اور انہیں عمل کے میدان میں ڈال دیا۔

شاعری کی ابتداء کے بارے میں ارسطو نے دو اسباب بتلائے ہیں۔ وہ کہتا ہے نقل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہی بات اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ انسان نقل کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔ انسانی فن پاروں کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصویر جتنی محنت اور کامیابی سے بنائی گئی ہوگی اسے دیکھ کر ہم اتنا ہی خوش ہوں گے۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ عام زندگی میں جن چیزوں کو ہم دیکھنا بھی نہیں چاہتے ان کی تصویریں دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی لاش کی تصویر یا کسی مکروہ جانور کی تصویر، چنانچہ نقل کرنا اور اچھی نقل کو دیکھنا انسان کی فطرت ہے۔ دوسرا سبب وہ یہ بتاتا ہے کہ نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ترنم اور موزونیت کا احساس بھی فطری طور پر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے چنانچہ وہ لوگ جن کے اندر یہ احساس شدت کے ساتھ موجود تھا انہوں نے اظہار کی صورت نکال لی۔ اگرچہ یہ شاعری کی ابتدائی شکل تھی اور اس میں خامیاں موجود تھیں مگر اس طرح شاعری کا آغاز ہوگیا۔

ارسطو شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ شعراء جو روحانی طاقت رکھتے تھے سنجیدہ مزاج تھے انہوں نے اعلیٰ کرداروں کے کمالات کو اپنا موضوع بنایا لیکن وہ شعراء جو سنجیدہ نہ تھے انہوں نے انسانوں کے کمینہ پن اور نفرت انگیز پہلوؤں کو اجاگر کیا اور ہجو یہ

شاعری کی۔ سنجیدہ شعراء نے بھجن، حمد اور قصیدے لکھے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ ہومر (Homer) سے پہلے ہجویہ شاعری نہیں کی جاتی تھی لیکن ہومر (Homer) کے عہد کے شاعروں نے اس کا آغاز کیا اور آئمبی (Iambi) میں شعر کہے۔ ارسطو المیہ (Tragedy) اور طربیہ (Comedy) دونوں کا سہرا ہومر (Homer) کے سر باندھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہومر کی شاعری میں ڈرامائی انداز بھی موجود ہے۔ ارسطو ہومر کی تصنیف (Margites) کو طربیہ (Comedy) کے ساتھ وہی تعلق ہے جو ایلیڈ (Iliad) اور اوڈیسی (Odyssey) کا المیہ (Tragedy) کے ساتھ ہے۔ آہستہ آہستہ ہجویہ شاعری ترقی کر کے طربیہ (Comedy) بن گئی اور رزمیہ (Epic) نے المیہ (Tragedy) کی شکل اختیار کر لی۔

المیہ شاعری (Tragedy)

ارسطو کا خیال ہے کہ المیہ (Tragedy) کی موجودہ صورت بڑی تبدیلیوں کے بعد سامنے آئی ہے۔ المیہ شاعری کا آغاز بھجن اور حمد سے ہوا......اور طربیہ شاعری کا آغاز فحش اور شہوانی گیتوں سے۔ المیہ نگار اسکائی لس (Aeschylus) نے سنگت کم کر کے مکالمے کو المیہ کا خاص جز قرار دے دیا اور ایک کردار کا اضافہ کر دیا۔

سوفیکلیز (Sophocles) نے کرداروں کی تعداد تین کر دی اور اسٹیج کی آرائش میں اضافہ کر دیا۔ آہستہ آہستہ غیر سنجیدہ زبان ختم کر دی گئی اور مکالمے اور واقعات کی بدولت اسے موجودہ عظمت ملی۔

طربیہ شاعری (Comedy)

اس شاعری کا آغاز شہوانی گیتوں سے ہوا۔ برے کرداروں کی بدنیتی اور گناہوں کا چربہ پیش کیا گیا لیکن ان کی یہ کمزوریاں دیکھنے والوں کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنتی تھیں بلکہ بدصورت اور بدہیئت کردار کا چہرہ دیکھ کر لوگوں کے لیے ہنسی کا سامان فراہم ہو جاتا تھا۔ ارسطو کا خیال ہے کہ طربیہ نگار عرصہ دراز تک گمنامی میں رہے۔ اس لیے کہ شہری حکام نے شہروں میں طربیہ ڈراموں پر

پابندی لگا دی تھی لیکن جب حکام نے اجازت دے دی تو لکھنے والے لوگوں کے سامنے آ گئے اور لوگ ان کے ناموں سے واقف ہو گئے۔ ارسطو نے سسلی کے دو شاعروں اپی کارمس **(Epicarmus)** اور فارمس (Phormus) کو طربیہ کا موجد قرار دیا ہے۔ کریٹیز (Crates) کو وہ پہلا یونانی طربیہ نگار قرار دیتا ہے۔

رزمیہ شاعری (Epic)

رزمیہ میں اعلیٰ کرداروں کے حالات و واقعات اور اعلیٰ کارناموں کو شاعری میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بات المیہ (Tragedy) اور رزمیہ (Epic) میں مشترک ہے۔ لیکن رزمیہ میں بیانیہ انداز زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ المیہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا عمل طلوع آفتاب تک ہو لیکن رزمیہ کے لیے یہ ضروری نہیں!

المیہ میں رزمیہ کے اکثر عناصر پائے جاتے ہیں لیکن رزمیہ میں المیہ کے عناصر کا پایا جانا ضروری نہیں۔

دوسرا حصہ

المیہ (Tragedy)

اس حصے میں ارسطو نے المیہ اور اس کے عناصر پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ارسطو کے نزدیک المیہ مسدس (Haxometer) میں لکھی جاتی ہے۔ ارسطو نے المیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"المیہ کسی ایسے عمل کی نقالی ہے۔ جو سنجیدہ ہو اور مکمل ہو۔ یہ عمل ایک عظمت اور طوالت رکھتا ہو اور ایسی اعلیٰ زبان سے آراستہ ہو جس سے مسرت کا سامان میسر آ سکے۔ مختلف عناصر میں مختلف ذریعوں سے سامعین کے اندر دردمندی اور دہشت کے جذبات ابھار کے ان کی اصلاح اور تزکیہ کیا جا سکے۔"

مسرت دینے والی زبان سے ارسطو کی مراد ایسی زبان ہے جس میں موسیقی اور موزونیت ہو اور اس میں کبھی تقطیع اور کبھی موسیقی سے کام لیا جائے۔

2- ارسطو المیہ کو انسانی افعال کی نقل قرار دیتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ابھرنے والے کرداروں کے جذبات، مزاج کا خیال رکھا جائے عادات و اطوار پر گہری نظر رکھی جائے کیونکہ انہی چیزوں کا انسانی اعمال پر اثر ہوتا ہے اور یہی انسانوں کی خوشی اور غم کا باعث بنتے ہیں۔ ارسطو نے المیہ (Tragedy) کے لیے چھ اجزائے ترکیبی ضروری قرار دیے ہیں۔

1- پلاٹ Plot
2- کردار Character
3- زبان Diction
4- تاثرات Thought
5- آرائش Spectacle
6- نغمہ Music

-3 الیہ (Tragedy) کے ان چھ اجزائے ترکیبی میں سب سے اہم ارسطو پلاٹ (Plot) کو قرار دیتا ہے کیونکہ الیہ کسی انسان کی نقالی نہیں بلکہ انسان کے عمل خوشی اور غم کے واقعات کی نقل ہے۔ چنانچہ ارسطو پلاٹ اور عمل کو الیہ کا اہم ترین عنصر قرار دیتا ہے۔ ارسطو نے کچھ الیہ نگاروں کے ہاں کرداروں کی بھرمار کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کے ہاں پلاٹ کا فقدان ہے جو بہت بڑا نقص ہے۔ الیہ میں پلاٹ کو اولیت حاصل ہے اور کردار کی حیثیت ثانوی ہے۔ (Thought) یعنی جذبات و تاثر سے مراد وہ خیالات اور جذبات و احساسات ہیں جو الیہ نگار مکالموں میں سموتا ہے۔ مکالمے کے ذریعے کرداروں کے مزاج اور رجحان کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی اس سے پلاٹ کو بہت تقویت ملتی ہے۔ زبان و ادب (Diction) کا استعمال جذبات نگاری اور کردار نگاری میں بہت مدد دیتا ہے نغمہ (Music) الیہ میں دلچسپی اور مسرت کو فزوں تر کرتا ہے۔ الیہ کا آخری عنصر آرائش (Spectacle) ہے جس کا تعلق اسٹیج کی آرائش اور سجاوٹ سے ہے۔ اس عنصر کو الیہ نگار کی بجائے کاریگر زیادہ اجاگر کرتے ہیں۔

-4 اس حصے میں ارسطو پلاٹ کی ترتیب پر بحث کرتا ہے اور ایک بار پھر الیہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ الیہ ایسے انسانی عمل کی نقالی ہے جو مکمل ہو اور خاص عظمت رکھتی ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے مکمل ہو لیکن اس میں عظمت نہ ہو۔ "مکمل" سے ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ الیہ پڑھنے والا یا یاد رکھنے والا داستان شروع ہونے سے پہلے کسی واقعہ کا تصور نہ کرے بعد میں آنے والے تمام واقعات موجود ہوں اور آخری حصے کے بعد کسی واقعہ کی ضرورت محسوس نہ کرے اور درمیانی حصے سے مراد ایسا مقام ہے جس سے پہلے واقعات رونما ہو چکے ہوں اور بعد میں واقعات آنے کی توقع ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الیہ نگار کہانی اور پلاٹ کے سلسلے میں آزاد نہیں۔ اسے چند پابندیوں کا پابند ہونا پڑے گا۔

ارسطو خوبصورتی کے لیے اعتدال اور تناسب کی شرط لازمی قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میدان ہو یا انسان یا کوئی شے، اگر اس کے اجزائے ترکیبی میں تناسب اور اعتدال ہو گا تو وہ حسین ہو گی۔ اس طرح کہانی داستان اور افسانے کے لیے بھی یہ شرط ضروری ہے۔ الیہ (Tragedy) کی

کہانی کے اجزائے ترکیبی میں تناسب اور اعتدال کو اس طرح مدنظر رکھا جائے کہ دیکھنے والا پوری کہانی ذہن نشین کر لے اور اسے کہانی سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ہیرو کی زندگی کے واقعات کو ترتیب اور تسلسل سے اس طرح بیان جائے کہ وہ غیر حقیقی نہ لگیں۔ المیہ کی طوالت کا تعلق ہیرو کی زندگی کے واقعات سے وابستہ ہے۔ اس کا تعلق اس تبدیلی سے بھی ہے جو مصیبت سے خوشی اور خوشی سے مصیبت کے واقعات تک پھیلی ہوئی ہے۔

-5 ارسطو کا کہنا ہے کہ پلاٹ کی وحدت صرف اس میں نہیں کہ المیہ کا عمل فرد واحد کی نقل کرتا ہے کیونکہ فرد واحد کی زندگی میں تو ایسے ہزاروں واقعات ہوتے ہیں جو بالکل غیر ضروری ہوتے ہیں۔

A plot does not possess unity, as some people suppose, merely because it is about one man. Many things, countless things indeed, may happen to one man, and some of them will not contribute to any kind of unity.

چنانچہ ارسطو ایسے شاعروں کو برا شاعر تصور کرتا ہے جو کسی آدمی کی زندگی کے سارے واقعات ایک ہی نظم یا ڈرامے میں بیان کر دیتے ہیں۔ کسی فرد کے سارے کارناموں کو ایک قصے میں نہیں جوڑا جا سکتا۔ ارسطو نے اس سلسلے میں ہومر کی بے حد تعریف کی ہے جس نے اپنی نظم اوڈی سی اور ایلیڈ میں صرف ضروری واقعات کو شامل قصہ کیا ہے غیر ضروری تفصیل اور واقعات کے بیان کو قصے سے حذف کر دیا ہے افسانے کا عمل دراصل واقعات کو ترتیب و تسلسل سے بیان کرنے کا نام ہے اگر ترتیب میں سے ایک چیز بھی کم کر دی جائے تو داستان کا پورا خاکہ بکھر جاتا ہے اور اگر کسی چیز کے نکالنے سے داستان میں کوئی فرق نہ پڑے تو نکالی جانے والی چیز جز کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی۔

-6 شاعر اور مورخ کا فرق واضح کرتے ہوئے ارسطو کہتا ہے کہ مورخ گزرے واقعات کو قلم بند کرتا ہے اور شاعر نہ صرف گزشتہ واقعات کو بیان کرتا ہے بلکہ وہ واقعات بھی بیان کرتا ہے جو ممکن ہو سکتے ہیں۔ مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس (herodotus) کی مثال دے کر ارسطو کہتا ہے کہ اگر اس کی تحریروں کو منظوم کر دیا جائے تو پھر بھی وہ تاریخ سے آگے نہ بڑھ سکیں گی۔ چنانچہ ارسطو شاعری اور تاریخ میں فرق واضح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تاریخ کے مقابلے میں شاعری زیادہ فلسفیانہ ہے۔ تاریخ

دان صرف جزئیات کو بیان کرتا ہے جبکہ شاعری آفاقی سچائیوں کے اظہار کا کام کرتی ہے تاریخ دان کی جزئیات سے ارسطو کی مراد ایک فرد واحد کی گزشتہ زمانے کی سرگرمیاں ہیں کہ اس کردار پر کیا گزری۔ مختلف حالات میں اس کا ردعمل کیا تھا۔

ارسطو المیہ نگار کے لیے تاریخی موضوع کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ المیہ میں بعض اوقات تاریخی نام استعمال کئے جاتے ہیں کیونکہ بعض اوقات واقعہ کو پر یقین بنانے کے لئے یہ ضروری ہے اس لئے کہ جو واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا اسے قابل یقین تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ارسطو نے مشہور شاعر اگاتھن کے ڈرامے پھول (Flower) کی مثال دے کر کہا کہ اس میں چند نام تاریخی تھے اور چند بالکل فرضی اور افسانوی لیکن اس کے باوجود یہ ڈرامہ دلچسپی سے بھرپور تھا۔ (لیکن ایک طربیہ (Comedy) نگار اس چیز کا پابند نہیں کہ وہ تاریخی نام رکھے۔ وہ اپنے کرداروں کو جو چاہے نام دے سکتا ہے)۔

اس حصے کے آخر میں ارسطو شاعر پر زور دیتا ہے کہ وہ پلاٹ کی طرف زیادہ توجہ دے۔ شاعر کا اصل فن یہ ہے کہ وہ نقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر وہ اپنے تخیل سے بھی کوئی کہانی بنالے جو خلاف فطرت نہ ہو تو بھی غیر مناسب نہیں۔

7- اصل قصے میں ضمنی قصوں کا بیان المیہ کے تسلسل اور ربط کو توڑ دیتا ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ یہ غلطی ان شاعروں نے کی جو مقابلوں کے لیے اپنے ڈرامے لکھتے تھے اور اداکاروں کی فرمائش پر اصل قصے میں غیر ضروری اور ضمنی قصوں کو شامل کر دیتے تھے المیہ کے پلاٹ اور عمل کو ان قصوں کی شمولیت کمزور بنا دیتی ہے۔

سامعین میں دہشت اور دردمندی کے جذبات پیدا کرنا المیہ نگار کا اہم وصف ہے اور یہ جذبات صرف ان واقعات سے ہی پیدا کئے جا سکتے ہیں جو غیر متوقع ہوں اور ان کے نتائج بھی غیر متوقع صورت میں ظاہر ہوں۔ ارسطو نے مثال دی ہے کہ ایک ڈرامے میں ایک آدمی کی موت کا سبب وہی مجسمہ بن جاتا ہے جو اس شخص کا تھا جسے اس نے قتل کیا تھا قاتل مقتول کے مجسمے کو دیکھ رہا تھا کہ مجسمہ گرا اور قاتل اس کے نیچے دب کر مر گیا۔ ڈرامے کو فطری اسی صورت میں رکھا جا سکتا ہے اگر

ایسے واقعات کو عمل میں پیش کیا جائے جو لازمی طور پر ایک منطقی نتیجہ رکھتے ہوں۔

-8 ارسطو نے المیہ کے پلاٹ کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔

-1 سادہ Simple

-2 پیچیدہ Complex

سادہ پلاٹ یا عمل وہ ہے جس کا انجام بغیر کسی انقلاب یا انکشاف کے ہو جائے۔ اس کے مقابلے میں پیچیدہ پلاٹ یا عمل وہ ہے جس کا انجام انقلاب یا انکشاف کا مرہون منت ہو۔

-9 Reversal یا انقلاب سے ارسطو کی مراد صورت حال کی اس تبدیلی سے ہے جو ہماری توقعات کے خلاف ہو جاتی ہے اور اس کے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہاں ارسطو نے ایڈی پس (Edipus) کی مثال دی ہے جس نے لاعلمی میں اپنے باپ کو قتل کر کے ماں سے شادی کر لی تھی اور اسی جرم کے سبب شہر پر عذاب آیا تھا عذاب اسی صورت میں دور ہو سکتا تھا اگر اس مجرم کو پیش کیا جائے جس نے ماں سے شادی کی۔ اس صورت حال میں قاصد آ کر ایڈی پس (Edipus) کو خوش کرنے کے لیے (یہ جانے بغیر کہ اصل مجرم بادشاہ خود ہے) اس کا نام پتہ بتلا دیتا ہے اس سے صورت حالات میں تبدیلی آتی ہے اور نتائج بھی ہماری توقعات کے خلاف نکلتے ہیں۔

انکشاف یا دریافت (Discovery) کے بارے میں ارسطو کہتا ہے:

A discovery is a change from ignorance to knowledge, and it leads either to love or hatred.

انکشاف یا دریافت سے مراد تبدیلی ہے جو لاعلمی کو علم سے بدل دیتی ہے اور ڈرامے میں شامل افراد کا انجام دوستی یا دشمنی، راحت یا مصیبت پر ختم ہوتا ہے مثلاً ایڈی پس (Oedipus) کی مثال میں یہی صورت حال ہے۔ وہ صورت حال سے لاعلم تھا۔ جب انکشاف ہوا تو لاعلمی نے علم کی جگہ لی اور صورت حال میں ایک ایسی تبدیلی آئی کہ اس کی خوشی مصیبت میں تبدیل ہو گئی۔ انکشاف اور انقلاب دونوں ڈرامے میں اچھے اور برے واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ حادثہ تیسرا عنصر ہے اس ضمن میں موت یا کسی تکلیف دہ منظر اور جسمانی اذیت کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

10- ٹریجیڈی یا المیہ کو تشکیل کے اعتبار سے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1- ابتدائی حصہ Prologue

(کورس کے ذریعہ کہانی کی موجودہ صورتحال بیان کی جاتی ہے)

2- واقعہ (Episode)

(دوگیتوں کے درمیان کا حصہ)

3- اکسوڈ Exode

(جس کے بعد گیت نہ ہوں)

4- سنگت یا کورس Chorus

علاوہ ازیں (Commos) ایک ایسا فریادی گیت ہے جو بعض ڈراموں میں اداکار اور سنگت میں شامل لوگ مل کر گاتے ہیں۔

11- المیہ کے لیے سادہ پلاٹ کے مقابلے میں ارسطو پیچیدہ Complex پلاٹ کو ترجیح دیتا ہے تاکہ خوف اور دردمندی کے جذبات کو ابھارا جاسکے۔

That should represent actions capable of awaking fear and pity.

ارسطو آگے چل کر ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے دہشت یا خوف اور دردمندی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے اگر کسی شریف آدمی کی زندگی میں خوش حالی سے بربادی کی طرف تبدیلی پیدا کی جائے تو اس سے سامعین کے دل میں نفرت پیدا ہو گی اور اگر کسی بدکردار کو بربادی سے خوشحالی کی طرف تبدیل ہوتے ہوئے دکھایا جائے تو یہ فنی اور اخلاقی طور پر اچھا نہیں سمجھا جائے گا اور سامعین اسے قبول نہیں کریں گے۔ دہشت اور دردمندی کے جذبات اسی صورت میں پیدا ہوں گے جب کسی شخص کو اس کے جرائم اور گناہوں سے زیادہ سزا دی جائے۔ ایسا کردار نہ انتہائی نیک اور شریف ہو گا نہ ہی انتہائی درجے کا کمینہ اور ذلیل۔ ارسطو کے نزدیک اچھا پلاٹ وہی ہے جس میں ایسے شخص کے عمل کی نقالی کی گئی ہو جو دانستہ طور پر کسی لغزش یا گناہ کا مرتکب نہ

ہو بلکہ انسانی کمزوری سے اس کی حالت میں تبدیلی واقع ہو۔ ایسے شخص کا اعلیٰ خاندان سے ہونا اور باکردار ہونا شرط ہے۔

12- ارسطو "اکہری" کہانی کو "دوہری" پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اچھا المیہ وہی ہے جس میں المیہ نگار ایک قصے کو فنکارانہ انداز سے پیش کرے۔

A well conceived plot will have a single interest, and not, as some say, a double.

ایسے پلاٹ میں کردار کو بربادی سے کو خوشحالی کی طرف تبدیل ہوتے نہیں دکھانا چاہئے بلکہ یہ تبدیلی خوشحالی سے بربادی کی طرف ہونا چاہئے۔ بقول ارسطو پہلے شاعر ہر اس کہانی کو موضوع بنا لیتے تھے جو ان کے ہاتھ آ جاتی تھی لیکن اب انہوں نے اعلیٰ خاندانوں کا انتخاب شروع کر دیا ہے مثلاً ایڈی پس (Edipus) اور سٹیز (Orestes) پر بعض نقاد اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے المیے بربادی پر ختم ہوتے ہیں۔ ارسطو اس انجام سے متفق ہے اور اسے اعلیٰ ترین المیہ نگار قرار دیتا ہے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ کچھ ایسے المیے بھی ہیں۔ جن کے آخر میں دو دشمن دوست بن کر اسٹیج سے چلے جاتے ہیں ان کے بارے میں ارسطو کہتا ہے۔

This is not the pleasure that is proper to tragedy. It belongs rather to comedy.

سنگت (Chorus) کو ارسطو کل کا ایک جز قرار دیتا ہے۔ سوفیکلیز (Sophocles) نے اسے بہت سلیقے سے استعمال کیا ہے اور پلاٹ کا ایک حصہ بنا کر پیش کیا ہے۔ ارسطو سنگت کو ٹریجیڈی کے نفس مضمون سے کوئی الگ چیز نہیں سمجھتا بلکہ ایک اہم حصہ قرار دیتا ہے۔

19- Thought سے ارسطو کی مراد تاثرات اور جذبات نگاری ہے۔ ارسطو اپنے رسالے (Art of Rhetoric) میں اس پر بحث کر چکا ہے۔ اثرات کا تعلق کرداروں کی تقریر اور گفتگو سے ہے جس سے وہ سامعین میں دہشت، غم اور دردمندی کے جذبات ابھارتے ہیں۔ یہ دراصل اس تقریر اور ڈرامائی گفتگو کا نتیجہ ہے جو مقرر یا اداکار اسٹیج پر پیش کرتا ہے۔ اداکار اور اس کی گفتگو میں ہم آہنگی بہت ضروری ہے ورنہ اداکار مقرر کا وجود بے معنی نظر آئے گا۔

Diction جو المیہ کا ایک عنصر ہے ارسطو اس میں گفتگو کرتے ہوئے اسے زبان و اسلوب کے لیے وہ موثر قرار دیتا ہے جو شاعر اس وقت استعمال میں لاتا ہے جب وہ کرداروں کو گفتگو کرتے ہوئے دکھاتا ہے ارسطو نے اسے دعا اور حکم، سوال و جواب، دھمکی اور سادہ تحریر کے فرق سے تعبیر کیا ہے۔

The difference between command and prayer, statement and threat, question and answer, and so forth.

ارسطو نے یہاں پروٹا گوراس (Protagoras) کا یک اعتراض نقل کیا ہے جو اس نے ہومر (Homer) کے ایک جملے پر کیا تھا جس میں ہومر (Homer) دیوی سے دعا مانگنے کی درخواست تحکمانہ لہجے میں کرتا ہے۔

Sing of the wrath, goddess.

پروٹا گوراس (Protagoras) ہومر (Homer) پر اعتراض کرتا ہے کہ اس نے دعا مانگی ہے مگر انداز تحکمانہ ہے۔ ارسطو کا موقف یہ ہے کہ ان باتوں کا جاننا یا نہ جاننا شاعر کے لئے اتنا ضروری نہیں۔

-20 زبان پر گفتگو کرتے ہوئے ارسطو نے اسم، فعل، حرف، رکن، ہجی اور گردانوں کو تعریف کی ہے اور مثالوں سے فرق واضح کیا ہے۔

الفاظ پر بحث کرتے ہوئے ارسطو نے انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ سادہ الفاظ سے مراد ایسے الفاظ ہیں جن کے الگ الگ حصے کوئی معنی نہیں دیتے۔ لیکن مرکب الفاظ کے الگ الگ حصے بھی با معنی ہوتے ہیں۔ عام الفاظ سے ارسطو کی مراد وہ الفاظ ہیں جنہیں عوام بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ اجنبی الفاظ وہ ہوتے ہیں ہو کسی دوسرے ملک میں رائج ہوں۔ ایک عام لفظ کسی دوسری قوم کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ تشبیہی الفاظ ان الفاظ کو کہتے ہیں جو دوسری جنس کے لیے یا تمثیلی انداز کے لئے استعمال ہوں تو ان کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً ارسطو نے اگاتھن کا جملہ حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔

''میرا جہاز یہاں کھڑا ہوا ہے''

سیفو کا کہنا ہے کہ "کھڑا ہونا" خالصتاً جنسی لفظ ہے لیکن یہاں لنگر انداز کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

"مریخ کا جام" کہہ کر ڈھال مراد لینا

دن کا بوڑھا کہہ کر شام مراد لینا

قسم کے الفاظ اسی ضمن میں آتے ہیں۔

جدید الفاظ (Coined Words) کی تعریف ارسطو نے یوں کی ہے۔

A coined word is a name which, being quite unknown among a people, is given by the poet himself.

یعنی ایسے الفاظ جو عوام کے لیے انجانے ہوتے ہیں اور شاعر انہیں خود ایجاد کرتا ہے اور آہستہ آہستہ عوام ان سے آشنا ہو جاتی ہے۔ توسیع یافتہ لفظ میں شاعر ایک آدھ رکن بڑھا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایک آدھ رکن کم کر دیتا ہے۔ یہ الفاظ مختلف الفاظ کہلاتے ہیں کچھ لفظ ایسے بھی ہیں جن کا آدھا حصہ شاعر تبدیل کر دیتا ہے انہیں تبدیل شدہ لفظ کہا جاتا ہے۔

-21 ارسطو صاف اور سلیس زبان اسے کہتا ہے جو عام فہم اور بول چال کی زبان ہو لیکن اس میں ابتذال اور سوقیانہ پن کا خطرہ ہے۔ شاعری کی زبان اعلیٰ فصیح توسیع یافتہ تشبیہی اور عام محاوراتی زبان سے مختلف ہوتی ہے لیکن اس میں خطرہ یہ ہے کہ اگر شاعر اس زبان میں شاعری کرے تو وہ معمہ بن جائے گی یا اسے مجذوب کی بڑ کہا جائے گا۔ چنانچہ ارسطو شاعری کے لئے عام فہم زبان کو ضروری قرار دیتا ہے لیکن وہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اجنبی، تشبیہی، توسیع یافتہ اور آرائشی الفاظ کے استعمال میں شاعر کو اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ یہ زبان اور اسلوب دونوں کے لئے مفید ہوگا۔ عام الفاظ سے سلامت پیدا ہوتی ہے۔ آرائشی، تشبیہی، توسیع یافتہ اور آرائشی الفاظ شاعرانہ لہجہ کو رفعت سے ہم کنار کریں گے۔ متروک غیر مستعمل، اجنبی الفاظ کے استعمال میں شاعر کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے اور ان کے استعمال میں بد سلیقگی کا نتیجہ بعض اوقات مضحکہ خیز صورت بھی پیدا کر سکتا ہے۔ تشبیہ اور استعارے کے استعمال کے سلسلے میں بھی ارسطو نے یہی احتیاط لازمی قرار دی ہے۔

تیسرا حصہ

رزمیہ شاعری (Epic Poetry)

''رزمیہ شاعری ایک بحر میں بیانیہ انداز میں کی گئی نقل ہے۔ جس میں پلاٹ کی ڈرامائی ترتیب المیہ کی طرح ہوتی ہے۔ پلاٹ کا موضوع مکمل ہوتا ہے اور اس کا آغاز درمیان اور انجام ہوتا ہے''۔

ارسطو رزمیہ کی تعریف کرنے کے بعد اسے تاریخ سے مختلف قرار دیتا ہے رزمیہ ایک واقعہ کے عمل کو بیان کرتا ہے جبکہ تاریخ ایک عہد کے ہزاروں واقعات پر روشنی ڈالتی ہے اور ان واقعات کا ایک دوسرے سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہوتا جبکہ رزمیہ میں پیش کئے گئے واقعات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ارسطو نے ان شعرا کو باصلاحیت قرار نہیں دیا جو سارے تاریخی مواد کو رزمیہ کا پلاٹ بنا لیتے ہیں اس سلسلے میں وہ ہومر (Homer) کو بے حد سراہتا ہے جس نے (Troy) کی جنگ کے سارے واقعات کو پلاٹ کا حصہ نہیں بنایا بلکہ صرف ایک واقعہ چنا جس میں آغاز، درمیان اور انجام موجود ہے۔ ہومر (Homer) کے مقابلے میں دوسرے کئی شعرا نے ایسا نہیں کیا سارے واقعات کو ایک رزمیہ میں سمونے کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ رزمیہ کی بھی المیہ کی طرح چار اقسام ہیں۔

1- سادہ......رزمیہ 2- پیچیدہ......رزمیہ
3- اخلاقی......رزمیہ 4- المناک......رزمیہ

رزمیہ (Epic) میں (موسیقی اور آرائش کو چھوڑ کر) وہی عناصر ترکیبی ہوتے ہیں جو المیہ (Tragedy) کے لئے ضروری ہیں۔ رزمیہ (Epic) کے لئے انقلابات اور دریافتیں ضروری ہیں۔ نیز اسے بھی المیہ (Tragedy) کی طرح مناسب تاثر اور جذبات اور زبان سے مزین ہونا چاہئے۔ ارسطو کی نظر میں ہومر (Homer) اعلیٰ ترین رزمیہ نگار ہے۔ اس نے

ایلیڈ (Illiad) کو سادہ اور المناک رزمیہ اور دوسری نظم اوڈی سی (Odyssey) کو پیچیدہ اور اخلاقی رزمیہ قرار دیا ہے۔

رزمیہ (Epic) کی طوالت کے بارے میں ارسطو کا خیال ہے کہ رزمیہ (Epic) کی طوالت بس اتنی ہونی چاہئے کہ ایک نظر میں آغاز اور انجام سامنے آ جائے یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے اگر اس کی طوالت قدیم رزمیہ (Epic) نظموں جتنی نہ ہو بلکہ ایسی مختصر رزمیہ لکھی جائے جو ایک نشست میں ختم کر لی جائے۔ ارسطو نے اس اختصار کو ناممکن قرار دیا ہے اس لئے کہ المیہ (Tragedy) میں تو وہی نقل کیا جاتا ہے جو اسٹیج پر پیش ہو رہا ہو لیکن رزمیہ (Epic) میں وہ تمام واقعات شامل ہوتے ہیں جو اس فرد واحد سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ واقعات رزمیہ (Epic) کی طوالت بڑھا دیتے ہیں لیکن ان واقعات کی وجہ سے رزمیہ کا اثر اور عظمت دوگنا ہو جاتی ہے۔ رجزیہ (Hexameter) کا سنجیدہ پن کسی اور بحر میں نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اس بحر میں تشبیہی، انوکھے، اجنبی اور آرائشی الفاظ کو اپنے اندر سمونے کی بڑی وسعت ہے۔

ارسطو نے ہومر (Homer) کی ان گنت صفات گنوائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خود لوگوں کے سامنے بہت کم آتا ہے۔

> **He is the only poet who recognizes what part he himself ought to play in his poem. The poet should speak as little as possible in his own person.**
>
> **(Potecs-Page-67)**

ارسطو کے نزدیک شاعر کا کام رزمیہ (Epic) میں واقعات کا بیان ہے اسے بحیثیت شاعر لوگوں کے سامنے بہت کم آنا چاہئے جنہیں یہ شوق ہوتا ہے وہ واقعات کے بیان میں بہت کم دلچسپی لیتے ہیں لیکن ہومر (Homer) کے ہاں یہ بات کم ہے وہ اپنا ذکر نہ ہونے کے برابر کرتا ہے لوگوں کے کردار اور واقعات کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔

-4 ناممکن اور قرین قیاس واقعات المیہ (Tragedy) کی ضرورت ہیں لیکن کبھی کبھی یہ اسٹیج پر مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ارسطو نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ ایک المیہ

(Tragedy) میں جب اکلیز (Achilles) اور ہیکٹر (Hector) کا تعاقب پیش کیا جاتا ہے تو دونوں آگے پیچھے دوڑتے ہیں اور ساری فوج کھڑی تماشا دیکھتی رہتی ہے لیکن رزمیہ (Epic) میں یہ صورت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں اسے دکھایا نہیں جاتا بلکہ رزمیہ (Epic) میں اس سے پڑھنے والے لطف لیتے ہیں۔ تریں قیاس واقعات رزمیہ (Epic) میں مہمل نظر آتے ہیں لیکن ہومر (Homer) نے ان ناممکن اور قرین قیاس واقعات سے اپنے فن میں حسن پیدا کیا ہے۔ بقول ارسطو............

Homer has taught other poets how to tell untruth as they ought to be told.

(Politics-Page-68)

5-6 ارسطو کا کہنا ہے کہ ناممکنات اور قرین قیاس عناصر کو قصے میں بیان کرنے کے لئے سلیقہ بے حد ضروری ہے۔ ایسے واقعات اگر پلاٹ میں شامل کرنا ضروری ہوں تو انہیں قابل یقین بنا کر پیش کرنا چاہئے۔ یہ فن شاعروں کو ہومر (Homer) سے سیکھنا چاہئے جو ناقابل یقین اور خلاف قیاس واقعات کو اپنے فنی حسن اور خوبیوں میں چھپا دیتا ہے۔

-7 زبان کے سلسلے میں ارسطو کا موقف یہ ہے کہ جہاں پلاٹ کی رفتار سست پڑ جائے یعنی عمل تیز رفتاری سے آگے نہ بڑھے وہاں سلیقے سے استعمال کی گئی مزین زبان المیہ کے اثر کو ابھارتی ہے کیونکہ رزمیہ (Epic) میں ان حصوں میں کرداروں سے مدد نہیں مل سکتی۔ لیکن جہاں کردار اور تاثرات پلاٹ کو آگے بڑھا رہے ہوں وہاں زبان کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

Fear and pity may be excited by means of spectacle but they can also take their rise from the very structure of the action which is the preferable method and the mark of a better dramatic poet........

(Politics-Page-49)

دہشت اور دردمندی کے جذبات کے سلسلے میں ارسطو کا خیال ہے کہ یہ جذبات سٹیج پر پیش کئے گئے مناظر سے بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ انہیں عمل اور پلاٹ کے ذریعے ابھارا جائے اور یہ کام ایک اچھا ڈرامہ نگار ہی کرسکتا ہے۔ اچھے المیہ نگار کو چاہئے کہ وہ واقعات کو اس

طرح بیان کرے جنہیں صرف سن کر ہی سامع کے دل میں دہشت اور دردمندی کے جذبات پیدا ہو جائیں۔

ارسطو نے مثال دیتے ہوئے ایڈی پس (Edipus) کے پلاٹ کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ شاعر نے اسے ایسے ماہرانہ انداز میں ترتیب دیا ہے کہ جسے سن کر ہی دہشت اور دردمندی کے اثرات ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس حصے کے آخر میں ارسطو کہتا ہے کہ اگر کوئی شاعر ان جذبات کو ابھارنے کے لئے مناظر اور آرائش کا سہارا لیتا ہے تو اس کا عمل اور پلاٹ فنی طور پر خام اور کمزور ہے۔
ارسطو دہشت اور دردمندی کے اثر کو پلاٹ کی ترتیب کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔

It is obvious that this effect is bound up with the event of the plot.

-24 ارسطو نے اس حصے میں تفصیلاً ایسے واقعات پر بحث کی ہے جن سے کسی پلاٹ میں دہشت اور دردمندی کے جذبات کو ابھارا جا سکتا ہے اس کا کہنا ہے کہ اگر دشمن دشمن پر قاتلانہ حملہ کرے یا کوئی اجنبی دوسرے اجنبی پر حملہ کرے تو دہشت اور دردمندی کے جذبات پیدا نہیں ہوں گے لیکن اگر دوست اپنے دوست پر حملہ کرے یا قاتل اور مقتول آپس میں عزیز ہوں تو یہ جذبات ابھر سکتے ہیں مثلاً جب بیٹا اورسٹیز (Orestes) اپنی ماں کلائی ٹم نسٹرا (Clytemnestra) کو قتل کرتا ہے یا جب یوری پیڈیز کے ڈرامے میڈیا میں میڈیا (Media) اپنے بچوں کو قتل کرتی ہے تو دہشت اور دردمندی کے جذبات ابھرتے ہیں یا ان جذبات کا تاثر اس وقت بھی شدید ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی پر ظلم کرے لیکن مظلوم کے ساتھ باہمی تعلق سے ناواقف ہو جیسے وفیکلیز کے ڈرامے ایڈی پس (Edipus) میں ایڈی پس کا لاعلمی میں اپنے باپ کو قتل کر دینا۔ اس طریقے میں اگر ظلم کا مرتکب ہونے سے پہلے انکشاف ہو جائے تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس طرح دہشت اور دردمندی کے جذبات میں تھوڑی سی کمی ہو جاتی ہے مثلاً میروپ (Merope) نامی المیہ میں باپ بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے کہ اس پر انکشاف ہوتا ہے اور وہ قتل سے باز رہتا ہے (Helle) میں بیٹا اپنی ماں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے لیکن عین موقعہ پر انکشاف ہو جاتا ہے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ یہ تمام واقعات مخصوص خاندانوں سے

تعلق رکھتے ہیں جنہیں المیہ نگاروں نے بار بار دہرایا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ واقعات ہولناک ہیں اور المیہ نگاروں کو ان میں دہشت اور دردمندی کا تاثر مل جاتا ہے۔

15- کردار نگاری کے سلسلے میں ڈرامہ نگار کو چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

1- The character should be good.

پہلی اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ کردار اچھے ہونے چاہئیں۔ ان کی اچھائی ان کی حرکات وسکنات اور فطری میلان میں ہونی چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو ان کی تقریر اور عمل اس کی وضاحت کرے گا۔

اچھے اور برے کرداروں کا تعلق ان کی فطرت سے ہوتا ہے۔ ارسطو غلاموں اور عورتوں کے کرداروں سے اچھائی یا اچھے اعمال کی توقع نہیں رکھتا۔ وہ کہتا ہے تھوڑی بہت اچھائی ان میں مل سکتی ہے لیکن ان دونوں کے بارے میں وہ کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔

> **A woman or a slave may be good, though the one is possibly as inferior being and the other in general an insignificant one.**

2- ارسطو کی دوسری شرط مناسبت (Appropriate) کی ہے اس سے ارسطو کی مراد شجاعت اور بہادری کی صفات ہیں جو اس کے خیال میں عورتوں سے منسوب نہیں کی جاسکتیں۔

3- تیسری شرط زندگی سے مشابہت کی ہے۔

The character should be life-like

کرداروں کی تشکیل میں کوئی ایسی تبدیلی نہ دکھائی جائے جس سے کرداروں میں نقص پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔

4- کردار نگاری کے لئے ارسطو نے چوتھی شرط (Uniformity) یعنی ربط یا یکسانیت قرار دی ہے۔ ڈرامہ نگار کو کسی ایسے شخص کی زندگی کی نقل نہیں ہونی چاہئے جس میں کوئی ربط نہ ہو اور اگر ایسی نقل ضروری ہو تو اسے ربط کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔

کردار نگاری میں شاعر کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ جس کردار کی تشکیل کرے اسے

پُر یقین بنائے کہ کردار اس طرح بولے گا یا اس طرح عمل کرے گا۔ ارسطو اس بات پر زور دیتا ہے کہ المیہ نگار کو چاہئے کہ اپنے کردار کی نمایاں خصوصیات پیش کرے اگر وہ کسی غصیلے شخص کی نقل کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا کرتے ہوئے اپنے کردار کی انسانی صفات کو فراموش نہ کرے۔ اسے ایسا کرتے ہوئے ہومر (Homer) سے درس لینا چاہئے جس نے ایلیڈ (Illiad) میں اکلیز (Achilees) کے کردار کو ضدی ور غصیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کا ایک اعلیٰ نمونہ بھی دکھایا ہے۔

ارسطو شاعر کو کرداروں پر اتنی ہی توجہ دینے کی سفارش کرتا ہے جتنی عمل یا پلاٹ کے لئے ضروری ہے جس طرح ایک مصور خدوخال کو نکھار کر تصویر کو اصل سے بہتر بنا کر پیش کرتا ہے اسی طرح المیہ نگار کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے کرداروں کو بہتر بنا کر پیش کرے۔

16- انکشافات یا دریافتیں (Discovery) ڈرامے میں تبدیلی کا باعث بنتی ہیں اور کردار ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے ہیں۔ ارسطو نے اس کے مختلف طریقے بتلائے ہیں۔

1- پہلا طریقہ بالکل سیدھا ہے اور اسے بے شمار ڈرامہ نگاروں نے استعمال کیا ہے یہ پیدائشی نشانات کا طریقہ ہے جسم پر لگے کسی زخم یا تل کو دیکھ کر کردار کی پہچان کر لینا مثلاً او ڈی سی (Odyssey) میں او ڈی سی یس (Odysseus) کی دایہ اسے ایک پرانے زخم کے نشان سے پہچان لیتی ہے۔

2- دوسری دریافت وہ ہے جسے شاعر یا ڈرامہ نگار خود اپنی مرضی سے ایجاد کر لیتا ہے ارسطو اسے فنی لحاظ سے ناقص قرار دیتا ہے۔

3- تیسری قسم کی دریافت کو ارسطو نے یادداشت کی دریافت کہا ہے مثلاً کسی تصویر کو دیکھ کر پرانی بات کا یاد آنا یا کوئی گیت سن کر پرانے زمانے کی طرف لوٹ جانا۔ السی نیس کی کہانی (The Tale of Alcinius) میں جب گویا او ڈی سی یس (Odysseus) کو اس کا ہی قصہ سناتا ہے تو اسے پرانا زمانہ یاد آ جاتا ہے۔ لیکن ارسطو نے بہترین دریافت اسے قرار دیا ہے جو پلاٹ کے ذریعے ظاہر ہو۔ مثال کے طور پر ایڈی پس (Edipus) کا پلاٹ جس میں واقعات کے ذریعے دریافتوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

-17 ارسطو نے (Some Rules for the Tragic Poet) کے زیر عنوان المیہ نگار کو کچھ ہدایات دی ہیں جن میں سب سے پہلے ہدایت یہ ہے کہ جب وہ کوئی منظر یا تقریر لکھنے لگے تو سارے سین کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے جیسے وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہو۔

جب وہ ہر واقعہ کا چشم دید گواہ بن کر لکھے گا تو ہر جزوی تفصیل کاغذ پر سمٹ آئے گی ور کسی غلطی کا امکان نہیں رہے گا۔

دوسری ہدایت ارسطو یہ دیتا ہے کہ شاعر کو سین یا تقریر لکھتے وقت اداکار کی حرکات وسکنات اور اشارات کو مدنظر رکھنا چاہئے یا دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسے سب کچھ اداکار بن کر لکھنا چاہئے ایسے لکھے جیسے وہ اسٹیج پر کھڑا اداکاری کر رہا ہے اس کی تحریر کا اثر لوگوں پر اسی صورت میں ہوگا اگر وہ کسی واقعہ کو اپنے اوپر وارد کر کے لکھے گا۔

المیہ شروع کرنے سے پہلے شاعر کو چاہئے کہ کہانی کا ایک بنیادی خاکہ (out Line) بنا لے اور پھر اس میں واقعات اور تفاصیل شامل کر لے۔ اگر وہ اس طرح کرے گا تو اس کا پلاٹ بے ربطی کا شکار نہیں ہوگا۔ بنیادی کہانی اور خاکہ بہت مختصر ہوتا ہے اسے طویل وہ واقعات بناتے ہیں جو اس میں شامل کئے جاتے ہیں مثلاً اوڈیسی (Odyssey) کی کہانی اتنی سی ہے کہ ایک شخص جنگ سے واپس اپنے گھر آنا چاہتا ہے لیکن سمندری دیوتا اکا مخالف ہے اسے مختلف مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے آخر کار وہ شخص طوفانوں کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے گھر پہنچ جاتا ہے لیکن جب اس خاکے میں واقعات اور تفاصیل شامل ہو گئیں تو یہ ایک طویل رزمیہ بن گیا۔

-18 المیہ (Tragedy) کو ارسطو نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

-1 الجھاؤ (Complication)

یہ ان واقعات سے پیدا کیا جاتا ہے جو ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہو چکے ہوتے ہیں یا اس میں کچھ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جو پلاٹ میں شامل ہوں۔

-2 سلجھاؤ (Unravelling)

ڈرامہ شروع ہونے کے بعد کے تمام واقعات سلجھاؤ کہلاتے ہیں لیکن ارسطو شروع سے

لے کر آخر تک کے تمام واقعات کو الجھاؤ ہی کہتا ہے جو ڈرامہ کے خاتمے پر سلجھاؤ میں ڈھل جاتا ہے۔
ارسطو نے المیہ کی چار قسمیں بتلائی ہیں۔

1- پیچیدہ المیہ 2- المناک المیہ

3- اخلاقی المیہ 4- سادہ المیہ

شاعروں کو چاہیئے کہ وہ ان تمام اقسام پر قلم اٹھانے کا ہنر پیدا کریں انہیں الجھاؤ سلجھاؤ پیدا کرنے کا کمال آنا چاہیئے کیونکہ بہت سے شاعر ایسے ہیں جو اس فن سے بالکل واقف نہیں۔

المیہ (Tragedy) اور رزمیہ (Epic) کی طوالت میں بہت فرق ہے۔ ایلیڈ (Illiad) (Troy) شہر کی تباہی کی کہانی ہے اگر کوئی اس کے سارے واقعات کو المیہ میں سمونا چاہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ رزمیہ بہت سے واقعات کی طویل نظم ہے چنانچہ جن شاعروں نے بہت سے واقعات کو المیہ کا موضوع بنایا انہیں کامیابی نہیں ہوئی لیکن یوری پیڈیز (Euripides) کو اس لئے کامیابی ہوئی کہ اس نے صرف ایک واقعہ کو المیہ کا پلاٹ بنا کر (Trojan Woman) جیسا کامیاب المیہ لکھ دیا۔

چوتھا حصہ

1.2 اس حصے میں ارسطو نے ان بنیادی اصولوں اور امور پر روشنی ڈالی ہے جو نقادوں کے جواب دیتے وقت مدنظر رکھنے چاہئیں۔ ارسطو کا خیال ہے کہ شاعر کو نقل یا تقلید کرتے وقت تین چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

-1 چیزوں کو اس طرح بیان کرے جیسا انہیں ہونا چاہئے۔

-2 یا جیسی وہ ہیں یا تھیں۔

-3 یا جیسی وہ بیان کی جاتی ہیں۔

شاعر کو چاہئے کہ جب ان میں سے کسی طرح کی نقل کرے آرائشی، اجنبی اور تبدیل شدہ سب الفاظ کو استعمال میں لائے۔

ارسطو نے شاعری میں دو طرح کے نقائص کی نشاندہی کی ہے۔

-1 اصلی (Essential)

-2 اتفاقی (Incidental)

اصلی نقص اس شاعر کے ہاں ملتا ہے جو شعر کہنے کی صلاحیت نہ ہوتے ہوئے بھی شاعری کرے۔ اتفاقی نقص کا مرتکب وہ شاعر ہوتا ہے جو نقل یا تقلید کی صلاحیت تو رکھتا ہو مگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے۔ یہ غلطی اتفاقی ذیل میں آتی ہے۔ شاعر سے اگر اصلی غلطی ہوتی ہے تو یہ ناقابل معافی ہے لیکن اگر وہ اتفاقی نقص کا مرتکب ہے تو یہ غلطی معاف کی جا سکتی ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شاعر لاعلم ہے کہ ہرن کے سینگ بھی ہوتے ہیں تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے لیکن اگر وہ ہرن کے سینگوں کی بھونڈی نقالی کرے تو یہ ناقابل معافی غلطی ہوگی۔

-3 اگر کسی شاعری کی تقلید پر کوئی اعتراض کرے کہ وہ حقیقی نہیں ہے تو بقول ارسطو شاعر جواب دے سکتا ہے کہ اس نے چیزوں کو ایسے بیان نہیں کیا جیسی وہ ہیں بلکہ ایسے بیان کیا جیسے انہیں ہونا

چاہئے۔ یہ وہ جواب ہے جو سوفیکلیز (Sophocles) نے اپنے نقادوں کو دیا تھا۔

SOPHOCLES said that he drew men as they ought to be where as Euripides drew them as they are.

5- شاعر کی زبان میں بعض اوقات بہت سی باریکیوں سے کام لیا جاتا ہے اگر ان باریکیوں اور فنی خوبیوں کو پہچان لیا جائے تو بہت سے اعتراضات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

کبھی کبھی ایک شاعر ایک لفظ استعمال کر کے اس سے دوسرے معنی مراد لیتا ہے مثلاً (Homer) ایلیڈ (Illiad) میں رات کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

All the gods and Chariot driving men slept through the night.

لیکن دوسری سطر میں اگامم نان (Agamemnon) کے بارے میں لکھتا ہے وہ جاگ رہا ہے اور میدان جنگ کی طرف دیکھتا ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ یہاں ہومر (Homer) نے تمام (All) کا لفظ کئی (Many) کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

یونان میں ہر پینے والی چیز کے لئے شراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے کئی بار شاعر جب شراب کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب پینے والی چیز مراد ہوتا ہے۔

6- شاعری میں خلاف فطرت اور ناممکن واقعات شامل کرنے کی ارسطو نے تین وجوہات بیان کی ہیں۔

1- شاعر واقعات کو بہتر بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے۔
2- اپنی شاعری میں کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔
3- لوگ ان واقعات کو تسلیم کرتے ہیں۔

ارسطو کا خیال ہے کہ ہر صورت میں شاعر کے پیش نظر ایک مقصد ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ اسے چیزوں کو اصل سے بہتر بنا کر پیش کرنا چاہئے۔

7- شاعر کو متضاد باتوں اور خیالات کا جائزہ بڑی سوچ بچار کے ساتھ لینا چاہئے کہ جو وہ کر رہا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور کیا لوگ اس بات کو پڑھ کر کوئی نتیجہ نکال لیں گے۔

8- برے کرداروں اور ناممکن اور غیر فطری واقعات پر نقاد اکثر اعتراض کرتے ہیں۔ ارسطو نے تنقید نگاروں کے اعتراضات کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی ہے۔

1- ناممکنات (The Impossible)

2- خلاف قیاس (The Irrational)

3- مخرب اخلاق (The Immoral)

4- متضاد (The Contradictory)

5- تکنیکی یا فنی (Technically at Fault)

پانچواں حصہ

بوطیقا (Poetics) کے اس آخری حصے میں ارسطو نے المیہ (Tragedy) اور رزمیہ (Epic) کا موازنہ کر کے المیہ (Tragedy) کو بہتر قرار دیا ہے وہ شروع ہی میں کہتا ہے۔

It may be asked which of the two forms of representation is the better, the epic or the tragic. If the better form is the less vulgar, and the less vulgar is always that which is designed to the better type of audience, then it is obvious that the form that appeals to everybody is extremely vulgar.

(Politics-Page-74)

ارسطو کا خیال ہے کہ بہتر فن پارہ شائستہ ہوگا اور بہتر ناظرین کو پسند آئے گا۔ اس کے مقابلے میں وہ فن پارہ جو زیادہ غیر شائستہ ہوگا وہ ہر کسی کو پسند آئے گا۔ المیہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اداکار اسٹیج پر ہر قسم کے لوگوں کی پسند کا خیال کرتا ہے اور بہت سی چیزیں اپنی طرف سے اس میں شامل کر دیتا ہے۔ اداکار اور گیت گانے والے اپنی حرکات اور ناچ کے بھاؤ بھید سے لوگوں کا دل بہلاتے ہیں۔ رزمیہ (Epic) خاص اور شائستہ لوگوں کے لئے لکھی جاتی ہے۔ وہ حرکات وسکنات کی محتاج نہیں۔ اس لئے کہ اس میں وہ سب کچھ شامل نہیں ہوتا جو المیہ (Tragedy) میں شاعر اداکار اور گانے والا اپنی طرف سے شامل کر لیتا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے المیہ (Tragedy) رزمیہ (Epic) سے کم تر ہے۔

2- حرکات وسکنات اور رقص میں بھاؤ بھید بتلانے کے اعتراض کو ارسطو شاعری پر کیا گیا اعتراض نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس اعتراض کا تعلق اداکاروں اور ناچ گانوں والوں سے ہے۔ یہی اعتراض رزمیہ (Epic) سنانے والے پر بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب وہ یہ نظم سنا رہا ہوتا ہے تو وہ حرکات وسکنات میں مبالغے سے کام لے سکتا ہے۔ المیہ (Tragedy) پر اگر یہ اعتراض ہو سکتا ہے تو

صرف بے حیا اور فاحشہ عورتوں کی نقالی کا ہو سکتا ہے۔ ناچ گانے والوں پر اس اعتراض کی اتنی اہمیت نہیں کیونکہ ناچ اور گانے میں بھید بھاؤ کا آنا اتنا برا بھی نہیں بلکہ یہ رقص اور گیت کا ایک حصہ ہے۔

-3 ارسطو نے بہت سی خصوصیات کی بنا پر المیہ (Tragedy) کو رزمیہ (Epic) سے افضل قرار دیا ہے۔

-1 موسیقی اور آرائش المیہ (Tragedy) کی قدرو منزلت میں اضافہ کرتی ہیں۔

-2 المیہ (Tragedy) کو صرف دیکھ کر نہیں پڑھ کر بھی ایک اثر لیا جا سکتا ہے۔

-3 المیہ کا اختصار اثر چھوڑتا ہے جبکہ رزمیہ (Epic) کی طوالت اس اثر کو زائل کر دیتی ہے۔

-4 ایک واقعہ کی تقلید یا نقالی کی وجہ سے المیہ (Tragedy) میں وحدت قائم رہتی ہے جبکہ رزمیہ (Epic) میں بہت سے واقعات کی نقالی وحدت کو کم سے کم کر دیتی ہے۔

چنانچہ ارسطو ان وجوہات کی بناء پر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ المیہ (Tragedy) رزمیہ (Epic) سے زیادہ افضل صنف شاعری ہے۔

لان جائی نس

(Longinus)

یونانی ادبی تنقید میں افلاطون اور ارسطو کے بعد آخری اور اہم نام لانجائی نس کا ہے۔ عرصہ دراز تک اس کا تنقیدی کارنامہ ON THE SUBLINME ادیبوں اور محققوں کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن جب یہ تنقیدی مقالہ لوگوں کے سامنے آیا تو اسے ایک نادر اور قابل قدر کتاب قرار دیا گیا۔ برٹش میوزیم لائبریری میں پڑے ہوئے نسخے (LONGINUS ON THE SUBLIME) پر لاطینی زبان میں مشہور دانش ور (ISAAC CASUBON) کے تعریفی جملوں میں اسے (A GOLDEN BOOK) قرار دیا گیا ہے۔ پروفیسر بچر (BUTCHER) نے اسے بے مثال اور دلچسپ تنقیدی مضمون کہا ہے۔ نقادوں اور دانشوروں کا خیال ہے کہ لانجائی نس (LONGINUS) سے پہلے اسی عہد کا ایک نقاد سسی لس (CAECILUS) ترفع (SUBLIME) کے موضوع پر مقالہ لکھ چکا تھا۔ لیکن اس مقالے میں ان عناصر پر بحث نہیں کی گئی تھی جو ترفع کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ لانجائی نس (LONGINUS) نے اس موضوع پر اپنے ایک دوست (POSTUMIUS) کو مخاطب کر کے قلم اٹھایا اور ترفع (SUBLIME) پر یہ مقالہ لکھ دیا۔ نقادوں کا خیال ہے کہ یہ ایک طرح سے سسی لس (CAECILIUS) کے مقالے کا جواب ہے۔

ترفع (ON THE SUBLIMITY) کی تاریخ تحریر اور اصل مصنف کے سلسلے میں بہت بحث ہو چکی ہے۔ اس مقالے کی تحریر کے دو حقدار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک کیسیس لانجائی نس (CASSIS-LOGINUS) ہے۔ جو فلاسفی اور زبان کا مشہور استاد تھا۔ اس کا تعلق

تیسری صدی سے تھا۔ یہ پامیریا کی ملکہ زینو بیا کا مشیر خاص تھا۔ اس نے ملک کے لئے لڑتے لڑتے اپنی جان دے دی۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک اسے (ON THE SUBLIMITY) کا مصنف سمجھا جاتا رہا لیکن اطالوی سکالر آماتی (AMATI) نے (VATICAN LIBRARY) میں اس مقالے کا وہ نسخہ دریافت کر لیا جس پر (DIONYSIUS OR LOGINUS) کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اس مقالے کا قدیم ترین مسودہ جو پیرس کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس پر بھی مصنف کا نام (DIONYSIUS OR LOGINUS) ہی لکھا ہوا ہے اور کتاب کا عنوان یونانی زبان میں (DIONYSIUS LONGINUS CONCERNIGN SUBLIMITY) درج ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) کے مقالے میں جو شہادتیں ملتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اس مقالے کی تصنیف سے تیسری صدی کے کیسیس لانجائی نس (CASSIS LONGINUS) کے کوئی تعلق نہیں۔ یہ حقیقتاً پہلی صدی کے لانجائی نس کی تصنیف ہے۔ اس کے لئے دو شہادتیں کافی ہیں۔

1- لانجائی نس (LONGINUS) نے اپنے مقالے میں جس ادبی انحطاط کا ذکر کیا ہے۔ خطابت اور شاعری میں جس انتشار کی نشاندہی کی ہے۔ یہ ادبی انحطاط اور انتشار پہلی صدی میں شروع ہو چکا تھا۔ نئے پن کی تلاش میں ادیب اور خطیب اوچھے پن کا شکار ہو چکے تھے۔

2- لانجائی نس (LONGINUS) نے اپنے مقالے جن جن ادیبوں شاعروں اور مقرروں کی تحریروں سے حوالے دیئے ہیں۔ ان سب کا تعلق پہلی صدی سے ہے یا سب کے سب پہلی صدی سے پہلے کے ہیں۔ آگسٹس (AUGUSTUS) کے عہد کے بعد کا کوئی ادیب مقالے میں مثال کے طور پر نہیں آیا۔

ان دو شہادتوں کے پیش نظر لانجائی نس (LONGINUS) کو پہلی صدی کی شخصیت قرار دینے والے نقاد حق بجانب ہیں۔

لانجائی نس (LONGINUS) کا یہ تنقیدی مقالہ اپنی نامکمل صورت (اصل مسودے کے تقریباً 50 صفحات اور ہزار سطریں غائب ہیں) کے باوجود ایک مکمل ادبی رہنما اور تنقیدی منشور ہے۔اس مقالے میں ترفع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اوران تمام عناصر کو یکجا کر دیا گیا ہے جن سے (SUBLIMITY) جنم لیتی ہے۔ اگرچہ بحث کرتے ہوئے لانجائی نس (LONGINUS) ادھر ادھر بھٹک جاتا ہے لیکن گھوم پھر کر ترفع (SUBLIME) کی طرف پلٹ آتا ہے۔اس کے پیش نظر ہوریس (HORACE) کی طرح اپنے زمانے کا ادبی ماحول تھا جو انحطاط پذیر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کی یہ کوشش تھی کہ اپنے مقالے میں ان تمام عناصر پر بحث کرے جو اعلیٰ فن پارہ تخلیق کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ ہوریس (HORACE) کی طرح لانجائی نس (LONGINUS) اس بات سے متفق ہے کہ شاعر اور فنکار میں تخلیق کا جذبہ فطری ہوتا ہے کیونکہ نظام فطرت بھی اصول و ضوابط کا پابند ہے۔ ایسا نہ ہو تو سارا نظام گڑبڑ ہو جائے۔اس لئے شاعر یا ادیب پر بھی چند پابندیاں ہونا چاہئے ورنہ وہ بے لگام ہو جائے گا۔اس میں شک نہیں کہ تخلیق کا جذبہ فطری ہے لیکن اسے اگر کچھ قواعد کا پابند بنا دیا جائے تو اعلیٰ فن پارہ تخلیق ہو سکتا ہے۔اپنے مقالے میں لانجائی نس (LONGINUS) نے انہیں اصول و قواعد پر بحث کی ہے اس کا کہنا ہے کہ انسانی اعضاء الگ الگ ہوں تو ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر یہ یکجا ہو جائیں تو پورا جسم بن جاتا ہے۔اسی طرح ادب پارہ کچھ عناصر کے ہم آہنگ ہونے سے عظیم بنتا ہے۔ اگر عناصر کی ترتیب اور تنظیم میں ہم آہنگی کا خیال نہ رکھا جائے تو اجزاء اور عناصر اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔

لانجائی نس (LONGINUS) نے اپنے مقالے میں ترفع (SUBLIMITY) سے بات شروع کی۔ان اجزاء کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ جو ترفع کے لئے ضروری ہیں اور آخر میں اپنے عہد کے ادبی انحطاط کا ذکر کیا ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ کسی معاشرے میں اخلاقی زوال ہی ادبی زوال اور انتشار کا سبب بنتا ہے۔ جمہوریت شہریوں کو آزادی دیتی ہے۔ اور اس آزادی سے شہری لاقانونیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دولت شہریوں کو عیش پرست ذلیل اور کمینہ بنا دیتی ہے اور یہ ساری اخلاقی چیزیں زوال کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) اپنے عہد

کے ایک فلاسفر کے اس نظریے سے اختلاف کرتا ہے۔ کہ ادبی زوال کا سبب سیاسی بدحالی کی وجہ سے نمو پایا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کا کہنا ہے کہ اعلیٰ ادبی شاہ پارے عظیم روحوں سے تخلیق پاتے ہیں اور اخلاقی انحطاط کے عہد میں عظیم روحوں کا فقدان ہوتا ہے۔ اس لئے معاشرہ ادبی زوال سے دوچار ہوتا ہے۔

ترفع (ON THE SUBLIMITY) کا مطالعہ کیا جائے تو لانجائی نس (LONGINUS) کی ساری گفتگو سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

1- ترفع اظہار زبان و بیان کا وہ وصف ہے۔ جو انسانوں کی روح میں وجدانی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

2- ترفع عظیم روح کی بازگشت ہے۔

3- ترفع کیلئے لانجائی نس (LONGINUS) نے 5 عناصر کو ضروری قرار دیا ہے۔

   1- اعلیٰ فکر

   2- جذبات

   3- ضائع بدائع کا مناسب استعمال

   4- پرشکوہ زبان (محاورہ، روزمرہ، استعارہ)

   5- انشا پردازی یا ترتیب الفاظ

مبالغہ (TUMIDITY) کو ترفع کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا ثابت کرنے کے لئے یہ مددگار ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے بے محل استعمال سے بعض اوقات ادیب بے راہروی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ہے جب ادیب نئے فن کی تلاش میں نکل پڑے۔

4- اعلیٰ فکر اور عظمت خیال کو لانجائی نس (LONGINUS) ترفع کے لئے سب اہم عنصر قرار دیتا ہے۔

5- شدت جذبات ترفع کے لئے دوسری اہم شرط ہے۔ شدت جذبات میں کمی آ جائے تو

شاعر ترفع کی منزل کو نہیں پا سکتا۔ یہاں لانجائی نس (LONGINUS) ہومر (HOMER) کی کتابوں ایلیڈ (ILIAD) اور او ڈی سی (ODYSSEY) کی مثال دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے ایلیڈ ہومر کی جوانی کی تخلیق ہے جب وہ بھرپور جذبات رکھتا تھا اور او ڈی سی ہومر کے بڑھاپے کی تحریر ہے۔ اس عمر میں جذبات میں وہ ولولہ اور جوش نہیں رہتا اس لئے او ڈی سی (ODYSSEY) اعلیٰ پائے کا شاہکار نہ بن سکی۔

-6 AMPLIFICATION یعنی توسیع و توضیع ترفع کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس سے مراد چھوٹی چھوٹی باتوں کو موثر انداز میں بیان کرنے کا فن ہے۔

-7 قدیم اساتذہ کے کلام کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کرنا لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ شاعروں کو دیکھنا چاہئے کہ اساتذہ نے ایک بات کو کیسے بیان کیا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) اساتذہ سے استفادہ کرنے کو سرقہ قرار نہیں دیتا۔ بلکہ ان کی تحریروں کو ادب و شاعری کے سانچے قرار دیتا ہے۔

-8 جذبات کی عکاسی (IMAGE) سے ہوتی ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) اسے خیالی تصویر کہتا ہے اور اسے ترفع کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔

-9 صنائع بدائع کا استعمال شاعری اور نثر میں طلسی اثر پیدا کرتا ہے۔ شاعر ان کے استعمال سے پڑھنے والوں کو مسحور کر سکتا ہے۔ اگر انہیں سلیقے سے استعمال کیا جائے تو ان کی معنوی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ان کا بے جا، بے حساب استعمال بعض اوقات عیب بھی بن جاتا ہے۔

-10 ''لہجے کی تبدیلی'' نثر اور نظم میں حسن پیدا کرتی ہے۔ جذبات کے اتار چڑھاؤ کے مطابق لکھنے والے کو اپنا لہجہ تبدیل کرنا چاہئے ورنہ فن پارہ یکسانیت کا شکار ہو جائے گا۔

-11 موزوں زبان کا استعمال شاعری کے لئے بے حد ضروری ہے۔ موزوں الفاظ خیال کو روشنی دکھاتے ہیں۔ لیکن زبان کا استعمال موقع محل کے لحاظ سے ہونا چاہئے۔ کبھی کبھی سادہ زبان پر شکوہ زبان سے زیادہ اثر چھوڑتی ہے۔

-12 استعارہ ترفع کے حصول کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ محل کے مطابق اور جذبے کی روانی کے لحاظ سے اس کا استعمال کیا جانا چاہئے۔

-13 اساتذہ کا کلام اغلاط سے پاک نہیں۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ انہوں نے زبان کے استعمال میں احتیاط سے کام نہیں لیا لیکن ان کے ہاں ان اغلاط کے باوجود ترفع موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کے پیچھے ایک عظیم دماغ کارفرما ہے۔ اور ترفع عظیم دماغ کی بازگشت ہے۔

-14 کسی فن پارے میں ترفع اسی صورت میں پیدا ہوگی اگر ترفع کے لئے تمام ضروری عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہوگی۔ یوری پیڈیز (EURIPIDESO) کو لانجائی نس عناصر کی اسی ہم آہنگی کی وجہ سے بڑا شاعر قرار دیتا ہے۔

-15 گھٹیا اور متبذل زبان ترفع کا چہرہ مسخ کر دیتی ہے۔ اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے۔

-16 کسی معاشرے میں ادبی انتشار اخلاقی انحطاط سے پیدا ہوتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کے نظریے کے مطابق اس انحطاط کی وجہ جمہوریت ہے۔

ترفع

On The Sublime

لانجائی نس (LONGINUS) کا یہ مقالہ 44 چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ ان ٹکڑوں کے بہت سے جملے اور حصے یا تو پڑھے نہیں جاسکتے یا ضائع ہو گئے ہیں۔ میں نے ان تمام ٹکڑوں کو اپنی سمجھ کے مطابق اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے سامنے (ON THE SUBLIME) کے دو انگریزی ترجمے ہیں۔ پہلا آکسفورڈ کے پروفیسر (A.O Dorsch) کا ہے جو PENGUIN BOOKS نے 1967ء میں شائع کیا تھا۔ میں نے متن کے سلسلے میں ان ہی دو کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) سسی لس (CAECILIUS) کے حوالے سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سسی لس (CAECILIUS) نے ترفع پر گفتگو کی ہے لیکن ان اصولوں اور عناصر کی طرف توجہ نہیں دلائی جو ترفع (SUBLIME) کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ پھر لانجائی نس (LONGINUS) خود ترفع (SUBLIME) کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ترفع اظہار بیان کا وہ امتیازی وصف ہے جس سے دنیا کے بڑے بڑے ادیبوں شاعروں اور خطیبوں نے دائمی شہرت پائی ہے۔ زبان کے استعمال کا یہی وہ فن ہے جس سے انہوں نے پڑھنے والوں کو مسحور کیا ہے۔

کیا ترفع (SUBLIME) کوئی فن ہے؟

کیا یہ لفظ فطرت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے؟

لانجائی نس (LONGINUS) نے یہ سوالات کسی مفکر کے حوالے دے کر کئے ہیں اس

مفکر کے خیال کے مطابق فنکار پیدائشی ہوتا ہے۔ اسے پڑھایا نہیں جا سکتا۔ فطرت نے اسے تخلیقی جذبہ عطا کیا ہے اگر وہ تکنیکی اصول وضوابط پر عمل کرے گا تو یہ فطری جذبہ اپنی اصل روح کھو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے گا۔ لانجائی نس (LONGINUS) اس نظریے کے خلاف ہے وہ کہتا ہے کہ اگر ہم فطرت کا مشاہدہ کریں تو فطرت کا کارخانہ بھی کسی اصول اور نظام کے مطابق چلتا ہے اگر یہ نہ ہو تو بدنظمی کا سخت خطرہ لاحق ہوتا ہے چنانچہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ اصول وقواعد کی پابندی سے فطرت کی طرف سے ودیعت کی ہوئی تخلیقی قوت ضائع ہو جائے گی۔ لکھنے والوں کے لئے بھی کوئی ضابطہ اور قانون ہونا چاہیے۔ تا کہ ان کی رہنمائی ہو سکے ورنہ شاعر بے لگام ہو جائے گا۔ شاعر اور خطیب کے لئے کچھ اصول وقواعد کی پابندی لازمی ہے۔ فطرت کی طرف سے عطا کئے ہوئے جذبہ تخلیق سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر اس جذبے کو اصول وقواعد کا پابند بنا دیا جائے تو یہ جذبہ اور نکھر جائے گا۔

لانجائی نس (LONGINUS) اس حصے میں مبالغہ (TUMIDITY) اور لفاظی کی سخت مخالفت کرتا ہے اور خطرہ ظاہر کرتا ہے کہ نئے ادیب بعض اوقات اس بے راہروی کا شکار ہو کر اوچھے پن پر اتر آتے ہیں۔ اور ان کی تحریروں کا فطرت سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جذبات کا بے محل اظہار بھی بعض اوقات برا لگتا ہے اور قارئین پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ شاعر ایسا کرتے ہوئے کوئی غیر معمولی یا انوکھی تخلیق لوگوں کے سامنے لانا چاہتا ہے جو اسے ادیب کے منصب سے دور لے جاتی ہے۔

(TUMIDITY) کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے لانجائی نس (LONGINUS) نے سسلی کے تاریخ دان (TIMAEUS) افلاطون اور (XENOPHON) کی تحریروں سے مبالغہ آرائی کی مثالیں دی ہیں۔ ہومر (HOMER) کے جملوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ (XENOPHON) پر ایک کردار کی آنکھوں کو (WINE LADEN DOG EYED) کہنے پر تنقید کی ہے اس کے علاوہ ہیرو ڈوٹس (HERODOTUS) کے ایک جملے میں مبالغہ کی نشاندہی کی ہے جس میں اس نے خوبصورت

عورتوں کو (PAIN TO THE EYES) کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کہتا ہے کہ بڑے لکھنے والوں کی تحریروں میں اس مبالغہ آرائی سے عیب پیدا ہوا ہے۔ وہ احتیاط سے کام لیتے شاید طرز بیان کا اسلوب کچھ اور ہوتا۔

لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ لکھنے والے ادب میں جدت اور نئے پن کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ ادب، شاعری اور خطابت میں نئے نئے راستوں کا کھوج انہیں گمراہ کر دیتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کو خطرہ تھا کہ اس کے عہد کے ادیب بھی اسی راست پر چل نکلے ہیں چنانچہ اس نے ضروری خیال کیا کہ ترفع SUBLIMITY پر بحث کی جائے اور وہ اصول۔ اجزائے ترکیبی اور عناصر ایک جگہ اکٹھے کر دیئے جائیں جن سے اسلوب میں رفعت (SUBLIMITY) پیدا ہوتی ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) اپنے دوست سے مخاطب ہو کر کہتا ہے آؤ پہلے یہ طے کر لیں کہ رفعت (SUBLIMITY) ہے کیا؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ یہ طے کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ خوبی بڑے تجربے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اسلوب اور انداز بیان پر تنقید کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

بقول لانجائی نس (LONGINUS) رفعت (SUBLIMITY) کو ہم کسی فن پارے کی روح کہہ سکتے ہیں۔ لفاظی یا ظاہری شان وشوکت سے رفعت (SUBLIMITY) کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کا تعلق روح سے ہے۔ یہ سننے اور پڑھنے والے کو روحانی مسرت سے دوچار کرتی ہے۔ ظاہری زندگی میں عہدہ، بادشاہت، دولت اور اعزاز ایک شان رکھتے ہیں لیکن ادب میں ان کے ذریعے شان وشوکت پیدا نہیں کی جاسکتی۔ رفعت (SUBLIMITY) نے ہر عہد میں روح کو بالیدگی بخشی ہے ہر خاص وعام نے (جس میں عمر کی کوئی قید نہیں) اس سے مسرت حاصل کی ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) نے اعلیٰ اسلوب بیان کے لئے پانچ چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے۔

-1 فکر کی بلندی **Great Conception**

2- جذبہ Passions

3- صنائع بدائع Figures

4- محاورہ۔روزمرہ۔استعارہ۔Choice of words tropes

5- موثر انشا پردازی Dignified spirited composition

لانجائی نس (LONGINUS) اس حصے کے آخر میں کہتا ہے کہ یہ پانچوں عناصر حقیقی جذبے کے تحت ہی اپنا کمال دکھا سکتے ہیں۔ اگر جذبے حقیقی ہوں تو مصنف ان عناصر سے کوئی شہ پارہ تخلیق کر سکتا ہے۔

اعلیٰ فن پارہ بلندی فکر سے ہی پروان چڑھتا ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ فکر کسی مصنف کی سب سے بڑی صفت ہے جس سے وہ عظیم تخلیق کرتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کے نزدیک

Sublimity is the note which rings from a great mind.

(SUBLIMITY) کو عظیم دماغ کی بازگشت قرار دیتا ہے بعض اوقات ہمیں سادہ اور بناوٹ سے عاری فن پارے میں بھی بلاغت کا جوہر نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک عظیم دماغ کارفرما ہوتا ہے۔

It is on lips of man of highest spirits that words of rare greatness are found.

لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ ترفع (SUBLIMITY) کو بعض اوقات الفاظ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی دلیل میں اس نے ہومر (HOMER) کی مشہور کتاب اوڈیسی کا ایک منظر پیش کیا ہے اور یہ عالم ارواح کا منظر ہے جہاں یونانی بہادر آجکس (Ajax) مرنے کے بعد جاتا ہے اور خاموشی کی فضا میں اپنے مردہ ساتھیوں کو ادھر ادھر سایوں کی طرح چلتے پھرتے دیکھتا ہے۔ (ہومر کی اس خصوصیت کو کئی اور نقادوں نے بھی سراہا ہے۔ المیہ نگاروں سے ہومر کا موازنہ کرتے ہوئے ایک نقاد کہتا ہے۔

His Silence is clearly a fine thing than the speeches in tragic poets.

لانجائی نس (LONGINUS) نے ہومر کی دونوں کتابوں ایلیڈ (Iliad) اور اوڈی سی سے بلاغت کے نمونے نکالے ہیں آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ عمر کے زوال کے ساتھ ہی فنکار کا ذہنی انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ جب فنکار جوان ہوتا ہے تو اس کے خیالات اور فکر میں ایک جوش اور شدت ہوتی ہے لیکن جب عمر ڈھلنے لگے تو خیالات میں انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایلیڈ اور اوڈی سی میں یہی فرق ہے۔ اس نے ایلیڈ کو ہومر (HOMER) کی جوانی کی تخلیق قرار دیا ہے اور ڈی سی اس کی آخری عمر کی تخلیق ہے چنانچہ ایلیڈ میں ہومر کے اسلوب میں جوش اور شدت جذبات موجود ہے اور یہ کتاب ایک اعلیٰ درجے کا شاہکار ہے جبکہ اوڈی سی میں شدت جذبات کی کمی ہے۔ یہ ایک کم درجے کی تصنیف ہے جس میں اس نے بچوں کی کہانیاں سنائی ہیں۔ اور عجیب وغریب مناظر دکھا کر پڑھنے والوں کا دل خوش کیا ہے۔ ایسی باتیں کی ہیں جنہیں عقل انسانی تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً دس دن تک اوڈی سی لیس کا طوفان کے تھپیڑے کھانا اور زندہ رہنا لیکن ارسطو نے ہومر (HOMER) کی اس بات کو سراہا ہے اس کا کہنا ہے کہ ہومر (HOMER) نے ہمیں چیزوں کو بیان کرنے کا ڈھنگ بتلایا اس نے ہمیں بتلایا ہے کہ

How lies should be told

رفعت (SUBLIMITY) کے لئے لانجائی نس (LONGINUS) نے شاعری یا ڈرامے کے اجزاء کی ترتیب کو بہت اہم قرار دیا ہے۔ اچھا شاعر یا ڈرامہ نگار وہ ہے جو مختلف عناصر ور اجزاء کو اس طرح مربوط شکل میں پیش کرے کہ ان میں وحدت نظر آئے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ شاعر یا ڈرامہ نگاہ میں انتخاب کا شعور ہو اسے پتہ ہونا چاہئے کہ کون سے عناصر اظہار کے لئے ضروری ہیں اور کن عناصر کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) نے مشہور یونانی شاعرہ سفیو اور ہومر (HOMER) کی مثالیں دی ہیں۔ سفیو نے جذبات کے ڈھیر سے وہی جذبات چنے جو اظہار بیان کے لئے ضروری تھے اور جن سے اس کی شاعری میں حسن پیدا ہو سکتا تھا۔ اسی لئے اس کی شاعری جذبات محبت کے اظہار کی بہترین شاعری ہے جہاں تک ہومر (HOMER) کا تعلق ہے۔ اس نے مناظر، طوفان اور راستوں کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے غیر

ضروری اور غیر اہم اجزا کو قلم زد کر دیا ہے اور صرف وہی واقعات اور عناصر اپنی کہانی کا حصہ بنائے ہیں جو وحدت تاثر کی نفی نہیں کرتے۔ جو شاعر یا ڈرامہ نگار اس بات کا خیال نہیں کرتے وہ فن پارے کی وحدت اور تاثر کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔

Amplification یعنی ''توسیع و توضیع'' کو لانجائی نس (LONGINUS) بے حد ضروری قرار دیتا ہے اس ''توسیع و توضیع'' سے مراد معمولی باتوں اور واقعات کو فنی ترتیب اور موثر انداز سے بیان کرنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ترفع کا راز بلندی فکر میں پنہاں ہے مگر توسیع و توضیع کا فن اس سے مختلف ہے کچھ لکھنے والے بلندی فکر سے مالا مال ہیں لیکن توسیع و توضیع کے کمال سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں ترفع کی کمی رہ جاتی ہے۔ یہاں لانجائی نس (LONGINUS) دو مصنفین سسرو (Cicero) اور ڈیماستھنز Demosthnes کی مثالیں دیتا ہے اور موازنہ کرتا ہے کہ سسرو (Cicero) کے اندر جو لاوا موجود ہے وہ لحہ لحہ اجزاء اور عناصر میں شامل کرتا رہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ڈیماستھنز (Demosthnes) کی عظمت اس کی بلندی فکر، رفتار، قوت اور شدت بیان میں ہے۔

نئے لکھنے والوں کو قدیم اساتذہ کی تخلیقات سے استفادہ کرنا چاہئے۔ یہ سرقہ یا چوری نہیں۔ یہ تو سانچوں سے خوبصورت برتن ڈھالنے والی بات ہے۔ افلاطون جس کی تحریروں میں ایک خاموش ندی کا بہاؤ اور چشموں کی روانی ہے۔ اساتذہ کی تحریروں سے فیض حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

> **Plato drew into himself from that Homeric fountain countless runlets and channels of water.**

افلاطون کے علاوہ ہیروڈوٹس (Herodotus) کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ہومر (HOMER) سے بے حد متاثر تھا چنانچہ پرانے اور قدیم اساتذہ سے فیض حاصل کرنا۔ ان کی تقلید کرنا۔ ان کے فن پاروں سے موضوعات تلاش کرنا عیب نہیں فنی پختگی کے راستے پر چلنے والی بات ہے۔

جب ہم کسی بڑے خیال یا جذبے کی اپنی شاعری یا ڈرامے میں ترجمانی کرنا چاہئیں تو

ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم دیکھیں کہ اگر ہومر (HOMER) یا افلاطون (Plato) یہ بات کرتا تو کونسا پیرایہ استعمال کرتا یا ان لوگوں نے اسے کیسے بیان کیا ہے۔ اگر ہم اس راستے پر چل کر قدیم اساتذہ کی تقلید کریں گے تو ہم پر اعلیٰ اسلوب کے راستے کھل جائیں گے۔

(Image) سے مراد خیالی تصویر ہے۔ کسی فن پارے میں بلندی اور حسن پیدا کرنے کے لئے یہ بے حد ضروری ہے۔ عام طور پر (Image) سے مراد خیالی تصویر ہے لیکن آج کل اس سے مراد الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار یا وہ مناظر دکھانا ہے جو شاعر دیکھتا ہے یا بیان میں لاتا ہے ''خیالی تصویر'' یا پیکر نگاری کے فن سے شاعر اپنے سامعین کو مسحور کرتا ہے اور خطیب اپنے مخاطب کے دل میں تلاطم برپا کرتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) نے مثال کے طور پر یوری پیڈیز (Euripides) کے مشہور المیے اورسٹیز (Orestes) کی تین سطریں دی ہیں جن میں ڈرامے کا ہیرو اورسٹیز Orestes اپنی ماں کے قتل کے بعد ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اسے چاروں طرف سانپ اور چڑیلیں نظر آتی ہیں۔ جنہیں یوری پیڈیز (Euripides) نے خوبصورت (Image) میں بیان کیا ہے۔

> **Mother, I beseech you, do not set upon me those bloodboltered and snake-like hags? see there, see there, they approach they leap upon me.**

لانجائی نس (LONGINUS) نے المیہ نگاروں کے ہاں ایسے خیالی تصویروں سے بنائے ہوئے مرقعوں کی بے حد تعریف کی ہے۔ اسکائی لس اور ہومر (Homer) کی تحریروں سے مثالیں دی ہیں اور پھر بات یہاں ختم کرتا ہے کہ بلاغت دراصل عظیم دماغ کی نقالی اور پیکر نگاری سے ہی نمود پاتی ہے۔

16,17,18,19,20۔ ان پانچوں حصوں میں لانجائی نس (LONGINUS) نے تحریروں میں صنائع بدائع (Rhetorical Figures) کے مناسب استعمال کی بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے ان کا موقع محل کے لحاظ سے استعمال کسی تحریر میں (Sublimity) پیدا کرسکتا ہے۔ ان کے

استعمال میں شعوری کوشش کے وہ خلاف ہے وہ اس شعوری کوشش کو فن پارے کے خلاف سازش قرار دیتا ہے۔ لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ اگر شاعران کے استعمال سے پوری طرح آگاہ ہے تو نہ صرف اس کی شاعری میں ترفع کا تاثر پیدا ہوگا بلکہ ضائع کی معنویت میں بھی اضافہ ہوگا۔ چنانچہ فن پارے میں حسن پیدا کرنے کے لئے ان کا فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ استعمال بے حد ضروری ہے۔ خطیب کو چاہئے کہ جب وہ لوگوں سے مخاطب ہو تو ایک سے زیادہ صنائع بدائع کی تکرار سے اپنی تقریر میں جوش پیدا کرے۔ علاوہ ازیں اپنی تقریر میں خود ہی سوال اٹھائے اور پھر خود ہی ان کا جواب دے۔ اس سے تحریر سننے والوں کے دل میں ایک اشتعال پیدا ہوگا۔

لانجائی نس (LONGINUS) نے صنائع بدائع کی تکرار کا ایک نقصان بھی بتلایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ خطرہ اپنی جگہ قائم ہے کہ کبھی کبھی ان کے اس طرح استعمال سے تحریر میں جمود بھی آ سکتا ہے اور رفتار میں کمی آنے کا خدشہ ہے۔ کیونکہ بہت سے دوڑنے والوں کو اگر کسی رسی سے باندھ دیا جائے تو ان کی رفتار میں ایک حیرت انگیز کمی آنے کا خطرہ ہے۔

Inversions سے لانجائی نس (LONGINUS) کی مراد صنعت معکوس ہے۔ جس کو استعمال میں لاکر شاعروں اور خطیبوں کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں ترفع کا پیدا کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مقرر یہ کہنا چاہے کہ حالات خراب ہو چکے ہیں۔ ایک طرف غلامی ہے اور دوسری طرف آزادی ہمیں دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے تو وہ اس ساری بات کو اس طرح بھی کہہ سکتا ہے۔

"اے لوگو!

اب زندگی تلوار کی دھار پر ہے۔ ہمیں آزادی یا غلامی دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔

ان مختصر ٹکڑوں میں لانجائی نس (LONGINUS) نے واحد جمع زمانہ حال۔ ماضی اور مستقبل کے حوالے سے بات چیت کی ہے۔ وہ کہتا ہے یہ باتیں اگرچہ معمولی ہیں لیکن ان کے استعمال سے واقف ہونا ضروری ہے اس نے ایک مثال سے واحد جمع کے فرق کی وضاحت کی ہے۔ ڈیماستھنز (Demosthense) کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں وہ ایک ڈرامے کے دردناک ماحول کا

ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

When Phrynicysd produced this play. The capture of miletus, the theatre burst into tears.

لانجائی نس کا کہنا ہے کہ یہاں مصنف نے تھیٹر (واحد) کا لفظ تھیٹر میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ (جمع) کے لئے استعمال کیا ہے۔

بقول لانجائی نس (LONGINUS) ماضی کے بیانیہ واقعات کو زمانہ حال میں بیان کر کے بھی تحریر میں حسن پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی نے ایک خطرناک سفر ماضی میں کیا۔ لیکن اسے زمانہ حال میں اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے وہ گھوڑے پر جا رہا ہے۔ سامنے پہاڑ ہے۔ وہ گھوڑے سے گر رہا ہے وغیرہ وغیرہ!

(Perphrasis) سے لانجائی نس (LONGINUS) کو مراد "لہجہ کی تبدیلی" ہے۔ شاعری اور تقریر میں اگر لہجہ بدل کر بات کی جائے تو اس سے تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح کسی محفل میں گویے سے ایک ہی راگ بار بار سننے سے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ اسی طرح شاعری یا تقریر میں لہجے کی یکسانیت دلچسپی کے عنصر کو کم کر دیتی ہے۔ چنانچہ شاعر کو چاہئے کہ وہ جذبات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ لہجے میں بھی اتار چڑھاؤ پیدا کرے۔ لانجائی نس (LONGINUS) نے وضاحت کے لئے افلاطون کی تحریر (Funeral) اور ہیروڈوٹس (Herodotus) کی تحریروں سے مثال دی ہے لیکن ہیروڈوٹس (Herodotus) کی تحریر کو سراہا ہے جو اپنی تقریروں میں لہجے کے اتار چڑھاؤ سے ہمیشہ حسن پیدا کرتا ہے۔ مثلاً ایک تقریر میں وہ کہتا ہے۔

"دیکھئے حسن کے ان لوگوں پر جنہوں نے دیوی کا مندر لوٹا تھا دیوی نے ایسا عذاب بھیجا کہ وہ سب مرد عورتیں بن گئے۔

تقریر کے دوران مقرر کے لئے لہجے کا اتار چڑھاؤ آسان کام نہیں اور نہ ہی ہر مقرر یہ کر سکتا ہے لیکن کوشش کر کے یہ فن سیکھنا چاہئے کیونکہ خالی شور وغل سے کوئی فائدہ نہیں۔ تقریر کا اصل حسن یہ ہے کہ جذبہ، الفاظ اور لہجہ تینوں ایک ہو جائیں۔

الفاظ، روزمرہ اور محاورات کا استعمال سلیقے سے ہونا چاہئے فن پارے کے لئے موزوں الفاظ کا استعمال شاعری کے لئے پہلی شرط ہے موزوں الفاظ خیال کو روشنی بن کر راستہ دکھاتے ہیں۔ چنانچہ پرشکوہ اور موزوں زبان کے استعمال سے شاعر کا واقف ہونا ضروری ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ موقعہ محل کا خیال نہ رکھا جائے کئی جذباتی مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں پرشکوہ زبان کی ضرورت نہیں ہوتی وہ بوجھل اور بھاری زبان کا استعمال ایک معصوم بچے کے چہرے پر المیہ کرداروں کا نقاب ڈالنے کے برابر ہوگا۔ لانجائی نس (LONGINUS) کے الفاظ ہیں۔

Would be like putting a big tragic mask on a tiny child.

مانوس زبان کا شاعری میں استعمال بعض اوقات فن پارے کے تاثر کو شدید کر دیتا ہے۔ جہاں پرشکوہ الفاظ بے اثر ہوج اتیہ یں۔ وہاں مانوس اور عام بول چال کی زبان اپنا اثر پڑھنے والوں پر چھوڑ جاتی ہے۔

شاعری اور خطابت میں استعارے کے استعمال کے بارے میں لانجائی نس (LONGINUS) کہتا ہے کہ استعارے کا خوبصورتی سے استعمال ترفع اور اعلیٰ اسلوب کے لئے ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اس نے افلاطون کے ایک پیراگراف کی مثال دی ہے جس میں افلاطون نے انسانی جسم کے مختلف حصوں سر، دل، دماغ، پھیپھڑوں، ہاتھ، پاؤں، زبان کے لئے مختلف استعارے استعمال کئے ہیں۔ لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ جب جذبات کا شدید ریلا رواں ہو تو استعاروں کی تعداد کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔ سننے والا یا پڑھنے والا یہ خیال نہیں کرتا کہ مصنف نے کتنے استعارے استعمال کئے ہیں۔ یہ بات اس نے اپنے عہد اور ارسطو کو ذہن میں رکھ کر کہی تھی۔ اس کے عہد کے نقادوں اور دانشوروں کا خیال تھا کہ ایک پیراگراف میں زیادہ سے زیادہ دو یا تین استعاروں کا استعمال ہونا چاہئے۔ ارسطو پہلے ہی استعارے کے استعمال پر اپنی کتاب میں بحث کر چکا تھا۔ بہرحال لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ ترفع کے لئے استعارے کا موقع محل کے مطابق استعمال ضروری ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) اپنے مخاطب سے سوال کرتا ہے کہ کیا بڑے شاعروں کا کلام اغلاط سے پاک ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ بڑے شاعر اور خطیب اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں چھوٹے شعراء اور ادیب کم غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس بلندی پر چڑھنے کی جرأت ہی نہیں کرتے جہاں بڑے شعراء قدم رکھ چکے ہیں ہومر (HOMER) اور دوسرے شعراء کے ہاں اغلاط کی بھرمار ہے۔ اس کی وجہ جلد بازی، زود نویسی اور لاپرواہی کے سوا کچھ نہیں۔ سوفیکلیز (Sophocles) کے بارے میں لانجائی نس (LONGINUS) کہتا ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنے الفاظ سے آگ جلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن قارئین کے پاس دھوئیں کے سوا کچھ نہیں پہنچتا۔ آخر میں لانجائی نس (LONGINUS) یہ رائے قائم کرتا ہے کہ چھوٹے ادیبوں اور شاعروں کی بعض تخلیقات بڑے اساتذہ کی تخلیقات سے کہیں بہتر ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چھوٹے شاعر اساتذہ کی طرح لاپرواہی سے کام نہیں لیتے۔

اس حصے میں لانجائی نس (LONGINUS) افلاطون کے شاگرد مشہور مقرر (Hyperdes) اور ڈیماستھنز (Demosthenes) کا تقابل کر کے (Hyperdes) کا منفرد صفات، لہجے کی نفاست اور بلندی فکر کی بنا پر ڈیماستھنز (Demosthenes) سے موازنہ کیا ہے اور بڑی تفصیل سے (Sysias) کی کردار نگاری، طنز، موقع محل کے مطابق الفاظ کے استعمال اور ذہانت کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ (Sysias) بلاشبہ ڈیماستھنز (Demosthenes) سے بڑا مقرر ہے۔

لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ انسان کا ذہن پوری کائنات کو اپنے احاطے میں لے سکتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے......! شاید اسی لئے ہم بڑے ادیبوں کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان میں وسعت خیال کے علاوہ کائناتی بصیرت ہوتی ہے جو ہمیں روحانی مسرت بہم پہنچاتی ہے اسی لئے ہم چشموں اور نالوں کی بجائے سمندر کو پسند کرتے ہیں۔

لانجائی نس (LONGINUS) مبالغہ (Hyperpbole) کے استعمال کے حق میں ہے۔ اس سے فن پارے میں بلاغت پیدا ہوتی ہے لیکن مبالغے کو غیر فطری نہیں ہونا چاہئے۔ شدید

جذبات اور کسی حادثے کے موقع پر مبالغے سے کام لیا جا سکتا ہے اور یہاں یہ یقیناً فطری ہوگا۔ قصیدے اور ہجویہ نظم میں اس کا استعمال ضروری ہے۔ اچھے کو اچھا اور برے کو برا ثابت کرنے میں مبالغہ بہت مددگار ثابت ہوگا۔

انشا پردازی کا خاص ترتیب سے استعمال ترفع کے لئے ضروری شرط ہے اس سے ایک آہنگ پیدا ہوگا۔ جس سے سامعین قائل ہوں گے اور ان کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوگا۔ نیز جس طرح بانسری کا گیت گانے والے کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے اسی طرح انشا اور الفاظ کے خاص استعمال سے جذبات نگاری میں مدد ملے گی۔

لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ جس طرح انسانی اعضاء کی الگ الگ کوئی اہمیت نہیں۔ سب مل کر انسانی جسم بناتے ہیں اسی طرح ترفع کے مختلف عناصر بھی الگ الگ کوئی اہمیت نہیں رکھتے سب یکجا ہوں تو رفعت اور فنی حسن پیدا ہوتا ہے۔ ترفع کے لئے ضروری ہے کہ مختلف عناصر کو ہم آہنگ کیا جائے تا کہ فن پارے میں عظمت پیدا ہو۔ لانجائی نس (LONGINUS) نے مشہور المیہ نگار یوری پیڈیز (Euripides) کی مثال دے کر کہا کہ وہ بڑا شاعر تھا کیونکہ اسے فن پارے میں مختلف عناصر ہم آہنگ کرنے کا فن آتا تھا۔

Euripides is a poet by virtue of his power of composition than of his ideas.......

ترفع کے لئے لانجائی نس (LONGINUS) ناہموار اور عامیہ زبان کو مضر قرار دیتا ہے۔ وہ ایسے الفاظ کے استعمال کے سخت خلاف ہے جو جذبات سے عاری ہوں اور ان میں صرف ظاہری نمائش اور شان موجود ہو۔

لانجائی نس (LONGINUS) کا خیال ہے کہ اصول وضوابط کی بہت زیادہ پابندی بھی ترفع کے لئے خطرناک ہے۔ کیونکہ جب خیالات بنے بنائے سانچوں میں ڈھلنے لگیں تو فطری عظمت اور فطری رابطہ قائم نہیں رہتا۔ گھٹیا اور مبتذل زبان اعلیٰ خیالات کو پست کر دیتی ہے اور احساس ترفع قائم نہیں رہتا۔ ایک شاعر کو چاہئے کہ موضوع کی نوعیت کے مطابق زبان کا استعمال کرے۔

We should use words that suit the dignity of

the subject.

لانجائی نس (LONGINUS) اپنے مقالے کے آخر میں ادبی تخلیقات کے فقدان کا ذکر کرتا ہے اور سوال اٹھاتا ہے کہ کیا ادبی فن پاروں کے زوال کا سیاسی یا اخلاقی زوال سے کوئی تعلق ہے؟ اس کے عہد کے ایک فلسفی کی رائے میں اعلیٰ تخلیق فن پاروں کا زوال دراصل سیاسی زوال کی وجہ سے عمل میں آتا ہے۔ اس کے مطابق اعلیٰ ادب اور خطابت جمہوریت کے زمانے ہی میں فروغ پاتے ہیں۔ جمہوریت کا زمانہ عظیم روح کی پرورش کرتا ہے لیکن لانجائی نس (LONGINUS) اس سے اختلاف رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ ادبی فقدان کی اصل وجہ اخلاقی اور روحانی بدحالی ہے جب لوگ عیش اور دولت کے اسیر ہو جائیں تو وہ کمینے، ذلیل اور عیش پسند ہو جاتے ہیں۔ دولت کی زیادتی انہیں کاہل اور بے حیا بنا دیتی ہے یہی اخلاقی زوال ہے جو اعلیٰ خیالات کی موت ہے۔ جب اعلیٰ فکر نہ ہو تو اعلیٰ ادب کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ آزاد فضا میں انسان اپنے آپ کو سفلی جذبات اور پست خواہشات کا غلام بنا لیتا ہے۔ امیروں کے بچے گستاخ اور خود سر ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ آزادی کے ہاتھوں ہوتا ہے جو جمہوریت کی عطا ہے چنانچہ ایسے ماحول میں کوئی نہ کوئی پابندی ضروری ہے کیونکہ جمہوری عہد کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

ہوریس اطالوی شاعر اور نقاد ہے۔ ایتھنز میں فلسفہ پڑھنے گیا۔ ہومر کی شاعری کا اسیر ہو کر اٹلی لوٹا۔ میں نے ''یونان کے ادبی ورثہ'' میں اس کی تنقید اس لئے شامل کی ہے کہ اس کی فکر اور نظریہ تنقید (سارے کا سارا) یونانی تنقید کی منفرد تقلید ہے۔

(مصنف)

ہوریس

(Horace)

روم کا مشہور شاعر ہوریس (H O R A C E) اٹلی کے جنوب مشرقی علاقے وینوسیا (Venosia) کے مقام پر 65 (ق م) میں پیدا ہوا۔ یہ زمانہ جولیس (Julius Caesar) کے عروج کا زمانہ تھا۔ ہوریس (HORACE) اپنی ابتدائی تعلیم روم میں مکمل کر کے فلسفہ پڑھنے کے لئے ایتھنز (Athens) چلا گیا۔ لیکن وہاں ہومر (Homer) کے طلسم میں ایسا پھنسا کہ دن رات اس کی کتابوں کو اپنے قلب و ذہن میں اتارتا رہا اور ایک اچھے شاعر کو اپنے وجود میں پالتا رہا۔ ہوریس (HORACE) ایک متوازن ذہن کا مالک تھا۔ اس کی عشقیہ شاعری بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے وہ ہر طرح سے ایک مکمل آدمی تھا۔ ہر حالت میں خوش رہتا تھا۔ ہر آدمی سے مل کر مسرت حاصل کرتا۔ مشکل وقت میں ہنسنا کھیلنا اس کی عادت تھی۔

ہوریس کی عمر جب 21 سال کی تھی تو روم کی سیاسی حالت میں اچانک ایک تبدیلی آئی۔ سیزر (Caesar) کے قتل کے بعد بروٹس (Brutus) نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا۔ ہوریس (HORACE) نے بروٹس (Brutus) کا ساتھ دیا۔ شاعر سپاہی بنا۔ میدان جنگ میں قلم چھوڑ کر تلوار کے جوہر دکھائے لیکن فیلپی (Philippi) کے مقام پر اس کی حامی فوجوں کو بری طرح شکست کھانا پڑی اور اس کے ساتھ ہی ہوریس (HORACE) کو ایک برے عہد کا منہ دیکھنا پڑا۔ اٹلی میں اس کی ساری جائیداد ضبط ہو گئی۔ کچھ وقت اس نے مسافت میں کاٹا اور پھر مشہور شاعر ورجل (Virgil) اور بادشاہ آگسٹس (Augustus) کی وجہ سے اسے روم آنے کی اجازت مل گئی۔ (Meacenas) نہایت ادب شناس تھا۔ اور ہوریس (HORACE) کو بہت

چاہتا تھا۔اس نے ہوریس (HORACE) کو ایک جاگیر عطا کر دی جہاں وہ ساری زندگی شراب، تنہائی اور شاعری سے دل بہلاتا رہا۔شراب اور شاعری دونوں اس کی کمزوریاں تھیں وہ کہا کرتا تھا کہ

When I was born, JAR of WINE born

اپنی جاگیر میں اس نے بے فکری کی زندگی گزاری، اس نے اپنے کمرے کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے۔

''سنگ مرمر کی میز پر شراب رکھی ہے۔جس میں شفاف سمندر کا پانی ملا ہوا ہے۔ساتھ شراب کی صراحی رکھی ہے جو مٹی کی بنی ہوئی ہے۔میں ساری سات شراب پیتا ہوں۔دن چڑھے سو کر اٹھتا ہوں...... میں دنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی ہوں۔''

ہوریس (HORACE) کے نزدیک غم کا لفظ بالکل اجنبی تھا۔اردو شاعر مرزا سودا کی طرح غم و آلام اس کے آنگن میں قدم دھرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ہوریس (HORACE) کی فطرت میں دکھ سہنے کی ہمت تھی۔اس کے لبوں پر ایک ہی فقرہ رہتا تھا۔

You must do---- must submit to ----- must face---- must endure.

اس نے اس فلسفے پر ساری زندگی عمل کیا اور خوش رہا۔انسانوں کو اچھی زندگی گزارنے کی تلقین کرتا رہا۔اس کی شاعری اس کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے مگر بڑے اہم اصولوں کا مجموعہ تھی۔مثلاً

1- He is master of himself and happy who as the day ends can say, I have lived, tomarrow come loud come sun shine.
2-Life's brief space long hope.
3- The swift moose can repair their losses in the sky-when we are gone where the great dead have passed, are dust and shadow----

لفظوں کو بحر میں لکھنا اس کی کمزوری تھی۔وہ ساری زندگی کاغذ پر الفاظ سے کھیلتا رہا۔اس نے جو کچھ لکھا۔اشعار میں کہا۔باتیں، نصیحتیں، مشورے، خط و کتاب سب کے لئے شاعری کا پیرایہ اختیار کیا۔اس سے شاعری کو نقصان بھی ہوا لیکن وہ شاعری کی عادت ترک نہ کر سکا۔شاعری میں ان

خامیوں کا اسے خود بھی احساس تھا اپنی ایک نظم کے ایک مصرعے میں وہ کہتا ہے کہ فضول گپ شپ نے میری شاعری کو برباد کر دیا ہے۔

ہوریس (HORACE) نے ان خامیوں کے باوجود جو کہا بہت محنت سے کہا۔ وہ زبان کے سلسلے میں بہت محتاط تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ شاعر کو اپنے اشعار پر اتنی ہی محنت کرنی چاہئے جتنی شہد کی مکھی شہد جمع کرنے کے لئے کرتی ہے۔ وہ ایک نظم میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

I am like the bee that busy works in the sweet wild them around the groves and banks of wide-watered 'Tin' Even small and toiling hand like I build my songs.

(Roman way-49)

شاعری میں فنی باریکیوں کی اس نے خود بھی پابندی کی اور نوجوان شاعروں کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کی۔ شاعری میں وہ اختصار کا قائل تھا۔ اس نے جہاں جہاں اپنے تنقید نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اختصار پر زور دیا ہے اور اس پر خود بھی عمل کیا ہے۔ اس نے ساری زندگی شاعری کی لیکن نتیجہ ایک مختصر سا دیوان ہے۔ لیکن اس کے ہر مصرعے میں اس کی محنت و کاوش کی مہر ثبت ہے۔ کوئی انگلی رکھ کر خامی کی نشاندہی شاید ہی کر سکے۔ اس اختصار کی عادت نے اسے لاطینی زبان کا ناقابل فراموش شاعر بنا دیا ہے۔ اپنے دوست (Picaso) کے بڑے بیٹے کو بھی اس نے اسی اختصار کی نصیحت کی جس پر وہ ساری عمر عمل کرتا رہا۔

Be brief so that the thought does not stand in its own way.

(Roman way-Page 89)

ہوریس (HORACE) نے رومانی گیتوں کے علاوہ ہجویہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں وہ اپنے عہد کے شاعروں پر کڑی تنقید کرتا ہے۔ شاہ روم آگسٹس (Augustus) کے لئے لکھی ہوئی نظم (Epistle To Augustus) ان نظموں میں سے ایک ہے۔ نظم کے شروع میں اس نے بادشاہ اور دربار کی تعریف کی ہے۔ اس کے بعد اپنے عہد کے ادب اور شعراء پر تنقید کی ہے۔ ان شعراء کو برا بھلا کہا ہے جو قدیم یونانی اور رومی ادب کی قدر نہیں کرتے۔ ہوریس (HORACE) نے اس نظم

میں یونانی اور رومی ادب کا موازنہ کیا ہے اور پھر شاعروں کومشورہ دیا کہ وہ ان سے استفادہ کریں۔

You must give your days and nights to the study of Greek.

یونانی شاعر ہومر (Homer) اس کا پسندیدہ شاعر تھا۔ اس کی شاعری کو اگر ہومر (Homer) کا فیض کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایڈیسن (Addison) نے ہومر (Homer) کی ادبی خدمات پر مضمون لکھتے ہوئے کہا ہے کہ ہومر (Homer) نے اپنے بعد آنے والے تمام شاعروں پر دیرپا اثر چھوڑا ہے اور ان میں پیش پیش ہوریس(HORACE) ہے۔ ایڈیسن (Addison) اپنے مضمون میں کہتا ہے۔

I shall only instance Horace, who immediately takes fire at the first hint of any passage from the iliad or Odyssey' and always rises above himself when he has Homer in view.

(Spectator-No 417)

ہوریس(HORACE) اپنی اس نظم میں تھیٹر کے تماشائیوں کومشورہ دیتا ہے کہ ڈرامائی شاعری کے علاوہ وہ دوسری شاعری کی طرف بھی توجہ دیں۔ آخر میں آگسٹس (Augustus) کے ادبی ذوق کی داد دیتا ہے اور اس سے درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ اچھے شاعروں کی سرپرستی کرے اور بری شاعری کوفروغ نہ پانے دے۔

ہوریس(HORACE) کی دوسری ہجویہ نظم (Epistle to Julius) ہے اس میں وہ اپنی زندگی کے بارے میں باتیں کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اب غنائیہ شاعری کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ نظم کے آخری حصے میں اس نے اپنے عہد کے ایسے شاعروں کوتنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ جو شعر لکھتے ہوئے محنت اور کاوش نہیں کرتے۔ شاعری کے فن پر اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے اور بڑے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ اعلیٰ ترین الفاظ کا منظم طریقے سے استعمال ہی اچھی شاعری ہے۔ ہوریس کا اصلی تنقیدی کارنامہ اس کی مشہور تصنیف (Art Poetica) ہے جسے آج (Liber De Art Poetica) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے......!

ON THE ART OF POETRY

(LIBER DE ART POETICA)

''فن شاعری'' کے سن تصنیف کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ ہوریس (Horace) کی آخری تصنیف ہے۔ اس کی وجہ تصنیف کچھ یوں ہے کہ (Piso) خاندان کے ساتھ ہوریس (Horace) کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ اس خاندان کے سربراہ (Lueius Piso) کے دو بیٹوں کو شاعری کا شوق چرایا تو انہوں نے ہوریس (Horace) کی طرف رجوع کیا اور رہنمائی چاہی۔ ہوریس (Horace) نے یہ نظم ان کو مخاطب کر کے لکھی ہے۔ اس نظم میں اس نے شاعری کے بارے میں اپنے تنقیدی نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اچھی اور بری شاعری کا موازنہ کیا ہے دونوں نوجوان شاعروں کو بتلایا ہے کہ شاعری شروع کرنے سے پہلے انہیں کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ اچھی شاعری کے لئے کیا کیا باتیں ضروری ہیں۔ اگرچہ یہ نظم اس نے ان لڑکوں کے لئے لکھی ہے لیکن تنقید کی تاریخ میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اور ہوریس (Horace) کا نام افلاطون اور ارسطو کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ لاطینی نقادوں میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے ارسطو اور افلاطون کے تنقیدی نظریات سے بڑا کچھ حاصل کیا۔ اس نے کسی فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرنے کے اصول بنائے۔ ہوریس (Horace) نے وحدت اور زبان کو کسی شاہکار کے لئے ضروری قرار دیا۔ قارئین کو کسی فن پارے کا معیار مقرر کرنے کا گر بتلایا۔ ان کے ذوق کی درستی کی اور شاعروں کو مشورہ دیا کہ انہیں عامیانہ شعر کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے چاہے ان کے قارئین کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ الفاظ کے استعمال کے بارے میں شاعروں کو آگاہ کیا اور غیر ملکی اور قدیم زبانوں سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ موزونیت، زبان، وحدت، خارجیت، اخلاق، اصلاح اور تفریح کو شاعری کے اہم اجزا قرار دیئے۔

اپنے شعری مقالے ''فن شاعری'' کا آغاز کرتے ہوئے اس نے (Piso) خاندان کے نوجوانوں کو سب سے پہلے یہ مشورہ دیا ہے کہ وحدت کسی فن پارے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ متناسب اجزاء اور وحدت ہی دو ایسے عناصر ہیں۔ جن سے کوئی فن پارہ شاہکار بنتا ہے۔ جس طرح انسان کے دھڑ پر گھوڑے کا سر نہیں رکھا جا سکتا یا حسین عورت کے سر کے نیچے مچھلی کا دھڑ نہیں جوڑا جا سکتا اسی طرح کسی نظم کی خوبصورتی اس میں ہے کہ وہ شروع سے لے کر آخر تک خوبصورت مصرعوں سے مزین ہو۔ شاعر کو چاہئے ایک ایک مصرعے کو حسن خیال اور مناسب زبان سے آراستہ کرے۔ اعلیٰ ترین مناسب الفاظ کو مناسب اور صحیح مقام پر استعمال کرے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کوئی فن پارہ شروع تو بہت خوبصورت انداز میں ہوتا ہے لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے اس میں حسن کم اور بدصورتی بڑھتی رہتی ہے۔ کبھی شاعر ہوائی باتیں کرتا ہے کبھی وہ زمین پر رینگنے لگتا ہے۔ ہوریس (Horace) نظم یا تصویر کو ہر لحاظ سے خوبصورت دیکھنا چاہتا ہے۔ تصویر کو جس زاویہ سے دیکھا جائے۔ نظم کا مصرع پڑھا جائے وہ خوبصورت لگے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب نظم یا تصویر کے ہر حصے پر پوری توجہ دی جائے تا کہ وحدت اور خوبصورتی برقرار رہے۔

ہوریس (Horace) کے نزدیک موضوع کا انتخاب سب سے اہم چیز ہے۔ لکھنے والے کو اپنی قابلیت کے مطابق موضوع کا انتخاب کرنا چاہئے اگر اسے اپنے موضوع کا علم ہوگا تب ہی وہ اپنے خیالات کو قاری تک پہنچا سکے گا۔ شاعر کو چاہئے کہ وہ اپنے موضوع کا انتخاب کرنے میں کچھ وقت صرف کرے۔ موضوع کے بارے میں مواد اکٹھا کرے۔ خیالات کو ترتیب وار منظم کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کا فن پارہ موثر ہوگا۔ موضوع کو جانے بغیر اگر اس نے شاعری شروع کی تو نہ الفاظ اس کے بس میں رہیں گے اور نہ ہی خیالات...... (انگریزی شاعر ملٹن (Milton) نے شاید اس گر کو پا لیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی لافانی نظم جنت گمشدہ شروع کرنے سے پہلے ایک طویل عرصہ موضوع کے لئے انتخاب اور تیاری پر صرف کیا)۔

ہوریس (Horace) نے شاعروں کو مشورہ دیا ہے کہ انہیں اپنی طاقت کے مطابق وزن اٹھانا چاہئے یعنی اس موضوع کا انتخاب کریں جس کے ساتھ وہ انصاف کر سکیں انہیں پتہ ہونا چاہئے

کہ جس موضوع پر وہ قلم اٹھا رہے ہیں۔ ان کے بیان میں کون سی باتیں ضروری ہیں اور کن باتوں کا بیان ضروری نہیں اور پھر کون سی بات کن الفاظ میں کہی جائے۔ الفاظ کے انتخاب کے سلسلے میں ہورلیس (Horace) شاعروں کو مشورہ دیتا ہے کہ انہیں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئے جو شعر کی معنویت میں اضافہ کریں۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے اسلوب میں جان پڑ سکتی ہے۔ پرانے الفاظ کے استعمال پر ہورلیس (Horace) نے کوئی پابندی عائد نہیں کی لیکن اس بات پر زور دیتا ہے کہ انہیں استعمال اس طرح کیا جائے کہ ان میں تازگی آ جائے۔ شاعر کو چاہئے کہ وہ عام الفاظ کو بھی اس طرح استعمال کرے کہ ان سے فن پارے میں نئے معنی پیدا ہو جائیں۔ نئے الفاظ کو قاری اسی صورت میں قبول کرے گا اگر وہ سلیقے سے استعمال کئے گئے ہوں۔ ہورلیس (Horace) کہتا ہے کہ جس طرح درخت کی چھال درخت سے الگ ہو کر سوکھ جاتی ہے۔ اسی طرح الفاظ بھی پرانے ہو کر مر جاتے ہیں۔ جس طرح انسان ابدی نہیں اسی طرح الفاظ بھی ابدی نہیں۔ وہ متروک ہو جاتے ہیں۔ شاعروں کو چاہئے کہ وہ نئے اور پرانے الفاظ کو اپنی شاعری میں اعتدال کے ساتھ استعمال کریں۔ ہورلیس (Horace) کے نزدیک انسان کی داخلی کیفیت کو صرف الفاظ کے ذریعے ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ خوشی اور غصے کے جذبات، محبت اور دشمنی کی کیفیتوں کو مناسب الفاظ کے ذریعے ہی موثر بنایا جا سکتا ہے۔ شاعروں کو یہ گر آنا چاہئے کہ کون سی کیفیت یا جذبے کی ترجمانی کن الفاظ سے کی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ المیہ کے لئے سنجیدہ اور پرشکوہ زبان ضروری ہے اور طربیہ کے لئے شوخ اور سادہ زبان، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب المیہ میں سادہ اور شوخ زبان برتی جاتی ہے اور طربیہ میں سنجیدہ اور پروقار زبان لیکن یہ موقع محل کی بات ہے۔ شاعر کو اس کا شعور ہونا چاہئے کہ کس کیفیت کی ترجمانی کن الفاظ میں کی جائے۔

ہورلیس (Horace) قدامت پسند تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مقالے میں ادبی روایات کی پیروی پر بہت زور دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نئے لکھنے والے قدیم اساتذہ کے ادبی کارناموں کا مطالعہ کریں اور بات کہنے کا ڈھنگ سیکھیں۔ ہورلیس (Horace) کا خیال ہے کہ اگر شاعر اپنی نظم کے لئے نیا موضوع بھی منتخب کرے تو اسے اساتذہ کے کلام سے رہنمائی حاصل کرنا چاہئے۔ اس سے

دھواں نہیں روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ شاعروں کو ہومر (Homer) سے کرداروں کی تشکیل کا فن حاصل کرنا چاہئے۔ قدیم ادبی روایات سے نئے لکھنے والوں کو رہنمائی حاصل کرنی چاہئے کہ فن پارے میں وحدت کیسے پیدا کی جاتی ہے۔ نظم کے ابتدائی، درمیانی اور آخری حصے کو کیسے ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔ یونانی ادب کو ہوریس (Horace) مستند مانتا تھا۔ اس لئے وہ شاعروں کو مشورہ دیتا ہے۔

You must give days and nights to the study of Greek model----

ہوریس (Horace) افلاطون کی طرح شاعری کو نقالی یا تقلید قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ ایک شاعر یا مصور اس نقالی کو اپنے فن اور زبان سے چار چاند لگا کر زندگی کی سچائی بنا سکتا ہے۔ وہ شاعروں پر زور دیتا ہے کہ وہ زندگی کا بھرپور مشاہدہ کر کے کردار منتخب کریں اور پھر انہیں ان کا لب ولہجہ دے کر اپنی شاعری میں پیش کریں۔ ایک تجربہ کار شاعر اپنے مشاہدے اور محنت سے اپنے کرداروں کو لافانی بنا سکتا ہے۔

ہوریس (Horace) شاعر کے لئے ہر عمر کے انسانوں کے مزاج سے آشنائی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ شاعر کو بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں کی پسند اور ناپسند سے باخبر ہونا چاہئے۔ بچہ اگر ڈرامہ دیکھ رہا ہے اور شاعر فلسفیانہ باتیں کر رہا ہے تو یہ ساری باتیں اس کے سر سے گزر جائیں گی۔ شاعر کو چاہئے کہ اپنے ڈرامے میں اسکی پسند کا بھی خیال رکھے۔ اس طرح ہر عمر کے قاری اور سامع کے مزاج اور پسند سے شاعر کی واقفیت ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ شاعر لوگوں میں گھل مل کر ان کی نفسیات کا مطالعہ کرے۔ چنانچہ ہوریس (Horace) شاعر کو انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے کی تجویز پیش کرتا ہے تا کہ مختلف عمر کے لوگوں کو شاعر ان کی پسند کے مطابق تفریح فراہم کر سکے۔

ہوریس (Horace) کے نزدیک شاعری کے بنیادی مقاصد دو ہیں۔ تفریح اور اخلاقی اصلاح...... اگر کوئی شاعر ان دونوں مقاصد کو اپنی شاعری میں جگہ دیتا ہے تو وہ اچھا اور کامیاب شاعر ہے۔ شاعر کو چاہئے کہ وہ افسانوی رنگ سے تفریح کا سامان پیدا کرے لیکن اسے اس چیز کا خیال رکھنا

چاہئے کہ اس کی شاعری ناقابل یقین نہ بنے۔ جہاں تک اخلاقی اصلاح کا تعلق ہے اس کے لئے ہوریس(Horace) کا خیال ہے کہ اسے اختصار کے ساتھ پیش کیا جانا چاہئے۔ اخلاقیات کا درس اگر فن پارے میں بار بار دہرایا جائے تو دیکھنے اور پڑھنے والے الجھن محسوس کریں گے بالکل اس طرح جس طرح اگر کسی محفل میں گویا ایک ہی راگ کو بار بار گائے تو لوگ اکتا جاتے ہیں۔ ہوریس(Horace) کے نزدیک اچھا اور کامیاب شاعر وہی ہے۔ جو قارئین کو مسرت اور تفریح بھی فراہم کرے اور اخلاقی اصلاح بھی۔ اس کے نزدیک شاعری کے یہی دو مقاصد ہیں۔

Poet aim at giving either profit or delight, or at combining the giving of pleasure with useful concept for life. (333-34)

اور پھر ذرا وضاحت کے ساتھ کہتا ہے۔

The man who has managed to blend profit with delight wins everybody's appreciation, for he gives reader pleasure at the same time as he instruct him.

ادب اور شاعری کا مقصد ہوریس(Horace) کے نزدیک مسرت بہم پہنچانا اور زندگی کے بارے میں رہنمائی دینا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جسے بنیاد بنا کر بعد میں نشاۃ الثانیہ کے نقادوں نے اپنے نظریات کو آگے بڑھایا ہے۔

شاعری میں آمد اور آورد کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ہوریس(Horace) کہتا ہے کہ شاعری کا جذبہ اگرچہ فطری ہے لیکن اس جذبے کو بہتر صرف محنت اور کاوش سے ہی بنایا جاسکتا ہے۔ ہوریس(Horace) کے نزدیک شاعر کو اتنی محنت کرنا چاہئے۔ جتنی شہد کی مکھی شہد جمع کرنے میں کرتی ہے۔

برا اور جنونی شاعر ہوریس(Horace) کے نزدیک طاعون اور یرقان کے مریض کی طرح ہے۔ ایسے شاعر اپنے آپ میں مست سر اٹھا کر چلتے رہتے ہیں اور پھر کنوئیں میں گر جاتے ہیں۔ مدد کے لئے پکارتے ہیں تو کوئی انہیں بچانے نہیں آتا۔ ایسے شاعر کو خودکشی کرنے کی پوری اجازت ہے

کیونکہ ایسا شاعر اگر کسی شریف آدمی کو مل جائے تو اسے اس وقت تک اپنی شاعری سناتا رہے گا جب تک سننے والا مر نہ جائے۔ ایسے شاعر سے بچنا چاہیئے۔

ایسا شاعر جونک کی طرح ہے جسے چمٹ جائے اس کا خون چوس کر ہی بدن سے الگ ہوتا ہے۔ ہوریس (Horace) کے نزدیک اچھے نقاد کا بڑا مقام ہے اس کا خیال ہے کہ ایک نقاد ہی فن پارے کی قدر و قیمت متعین کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مخاطب (Piso) کے بڑے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ کبھی دوستوں کو اکٹھا کر کے اپنی شاعری نہ سنائے کیونکہ دوست اس کو بے جا داد دیں گے اور برے شعر کی بھی تعریف کریں گے چنانچہ ہونا یہ چاہیئے کہ کسی اچھے نقاد کو اپنی نظم سنائے تاکہ وہ برائیوں کی نشان دہی کر سکے۔ ہوریس (Horace) آگے چل کر کہتا ہے کہ بری شاعری کا نہ چھپنا اچھا ہے۔ وہ مشورہ دیتا ہے کہ ایسی شاعری نقاد کو دکھا کر اپنے میز کی دراز میں رکھ لو اور 9 سال بعد اسے پھاڑ دو اس لئے کہ جو چیز ابھی نہیں چھپی وہ تمہارے نام کو بدنام نہیں کرے گی اگر چھپ جائے تو اسے واپس لینا بہت مشکل ہے۔ ہوریس (Horace) کہنا یہ چاہتا ہے کہ برے اشعار کہنے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اگر کہہ لئے جائیں تو انہیں چھپوانے کی بجائے تلف کر دینا چاہیئے۔

لاطینی نقادوں میں ہوریس (Horace) بڑی اہمیت کا حامل ہے اس نے اپنے تنقیدی کارنامے فن شاعری (Art-Poetica) میں کوئی چونکا دینے والی بات نہیں کی اور نہ ہی اپنی طرف سے نئے نظریات کو روشناس کرایا ہے۔ اس نے افلاطون ارسطو سے بہت استفادہ کیا ہے۔ قدیم یونانی اور لاطینی ادیبوں شاعروں کے خیالات کو بڑی آزادی سے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے لیکن اس بات سے اس کی اہمیت کسی صورت کم نہیں ہوتی۔ ہوریس (Horace) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ بڑی ذمے داری سے ان ادبی اصولوں کو زیر بحث لاتا ہے جو قدیم فن پاروں کی قدر و قیمت متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اس نے قدیم فن پاروں سے عملی طور پر مثالیں دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اچھا اور برا ادب کیا ہوتا ہے اور یہی وہ قابل تعریف وصف ہے جو اس کے تنقیدی فیصلوں کی خوبصورتی ہے۔

ہوریس (Horace) نے اپنی تنقیدی کتاب فن شاعری (Art-Poetica) اپنے

دوست کے بیٹے کو مخاطب کر کے لکھی تھی لیکن اصل میں وہ اپنے عہد کے شاعروں سے بات کر رہا تھا۔ فن شاعری کی چند سطریں پڑھ کر یہ احساس ہو جاتا ہے کہ ہوریس (Horace) شاعروں سے کن کن باتوں پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

> **I write nothing myself. I will teach poet his duties. I will tell him where to find hidden resource, what will nourish his poetic gift, what he may, and may not do.**

وہ اس کتاب کے ذریعے شاعروں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرتا ہے شاعری کا مواد انہیں کہاں سے لینا چاہئے۔ شاعری کو کون کون سے چیزیں جلا بخشتی ہیں۔ شاعری کی صفت جو فطرت کی طرف سے شاعر کو عطا ہوئی ہے اسے وہ کیسے اعلیٰ ترین بنا سکتا ہے اسے کیا کرنا اور کیا کہنے نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہ سیدھے راستے پر چلے گا تو کس منزل پر پہنچے گا اور غلط راستہ اسے کہاں لے جائے گا۔ یہ ساری باتیں ذہن میں رکھ کر ہوریس (Horace) نے اپنی کتاب میں بڑے لطیف پیرائے میں گفتگو کی ہے۔ کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ہوریس (Horace) نے شاعروں کو ان فرائض سے آگاہ کیا ہے۔

1- وحدت کسی فن پارے کی جان ہوتی ہے۔ کسی نظم کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک اس کا ایک ایک مصرع فنی طور پر مضبوط ہو۔ ایک اچھی نظم ایک اچھی تصویر کی طرح ہوتی ہے اور اچھی تصویر وہ ہے جسے نزدیک یا دور جہاں سے بھی دیکھا جائے خوبصورت نظر آئے۔ نظم کا بھی یہی حال ہے اسے شروع سے لے کر آخر تک جہاں سے بھی پڑھا جائے فنی تسلسل ایک سا ہو۔ بقول مرزا غالب۔

تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

2- زبان کے بارے میں ہوریس (Horace) کا نظریہ یہ ہے کہ شاعری کی زبان وہ ہونی چاہئے۔ (That is true to life) یعنی عام بول چال کی زبان۔ نئے اور غیر علاقائی زبان کے الفاظ پر وہ قدغن نہیں لگاتا صرف ان کے استعمال میں سلیقہ شرط قرار دیتا

ہے۔ پرانے الفاظ کے بارے میں ایک موقف ہے کہ وہ ایسے استعمال ہوں کہ ان میں نئے معنی آ جائیں۔ غیر علاقائی زبان کے الفاظ کی اجنبیت ختم کر کے انہیں مانوس بنا کر پیش کیا جائے۔

3- شاعری اور ڈرامے کا زندگی سے کوئی نہ کوئی تعلق یا رابطہ ضروری ہے واقعات، مواد، کردار سب کا حقیقت اور سچائی سے تعلق ضروری ہے۔

Work written to give pleasure should be as true to life as possible.

4- ادیب اور شاعری کے ہوریس(Horace) کے نزدیک دو فریضے ہیں۔ مسرت اور اصلاح۔ شاعر کا فرض ہے کہ پڑھنے والے کو راحت اور روحانی مسرت دینے کے ساتھ ساتھ اصلاح بھی کرے اور مفید مشورے بھی دے۔

5- اس میں شک نہیں کہ شاعری کا جذبہ یا وصف شاعر کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے لیکن باقاعدہ تربیت، محنت اور مطالعے سے اس وصف کو اعلیٰ ترین بنایا جا سکتا ہے۔

6- شاعری شروع کرنے سے پہلے شاعر کو شاعری کے ابتدائی رموز سے واقف ہونا چاہئے۔ جو شاعری کے حروف ابجد سے ناواقف ہو اسے شاعری کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔ جو کھیل کے اصول نہیں جانتا اسے کھیل کے میدان میں نہیں اترنا چاہئے۔

7- امیر اور دولت مند اپنے پیسے کے زور پر داد دینے والوں کو شعر سنانے کے لئے اکٹھا کر لیتا ہے۔ اس کی مثال نیلامی کرنے والے کی طرح ہے جو مجمع لگا لیتا ہے۔ شاعر کی پرکھ صرف نقاد کرتا ہے اس لئے اچھی شاعری کے لئے اچھے نقادوں سے رجوع کرنا چاہئے جو فنی خامیوں کی طرف اشارہ کر سکیں۔ واہ واہ کرنے والوں سے پرہیز بہت ضروری ہے۔

8- اچھی شاعری کو ضرور چھپنا چاہئے لیکن بری شاعری کو دراز میں بند کر کے رکھا جائے تو بہتر ہے۔ لیکن بہترین عمل یہ ہے کہ اسے تلف کر دیا جائے۔

9- اساتذہ کے کلام کا مطالعہ بہت ضروری ہے تا کہ نئے لکھنے والوں کو اندازہ ہو سکے کہ قدیم

اساتذہ نے بات کو کس کس ڈھنگ سے ادا کیا ہے نیز انہوں نے موضوعات کو پھیلا کر کس طرح بیان کیا ہے۔ وہ لاطینی نوجوان شاعروں کو یونانی اور لاطینی اساتذہ کا کلام پڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔

-10 موضوع کا انتخاب بڑے دھیان اور احتیاط سے کرنا چاہئے۔ لکھنے والے کو چاہئے کہ جس موضوع پر لکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں مواد، اطلاعات اکٹھی کرے نیز جو موضوع بس میں نہ ہو اس پر قلم نہیں اٹھانا چاہئے۔

-11 اختصار سے کام لیا جانا چاہئے۔ فن پارہ نہ طویل ہو اور نہ بہت مختصر، دونوں صورت میں بات کو کم الفاظ میں بیان کیا جائے ورنہ خیال اپنا راستہ خود روک لے گا۔

-12 اصلاح ور اخلاق کا پرچار مناسب انداز سے ہونا چاہئے اگر کسی محفل میں گویا ایک ہی راگ مسلسل گا تا رہے تو اہل محفل کی دلچسپی کم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر ایک شاعر یا ڈرامہ نگار مسلسل اصلاح اور تربیت کا درس شروع کر دے تو پڑھنے اور دیکھنے والا اکتاہٹ محسوس کرنے لگے گا۔ چنانچہ ہوریس (Horace) فن پارے میں (Delight) اور (Profit) میں متوازن رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

-13 ہوریس (Horace) قدیم اساتذہ کے آزمائے ہوئے اصولوں اوزان اور قواعد کی پابندی نئے لکھنے والوں پر لازمی قرار دیتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ اپنی راتیں اور دن قدیم یونانی اساتذہ کے فن پارے پڑھنے میں صرف کر دو۔ وہ کلاسیکی مزاج رکھتا تھا اور ہیئت پرستی کا پرچار کرتا تھا چنانچہ اس کے بعد آنیوالے نقادوں نے عام طور پر اس مزاج کو اپنایا۔ ہوریس (Horace) نے شاعری اور تنقید دونوں میں کلاسیکی مزاج کا اسلوب اپنایا اور ان

پر اس کی شخصیت کا اثر موجود ہے۔ تنقید میں اس نے قدیم اور اپنے عہد کے آزمودہ فن پاروں کو ایک معیار قرار دیا۔ شاعری میں کلاسیکی طرز اسلوب اختیار کیا۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ شاعری اور تنقید دونوں میں اس کا انداز بے ساختہ ہے وہ خطیب یا فلسفی بننے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ دوستانہ ماحول میں اپنی بات کہنے کا عادی ہے اور شاید اس کے اسی انداز کو دیکھ کر لوگ

کہتے تھے کہ۔

The Greek poets are our masters, the Latin poets are our own familiar friends.

(Roman way-page 99)

اس نے آگسٹس اور سیزر کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ اس کی شاعری میں روم کی زندگی کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اسے روم سے عشق تھا۔ چنانچہ وہ بار بار یہ کہتا تھا کہ ''شور اور دھوئیں کے باوجود مجھے روم سے عشق ہے۔'' اس کی شاعری اور تنقید دونوں میں اس کا تیکھا تنقیدی لہجہ ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اصلاحی رویہ بھی۔ سینکڑوں ایسے جملے مل جاتے ہیں جن سے اس کے عہد کی تصویریں نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس نے روم کی گلی گلی میں جھانک کر اکٹھا کیا ہے۔ وہ عہد حاضر اور عہد قدیم دونوں کی کمزوریوں اور غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ تنقید میں قدیم اساتذہ کے کمزور اشعار اور فن پاروں کی مثالیں دیتا ہے۔ اپنی ہجویہ شاعری میں وہ صاف صاف کہتا ہے کہ میرے عہد کی جوان لڑکیاں گھر داری کی بجائے ہیجانی اور جنسی رقص سیکھنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ رومیوں کو بلند عمارات بنانے کا بڑا جنون تھا۔ وہ کاشتکاری چھوڑ کر عمارات سازی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہوریس (Horace) کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ چنانچہ وہ ایک جگہ کہتا ہے کہ اب روم میں صرف چند ایکڑ زمین کاشت کاری کے لئے رہ گئی ہے باقی ساری زمین پر عمارتیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ رومیوں کے بارے میں کہتا ہے کہ رومن قوم بے وقوف ہے غلطی اور گناہ کا الزام حالات پر دھرتی ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں ان کے ذہن کے اندر موجود ہیں۔ وہ اپنی نسل سے کہیں کہیں بیزار نظر آتا ہے اور اس کا الزام والدین کو دیتا ہے۔ لیکن پھر خود ہی کہتا ہے کہ ہم بھی اپنے والدین سے کوئی زیادہ اچھا کام نہیں کریں گے بلکہ اس سے بھی بری نسل دے کر جائیں گے۔

Our parents, worse than our grand-parents, gave brith to us who are worse than they, and we shall in our turn be off spring still more evil.

☆☆☆☆

یونان کا ادبی ورثہ

احمد عقیل روبی

احمد عقیل روبی تقسیمِ ہند سے پہلے بھارت کے شہر سنگرور میں 6 اکتوبر 1940ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا سایہ سر سے اُٹھنے کے بعد باہمت والدہ کے ہمراہ ہجرت کر کے خانیوال میں مقیم ہو گئے۔ میٹرک خانیوال سے، بی اے ایمرسن کالج ملتان سے اور ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے فرسٹ ڈویژن میں کیا۔ آپ نے مظفر گڑھ اور بہاولپور میں درس و تدریس کے بعد گورنمنٹ کالج شیخوپورہ میں 13 برس گزارے اور 1983ء میں گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور میں رہے اور بہ طور صدر شعبہ اردو 2000ء میں ریٹائر ہوئے۔

احمد عقیل روبی ایک ہمہ جہت ادیب، شاعر، ترجمہ نگار اور تخلیق کار تھے۔ قدیم یونانی اساطیر اور ادب ان کا خاص شعبہ ہے اس حوالے سے کتاب ''علم و دانش کے معمار'' ان کا کارنامہ ہے۔ اُنھوں نے شاہکار ڈراموں کا اردو ترجمہ، سوانحی خاکوں اور ناول نگاری میں کام کیا۔ بچوں کے لیے ''کلیاں تارے پھول''، ''رحم دل پری'' اور جانوروں کے حوالے سے ''جناور کتھا'' لکھی۔ فلمی نغمے، ٹی وی ڈرامے بھی لکھے۔

احمد عقیل روبی کو ان کی ادبی و تخلیقی خدمات پر حکومتِ پاکستان نے تمغۂ امتیاز سے نوازا۔ 23 نومبر 2014ء کو آپ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

Price: Rs 280/-